

## جملہ حقوق محفوظ

اس ناول کے نام مقام، کردار اور کہانی  
سے تعلق رکھنے والے اداروں کے نام  
قطعاً فرضی ہیں۔

## پیشکش

مطبوعات — اسرار پبلیکیشنز

زیر اہتمام

کتابی دنیا — میکلوڈ روڈ لاہور

لیجئے ڈاکٹر دعا گو بھی کتابی صورت میں حاضر ہے . . . . . یہ ناول روزنامہ حریت؟  
کراچی میں بالاقلام شائع ہوتا رہا ہے۔ کسی اخبار کے لیے کھنا میرے لیے نیا تجربہ تھا،  
بہر حال اسے بھی میرے پڑھنے والوں نے کافی سراہا ہے۔ بہتر سے حضرات تو یہاں  
تک کہہ رہے ہیں کہ یہ عمران اولہ جی جی دنیائے ان دونوں ناولوں سے بہتر ہے، جو  
میری صحت یابی کے بعد شائع ہوئے ہیں۔ پسند اپنی اپنی!

دو تین قطعیں ہی شائع ہوئی تھیں کہ ایک پڑھنے والے کا نہایت گرم خط آیا پہنچا  
جس کا متن یہ تھا کہ میں یہ کیسی گھٹیا حرکت کر بیٹھا ہوں۔ کسی روز نامے کے لیے کھنا میرے  
شایان شان نہیں ہے۔!

اول تو میری شان ہی کیا۔ دوسرے یہ کہ اپنے بیان کا باوا آدم ہی نہ لایا ہے۔  
گھٹیا اور بڑھیا کے عجیب عجیب معیار قائم کر رکھے ہیں یا لوگوں نے۔ اصل اسٹیج کارڈز لایا

پبلشر . . . . . سلطان محمد

پرنٹر . . . . . حمایت اسلام پریس لاہور

لوگ اکثر سوچتے ہیں کہ عمران کی شخصیت اتنی غیر متوازن کیوں ہے۔ وہ ہر معاملے کو بہشتی ہیں کیوں اڑا دیتا ہے۔ والدین کا احترام اس طرح کیوں نہیں کرتا جیسے کرنا چاہیے۔

اس کے پیچھے ایک طویل داستان ہے۔ بچپن میں ماں اسے نماز روزے سے لگانا چاہتی تھی۔ باپ نے ایک امریکی مشن اسکول میں داخل کرا دیا۔ باپ سخت گیر آدمی تھے اپنے اگے کسی کی نہ چلنے دیتے جب تک گھر میں رہتے... سنا چھایا رہتا... لوگ اتنی آہستگی سے گفتگو کرتے کہ قریب ہی سے سنی جاسکتی۔ تو عمران بچپن ہی سے دوہری زندگی گزارنے کا عادی ہوتا گیا۔ باپ کچھ ہوتا تھا اور گھر میں کچھ۔ اس کے باپ رحمان صاحب جیسے میرے ترقی کرتے گئے سخت گیری بھی بڑھتی گئی مشن اسکول اور گھر طرز تربیت کے تضاد نے اسے بچپن سے ہی ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا۔

ماں کہتی ہیں اللہ ایک بے زائے کسی نے بنا اور نہ کوئی اس کے لئے بنایا۔

مشن اسکول کہتا ہے۔ عیسیٰ مسیح خدا کے بیٹے تھے۔

بچپن ہی سے ذہین تھا۔ اسکول میں بحث کرنا چاہتا یا ماں کے اقوال دہراتا تو ڈانٹ کر سچپ کرا دیا جاتا۔ گھر پر عیسیٰ مسیح کی بڑائی بیان کرتا تو ماں تھپڑ رسید کر دیتی باپ کو ان فروعات سے دلچسپی ہی نہیں تھی۔ ان کا قول تھا کہ ہیں مسلمان ہوں تو بیٹا بھی ہر حال میں مسلمان ہوگا۔!

ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھے جاتے ہیں۔ کئی بڑے دانشوروں نے بھی ان کے کارناموں کو سراہا ہے۔ انہیں گارڈنر صاحب کے بہت ہی اچھے ناول سب سے پہلے امریکہ کے بعض روزناموں اور ہفت روزہ اخبارات میں بالخصوص شائع ہوئے ہیں پھر کتابی صورت میں آئے ہیں۔!

”حزبت“ پاکستان کا ایک بلند پایہ روزنامہ ہے۔ ملک کے بہترین دماغ اس کے کارکن ہیں۔ لہذا میں نہیں سمجھتا کہ اس کے لیے ناول لکھنا گھٹیا بات یکے ہوئی۔

دیے سچی بات تو یہ ہے

میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں  
”محرمیت“ کے ایڈیٹر فخر مزاری صاحب بڑے باحوال آدمی ہیں جن کا کام تو یہ کہتے ہیں ہر حال میں کر گزرتے ہیں۔!

اب صفحہ

۴۲

نیتو یہ ہوا کہ بیٹا جوں جوں کام رہ بننا لگا۔ تیرہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے نہ اُسے  
میلٹی میس سے کوئی دلچسپی رہی اور نہ اس سے کہ اللہ واحد ہے یا اس کے دو حصے دار  
اور بھی ہیں۔ ہر چیز کا مفہم اُڑا دینے کی عادت پڑتی جا رہی تھی۔

آئی ایس سی کرنے کے بعد لندن کے لیے رخصت سفر بندھ گیا۔ وہاں رحمان صاحب  
کے ایک انگریز دوست کے قیام ہوا۔ ان پابندیوں سے نجات ملی جن میں اب تک  
گوری ملٹی ہنس پھر کا شعل کھیل..... شاید ہی کوئی خانہ چھوڑا گیا ہو۔ انگریز  
میزبان پولیس آفیسر تھا؛ اکثر کہتا تھا میری تو حکمران خانی کے آفیسر کی اولاد ہو؛ کچھ نہ  
کچھ جراثیم دوسٹے میں لے ہی ہوں گے۔ کرنل بھی کا بجلی مطالعہ کرو۔ اکثر علی مشن کے  
لیے ایک آدھ کیس بھی لادیتے۔ اس چکر میں پڑنے کے بعد ہر قسم کے آدمیوں سے  
ٹکراؤ ہوا..... اور ان سے بہت کچھ سیکھے کا موقع ملا؛ وقت کافی تھا۔ دو  
سال بی ایس سی کے..... دو سال ایم ایس سی کے اور پھر ڈاکٹریٹ کے لیے پڑھیں  
کا دفتر۔

بہرحال وہ لندن سے سو فیصد ہی ناکارہ۔ ”بن کر واپس آیا۔ رحمن صاحب کو علم ہی  
نہیں تھا کہ صاحب زادے سائنس کے ڈاکٹر ہونے کے علاوہ کرناٹکی کے بھی ماہر بن کر  
تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے اسے یونیورسٹی میں بھڑانا چاہا۔ لیکن عمران نے  
صاف انکار کر دیا۔ کہنے لگا..... لڑکے پڑھا سکتا ہوں پڑھ سے مجھ سے نہیں  
پڑھا لے جائیں گے۔

رحمن صاحب کو قریح نہیں تھی کہ وہ اس بے لگنا نہ انداز میں نافرمانی کرے گا۔  
بہت جھنجھٹے۔ گرجے برسے بھی۔ لیکن وہ تو یورپین اشائل کا قلند بن کر واپس  
آیا تھا ذرا برابر پورا نہ کی۔

کچھ دنوں بعد حکمران سرگرمی کے سپرنٹنڈنٹ کیپٹن فیاض نے یارا نہ ہو گیا اور اس

نے ملحق ہی ملحق میں بعض کیسوں میں اس کی تہنائی کی۔ بس پھر کیا تھا۔ فیاض کی بن  
آئی..... یعنی حیرت انگیز طور پر اس کی سرورس یک میں کاٹاموں کا اضافہ ہونے لگا  
نہ جانے کتنے نااہل مل مئے آئینہ ہو گئے۔ اور حکمے میں کیپٹن فیاض کا طوطی باقاعدہ  
بولنے لگا۔

پھر کچھ دنوں کے بعد عمران بعض آفیسروں کی نظر میں آگیا..... اور آفیسر آن  
اسپیشل ڈیوٹی کی حیثیت سے اس کا تقرر اپنے باپ ہی کے حکمے میں ہو گیا؛ رحمن  
صاحب اب ڈائریکٹر جنرل تھے؛ منظوری کے لیے کاغذات ان کے سامنے پہنچے تو بہت  
بگڑے؛ لیکن چونکہ وزارت داخلہ کی طرف سے سفارش ملتی تھی اس لیے مجبوراً تقرر کی  
منظوری دی گئی ہی پڑی دیے وہ تھے ضرور خٹکے کر ایسا کیونکر ہوا۔

پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ اوپر کی پردا کٹے بغیر انہیں عمران کو لگا بھی کر دینا پڑا  
ہوا یہ کہ شاداب نگہ میں ایک نامعلوم اسمگر نے بڑا ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ مرکز سے  
کئی آفیسر شاداب نگہ بھیجے گئے لیکن ناکام واپس آئے۔ آخر کار عمران کی باری آئی اس  
نے چڑھے دھڑلے سے اس اسمگر اور اس کے خطا کار گروہ کا قلع قمع کیا۔ لیکن۔  
لیکن جملی صاحب کو عمران کا طریقہ کار پسند نہ آیا..... فرمانے لگے۔ یہ  
سرگرمی نہیں کھلا بھلا لگاؤ ہے۔ الہذا تو قاتل عدسے سے کام کرو۔ دروازے استغف  
دے دو۔ عمران اور قاتل عدسے کی باتیں بہ وعدہ نہ کر سکا۔ اس لیے استغف دینا  
پڑا۔

شاداب نگہ سے ایک اینگلو بھڑی رک رک رہتی تھی عمران کے ساتھ آئی تھی اس لیے  
گھر بھی چھوڑنا پڑا۔ رحمن صاحب بھلا اس کا وجود کیونکر برداشت کرتے۔  
کیپٹن فیاض نے کئی مرتبہ کیپٹنوں میں قبضہ کر رکھا تھا؛ عمران نے دھولیں دھڑلے

لے اس داستان کے لیے عمران سیریز کا ناول ”بیبیکا آدمی“ پڑھیں

صرف ایک ماتحت ایسا تھا جو اس کی دونوں حیثیتوں سے واقف تھا۔ وہ بلیک ڈیور تھا اور اس کے دوسرے ماتحت کو علم نہیں تھا کہ ان کے علاوہ کوئی اور بھی ایکٹو کا ماتحت ہے۔ یہ ماتحت "بلیک ڈیور" کہلاتا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ عمران کی عدم موجودگی میں ایکٹیو بن کر ماتحتوں کو کنٹرول کرے۔ ماتحتوں میں ایک سوسائٹس ڈکی جو لیا فٹز واٹر بھی تھی۔ تمویز، بھوانی، صفدر، لغانی اور خادر۔ براہ راست ملٹری سیکرٹ سروس سے آئے تھے۔

بہر حال وہ نہیں جانتے تھے کہ عمران ہی ان کا چیف آفیسر ہے۔ انہیں صرف اس کا علم تھا کہ ان کا چیف آفیسر ایکٹو کسی بھی عمران سے بھی کام لیا کرتا ہے۔ عمران کی رہائش اب بھی اسی فلیٹ میں تھی۔ اس کے دو ملازم بھی ساتھ ہی رہتے تھے۔ سلیمان اور جوزف۔ . . . . ! سلیمان بھی عمران کی محبت میں رحمان صاحب کی ملازمت چھوڑ آیا تھا۔

جوزف نیگرو تھا۔ ایک اعلیٰ درجے کا لڑاکا۔ ایک مقدمے میں سلطان گوانہ بن کر رہا تھا اور پھر عمران ہی سے پٹا رہ گیا تھا۔ اس کا قول تھا کہ عمران سے زیادہ شاندار مالک اس زمانے میں ہندوستان میں نہیں ہے۔ ظاہر ہے کچھ بڑے بڑے کون ہلا سکتا۔ وہ بروقت نئے میں ڈوبا رہتا تھا۔ لیکن نئے میں بھی کسی شکایت کی ہی کی طرح خطرے کی بوسہ لگتا تھا اور اس طرح جانی وچرند نظر آئے لگتا تھا جیسے کسی پی پی ہی نہ ہو۔ !

روشنی کسی کی فلیٹ چھوڑ گئی تھی۔ شاید اس کا خیال تھا کہ کچھ دنوں بعد عمران باقاعدہ طور پر اس پر عاشق ہو جائے گا۔ اور پھر شادی۔

عمران اور عشق۔ ؟ تصور ہی مفکد خیر ہے۔ بہر حال وہ اس کی تلون طبی کی متقل نہ ہو سکی۔ اور اسے رہائش کے لیے الگ انتظام کرنا پڑا۔ ویسے تعلقات اب

سے کام لے کر ایک فلیٹ کی کہنی حاصل کی اور روشنی سیت وہیں جم گیا۔ سراسر سانی کا مٹی تجربہ تو تھا ہی۔ لہذا پرائیویٹ سراسر سانی کی بٹھری؛ لیکن اپنے یہاں پرائیویٹ سراسر سانی کے لیے تالونا کوئی جگہ نہ تھی؛ لہذا دفتر پر فادر ڈنگ ایفڈ کیونگ ایجنسی کا بورڈ لگانا پڑا۔ جس کا مفہوم عمران کی وفات میں "شادی اور طلاق" تھا۔ !

شہر میں ان دنوں خاندانی جھگڑوں کا موسم تھا؛ طلاق کے اسٹے کیسز آئے کر پٹنا مشکل ہو گئی۔ روشنی اس کی پائلز کی حیثیت سے کام کر رہی تھی۔ اسی دوران میں وفات خارجہ کے سیکریٹری سر سلطان جو عمران اور اس کی ساتھیوں سے بخوبی واقف تھے ایک بڑی مشکل پیش آئے۔ وہ ان کا ایک نجی معاملہ تھا جس کی تشہیر ان کی بدنامی کا باعث بنتی۔ عمران ان کی مدد کرتا ہے اور اسل بھی ہے اس کیس کو پٹنا کر اصل خفے کا سر کھین دیتا ہے کسی کو کالوں کان خبر نہ ہوئی۔ پھر سر سلطان مجبور کرتے ہیں کہ وہ محکمہ خارجہ کی سیکرٹ سروس کی سربراہی قبول کر لے۔

بہر حال کچھ دنوں بعد وہ سیکرٹ سروس کا چیف بن گیا؛ اس کے ماتحت اسے ایکٹو کے نام سے جانتے تھے۔ طرہ قماش یعنی اس کی شخصیت بھی۔ عمران کی حیثیت سے وہ سیکرٹ سروس کا ایک معمول ایکٹو اور انفار تھا۔ اس کے ماتحت اس کا مذاق اڑاتے تھے لیکن جب وہ ایکٹو کی حیثیت سے انہیں فن پر غافل کرتا تو ان کا دم نکل جاتا۔ فن پر اس طرح مڈب ہو جاتے جیسے وہ سامنے ہی موجود ہو۔ ایکٹو کو انہوں نے کہیں نہیں دیکھا تھا اور دل میں اسے دیکھ لینے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ لیکن جب وہ بحیثیت عمران ان سے مل بیٹھا تو وہ اسے چشموں میں اڑانے کی کوشش کرتے۔



یہی پہنچے ہی تھے اور عمران کہیں کہیں اس سے بھی کام لیتا تھا۔

میکرٹ سر دوس کا بیڈ گمارڈ شہر کی مشہور عمارت دانش منزل تھی۔ لیکن اس کی اصل حیثیت سے محکمہ خارجہ کے میکٹری یا میکٹر سر دوس کے ممبران کے علاوہ اور کوئی واقف نہیں تھا۔

بہر حال مجسے میں گزر رہی تھی۔ عمران اپنے غلیٹ میں ہی ایک ایسے فن پر اپنے مانتوں کی کالیں ریلیڈ کرتا جس کے فزیکل فن ڈاکٹر ٹری میں درج نہیں تھے۔ یہیں سے بحیثیت ”ایکسٹو“ احکامات بھی صادر کرتا تھا۔

گھر والے تو منہ دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔ صرف ماں بیچاری تڑپا کرتی تھی رحمن صاحب کا حکم تھا کہ وہ کیا ڈنڈیں بھی قدم نہ رکھنے پائے۔ مگر عمران پچانگ ہی پر دم کر چوکیدار سے سب کی بغیر ومانیت معلوم کر لیتا تھا! آج بھی لکھتا تھا۔ اسی غرض سے: ماں بائی بلڈ پریشر کی مرلینہ نہیں۔ کچھ دنوں پہلے اطلاع ملی تھی کہ آج پھر ان پر امیک ہوا ہے۔

دوپہر کا وقت تھا پچانگ بند تھا۔ ذیلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ عمران نے راکر ادھر ادھر دیکھا۔ اور چوکیدار کی کوٹھڑی کے عین پر پہنچنے ہی والا تھا کہ ایک کار اس کے پیچھے آکر لکی۔۔۔۔۔ وہ جھکا ہوا زمین سے پتھر اٹھا رہا تھا۔

”دفتر گاڑی سے آؤ آؤ“ اسے کون ہے میٹل سامنے سے۔“

عمران اچھل پڑا۔ آؤ آؤ اس کی بہن ثریا کی تھی۔!

”اؤہ آپ آپ ہیں۔ پیٹھے سامنے سے۔ یہ پچانگ کس نے بند کر دیا ہے“

ثریا بھلائے ہوئے بے یوں بولی۔ عمران کا ڈرہ برابر بھی احترام نہیں کرتی تھی۔!

”حم۔ میں پچانگ کھولنے۔ یہی کا انتظام کر رہا تھا۔“ عمران نے کہا۔ اور چوکیدار کی عین کی چھت پر پتھر پھینک مارا۔ زوردار آؤ آؤ ہوئی اور ساتھ ہی چوکیدار

کی آواز بھی سنائی دی۔ ”اسے کون ہے۔۔۔۔۔ سڈر کا بچہ۔!“

وہ دہڑتا ہوا اپنی کوٹھڑی سے نکلا لیکن عمران پر نظر پڑے ہی دانت نکال دیئے ثریا گاڑی سے اتر آئی۔ وہ خود ہی ڈرائیوگر رہی تھی۔ اور پچھلی سیٹ پر ایک بارش اور نیم شیم آئی بیٹھا ہوا تھا۔

”یہ کیا لغویت پھیلائی ہے آپ نے“ ثریا قریب آکر دانت میٹھی ہوئی آہستہ سے بولی۔

”کیسی لغویت۔!“

”فضول باتیں مت کیجئے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ غالباً وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا سامنی کچھ سن سکے۔ پھر اس نے چوکیدار کو لکھایا۔ پچانگ کیوں بند کر رکھا ہے۔!“

چوکیدار نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پچانگ کھولا۔ عمران ایک طرف ہٹ گیا تھا اور ثریا پھر اسٹرینج پر جا بیٹھی۔ گاڑی ڈرلے بھرتی ہوئی کیا ڈنڈیں چلی گئی عمران منہ پر آئی گرد بھاتا رہ گیا۔

چوکیدار اب تڑپا گیا تھا۔

”ماں دیو سار! اس نے دانت نکال دیئے۔۔۔۔۔ پتھر مارا۔ پھر بولا ہم سمجھا۔۔۔۔۔ شیطان بچہ لوگ ہے۔ ادھر صوبت آؤ۔۔۔۔۔ امروں پر پتھر چلانا۔!“

”کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”بس غیرت بتا جاؤ۔!“

”خوساب! پچان چوکیدار ایک بیک نہ صرف سنجیدہ ہو گیا بلکہ مضحکہ خیز طور پر منہم بھی نظر آنے لگا۔۔۔۔۔ خٹک نکل کر پھر بولا۔ ”خو۔ سار بیک سار آچا نہیں ہے۔! بی بی جی آئی ڈاکٹر کو لایا۔ کل بی لایا تھا۔۔۔۔۔“

”کیا حال ہے۔“

”خوشنہ نہیں سب .... بس سب بولتا .... طبیعت خواب ہے!“

”صاحب کس وقت آتے ہیں آج کل۔“

”کبھی چار بجے۔ کبھی رات کو۔“

”یہ گاڑی میں ڈاکٹر تھا؟“

”جی صاحب۔“

”یہ کون ڈاکٹر تھا؟“ عمران یادداشت پر زور دیتا ہوا بولا۔

”بڑے نہیں سب“ چوکیدار نے جواب دیا۔

”خیر ماں تو۔ اب تم اپنی بھی خیریت بتا جاؤ۔“

”اوسے سب ہم کیا .... ہی ہی ہی۔“

”دوبک ہو رہی ہے تمہاری شادی وادی۔“

”پیسہ کد رہے سب .... اپنا مولک میں لڑکی والے کو پیسہ دینا پڑتا ہے۔“

”ڈان بڑا۔“

”لڑکی اور پیسہ۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی؟

”خوساب .... ہی ہی ہی ہی۔ آپ کا شادی کب ہوگا۔“

”جب کوئی لڑکی والا مجھے پچاس ہزار روپیہ دے گا۔ اس سے کم پر ....“

”ناگمن .... قطعی ناگمن۔“

”پتھان نے آسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس نے کوئی ناقابلِ برداشت

حد تک نامعقول بات کہی ہو۔“

”غرساب۔ آپ لوگ کا .... کیا بات ہے .... ادھر تو .... لڑکی

لوگ مفت بتاتے۔“

”یقیناً یقیناً۔“ عمران نے غمناک انداز میں سر کو خفیف سی خبش دی۔

وہ دراصل ڈاکٹر کی واپسی کا منتظر تھا۔ تاکہ اسی سے ماں کی صحیح کیفیت معلوم کر سکے

گھر والے قید سے مبرا بات بھی نہ کرتے ....!

اس نے چوکیدار کو منہم نظروں سے دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی۔ اور نہ چلا

کر بولا۔ مگر بار ڈھائی ہزار بج گئے کرتے کرتے تو دم بڑھے ہو جاؤ گے اور شاید وہ لڑکیاں

بھی بڑھی ہو جائیں جن کی تم امید دانی کر رہے ہو۔“

”اللہ کی مرضی سب“ پتھان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ وہ بڑا کریم ہے روز

نیا لڑکی پیدا کرتا ہے۔“

”بیشک بیشک۔“ عمران نے اس طرح سر کو ہلا کر کہا جیسے وہ جملہ کسی بڑے

بڑے عالم دین کی زبان سے نکلا ہو۔

”خو۔ سب .... امارا باپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے جو رد دیا تھا۔ ام کو بھی دے

گا۔“

”بالکل بالکل ....“ عمران نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے سر ہلایا۔

”بڑا سب آپ سے کہیں ناراض ہے؟“

”دکھ بھری کہانی ہے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ چند لمحے خاموش

رہا پھر بولا۔ ”بڑا سب .... اسی مولک میں ٹھیک رہتا جہر کا تم ہے۔ فعلی

سے ادھر پیدا ہو گیا۔“

”اوسے۔“ ہی ہی ہی ہی .... ہونٹ غصہ دہرے .... امارا بھی دم نکلتا۔“

اسی طرح دیر تک تصنیع ادعات ہوتی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ کیم شیم ڈاکٹر پر چڑھیں

نظر آیا۔ عمدہ تلاش کے گرم سوٹ میں ملبوس تھا۔ سر پر فلیٹ بیٹ مٹی ....

اور ڈاڑھی! اس میں تو یقین طود پر کوئی خاص بات مٹی۔ درہ چہرہ اتنا عجیب

معلوم ہوتا۔

وہ گاڑی کی پچھل نشست پر بیٹھ گیا اور یا تو اپنے پھر اسٹیرنگ سنبھالا۔

کار چھانک سے گزر کر باہر آگئی۔ عمران اپنی ڈرائیو کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جو کوئی سے معذرت سے ہی فاصلے پر پارک کی گئی تھی۔

عمران چاہتا تو ٹریڈی سے پوچھ لیتا۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ جوابات لفظی تشریح ہوتے کیونکہ ٹریڈی کی زبان بھی تفسیح کی طرح چلتی تھی۔ وہ کچھ پوچھتا اور وہ اسے ادھر سے رکھ دیتی۔ اسی وقت اگر ڈاکٹر ساتھ نہ جاتا تو عمران کی شامت اچلتے میں دیر غنڈھڑا ہی لگتی۔

اب اس کی ڈرائیو ٹریڈی کی گاڑی کے پیچھے چل رہی تھی۔ عمران سوچ رہا تھا کہ ٹریڈی کے رخصت ہو جانے کے بعد ہی ڈاکٹر سے گفتگو کرے گا۔

اگلی کار شہر کے سب سے زیادہ مقبول آدمیوں کی بتی میں لکی تھی۔ ڈاکٹر اتنا۔ چنند لے کر یا تو اسے گفتگو کی۔ اور پھر پچھل نشست کا دروازہ بند کر کے ایک عمارت کی کیا کونڈ میں مڑ گیا۔

عمران اپنی گاڑی آگے نکال لے گیا تھا اور رفتار کم کر دی تھی۔ جیسے ہی ٹریڈی نے واپس کے لیے اپنی کار موڑی اس نے بھی یو ٹرن لیا اور گاڑی اسی عمارت کے سامنے رکا دی۔ نیچے اتر کر چھانک کی طرف بڑھا۔ لیکن نیم ٹیٹ پر نظر پڑتے ہی ٹھنک گیا۔ ایک بار اپنے مخصوص اسٹائل میں آنکھیں پھاڑیں۔۔۔ اور نیم ٹیٹ کو اور زیادہ قریب سے دیکھنے لگا جس پر ہنجر رہتا۔

”ڈاکٹر ڈیوگا“

ڈھنپن اور تھانی امراض کے ماہر

نام کے نیچے ڈگریوں کی فوج تھی۔ انگریز اور جرمنی وغیرہ کے سوالے تھے۔ عمران نے کیا ڈنڈے اندر بھانکا۔۔۔ لیکن سامنے کوئی بھی نظر نہ آیا۔

وہ چند منٹ پہانک پر ہی کھڑا رہا پھر کپا ڈنڈ میں داخل ہو گیا۔

پورچ سے مختصر پر آمدہ بھی سنان تھا؛ عمران پورچ میں پہنچ کر پھر رک گیا اور اس کی انگلی کال بل کے پیش سوچ کی طرف بڑھنے لگی۔

پتے ہی دباؤ پر۔۔۔ صدر دروازہ کھلا اور ایک بادر دی بیرو باہر نکل کر عمران کی جانب بڑھا۔

”میں ڈاکٹر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں“ عمران نے اس سے کہا

”اپنا کارڈ منابت فرمائیے۔ جناب“ میرے نے بڑی شانسی سے کہا اور ہاتھ پھیلا دیا عمران نے اپنا طاقاتی کارڈ نکال کر اسے دیا۔

کارڈ کے کرہ بیرو تو اندر چلا گیا اور عمران ایسی بجائے کے سے انداز میں ہونٹ سکوتر کر برآمدے کا جائزہ لینے لگا۔۔۔ پھر اچھل پڑا صدر دروازہ بڑی زور دار آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔

پھر نگاہ میں بجلی کی کوند گئی تھی۔ عمران نے متوازن انداز میں آنکھیں پھاڑیں اور اس بجلی پر نظر جمادی جواب کر کوندے کے ساتھ ساتھ ہی گرتے بھی گئی تھی۔

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ڈاکٹر تم سے نہیں مل سکیں گے۔“ بکلی نے کہا۔

ایک سفید نام مزید ملکی لڑکی تھی۔ بال سنہرے تھے۔۔۔ آنکھیں سیاہ اور دلکش تھیں۔ ہونٹ یا قوت کے تراشے۔ تھم متوسط۔ متناسب الاعضاء۔۔۔ آنکھوں کی بناوٹ کہہ رہی تھی کہ پھر تپتی ہی ہے عمر میں بائیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

بہت بڑے ٹکے منہ نظر آ رہے تھے۔ سامنے ہی ایک ایسا درخت تھا جس کی جڑیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں اور شاخیں زمین پر اونچی پڑی تھیں نیچے لکھا ہوا تھا ”تنہائی“ پھر دوسری تصویر پر نظر پڑی۔ پورے فریم پر صرف ایک بڑی سی آنکھ بنی ہوئی تھی۔ جس کے گرد کچھ رنگ بے ترتیبی سے بکھیر دیئے گئے تھے اس کے نیچے تحریر تھا ”جدائی“ پھر ایک ہفتی سا چہرہ نظر آیا جس کے گرد پھیلیں سے ایک پٹین بنا ہوا تھا۔ . . . اس تصویر کا عنوان تھا ”وسعتیں“ پھر ایک تصویر میں ایک بھینس نظر آئی جس کی پشت پر بین رنگی ہوئی تھی اور نیچے تحریر تھا ”جذبہ تخلیق“

لوکی بھی جاگتی تھی اور ڈاکٹر بھی ابھی نہیں آیا تھا اس لیے عمران ان تصاویر سے دل ہلانا رہا۔ ہلانا کیونکہ۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ دل ہلانا بھی کسی قسم کی ”تجربہ“ کی حرکت ہی ہوسکتی ہے۔

ڈاکٹر آیا۔ اس پر ایک اچلتی سی نظر ڈالی اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔ عمران بھی ملاحظہ کے لیے نہیں اٹھا تھا۔ اس وقت وہ سرے سے اچنی نظر آ رہا تھا۔ اور بالکل احمقانہ انداز میں ڈاکٹر کی طرف دیکھ جا رہا تھا۔

”فرمائیے۔“ ڈاکٹر نے ہنسی پر لبہ ہلایا۔

”وہ۔۔۔ جی ہاں۔“

”میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو رحمان صاحب کی کوٹھی کے سامنے بھی دیکھا تھا؟“

”جی ہاں۔ جی ہاں۔“

”مر لیٹھنے آپ کا کیا رشتہ ہے۔“

”مم۔ میری۔۔۔۔۔ والدہ ہیں۔“

”اوہ۔۔۔ تو وہ آپ ہی ہیں۔“

”جی ہاں۔ جی ہاں۔“ عمران احمقانہ انداز میں سر ہلاتا ہی چلا گیا۔

عمران نے متفکرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”کیوں نہ مل سکیں گے۔“ لوکی نے چٹکی میں دیے ہوئے وزٹنگ کارڈ پر نظر ڈالی اور پھر عمران کو گھورتی ہوئی بولی ”کیونکہ۔۔۔۔۔ تمام ایس سی اور ڈی ایس سی بھی ہو۔۔۔“

”اگر وہ ملنے پر آمادہ ہو گئے تو وعدہ کرتا ہوں کہ ڈگری اور ڈاکٹر سیت آکسفورڈ یونیورسٹی کو واپس کر دوں گا۔“

”تم لوگ دوسروں کا وقت ہر بار کتنا خوب جانتے ہو۔“

”میں نے وقت کو آباد ہوتے کبھی نہیں دیکھا۔۔۔ مس آرر۔۔۔“ عمران بولا۔

پھر بولا۔ ”لیکن ڈاکٹر سے مل کر ہی جاؤں گا۔“ آخر ایم ایس سی اور ڈی ایس سی ہونا اتنی بری بات کیوں ہے۔“

”پڑھے لکھے لوگ عموماً ڈاکٹر کا دماغ چائنا شروع کر دیتے ہیں۔“

”میں نہیں چاؤں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔“

”تم کیوں ملنا چاہتے ہو۔“

”ایک مریضہ کے متعلق گفتگو کروں گا جو زیر علاج ہے۔“

”اچھا! وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔“ ڈاکٹر کی پشت پر لیٹھنے کا نام اور پتہ لکھ دو۔“

عمران نے کارڈ لے کر پشت پر والدہ کا نام اور پتہ لکھا۔ لوکی کارڈ اس سے لے کر پھر اندر چلی گئی۔ عمران نے منہ ہلکانہ انداز میں اپنے شانے مسکڑے اور پھر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

مختصر ڈی ریلہ وہ واپس آئی اور بولی۔ چلو۔ لیکن پھر سمجھا دی ہوں کہ ڈاکٹر سے بحث نہ کرنا۔“

”اگر کروں تو خود کان پیڑ کر باہر نکال دینا مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔“

وہ اُسے نشست کے کمرے میں لائی۔ یہاں دیواروں پر تجزیہ کی آرٹ کے



” میں خود ہی آپ سے ملنا چاہتا تھا۔“

” جی بڑی خوشی ہوئی، عمران نے دانت نکال دیئے اور پھر چوڑی بند کر کے بولنے لگی طرح ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

” ہوسکتا ہے آپ بھی ان کی ملاقات کا باعث ہوں“

” جی وہ۔ ہاں بلڈ پریشر۔“

” وہ کوئی ایسی اہم چیز نہیں۔ (پریشر زیادہ ہائی نہیں ہے۔ یہ آسانی سے بڑھ سکتا ہے بشرطیکہ۔۔۔“

ڈاکٹر محمد ادمورا پھوڑ کر خاموش ہو گیا اور عمران اسنے اطمینان سے چاروں طرف دیکھنے لگے جیسے پوری بات ذہن نشین ہو چکی ہو۔۔۔۔۔ پھر ایک ایک ہو کر کمرے کی جانب دیکھتا ہوا بولا ”کیا آپ شاعر بھی ہیں“

ڈاکٹر بھی چونک پڑا اور اس کے ہونٹ خفیف سے کھل گئے۔

” یہ نتیجہ کیسے افدیا آپ نے، اس کے لیے میں بھی تیار تھا۔

” یہ دعا گو شخص ہے شاید۔“

” ادہ سمجھا! شاید آپ بھی بحث فرمائیں گے۔“

” نہیں میں فائدہ نہیں ہوں۔ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”دیئے آج“

ڈاکٹر میں شاعری کی دعا باغ ہے۔ قریب قریب ہر ڈاکٹر شخص منور رکھتا ہے ہر

وہ ادب کا ڈاکٹر ہو چاہے ادویات کا۔ کیا آپ نے ڈاکٹر بلبل چھپائی کا نام

سنا۔“

” صاحبزادے۔ صاحبزادے۔۔۔ آپ کہاں کی بانک رہتے ہیں۔“

” جی! میں نہیں سمجھا، عمران نے غورنگوار پیچ میں کہا۔

” آپ کس لیے تشریف لائے ہیں۔“

” میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ والدہ صاحبہ کی طبیعت اب کیسی ہے۔“

” کیا گھر سے نہیں معلوم کر سکتے تھے۔“

عمران نے ایک طویل سانس لی اور اس کے چہرے پر دکھوں کے بادل چھا گئے

چند لمبے وہ مایوسانہ انداز میں سر ملاتا رہا پھر بولا ”اس اونچے مکان کا کرایہ ادا کرنے

کی حیثیت نہیں رکھتا۔“

” سمجھا۔ یعنی آپ اپنی عادات ترک نہیں کر سکتے۔“

عمران نے سوچا اسے سب کچھ بتایا گیا ہے مشکل ہے کہ تریا ایک بات چھپ کر

پوری تفصیل میں نہ جائے۔ اس نے ڈاکٹر کو کوئی جواب نہ دیا۔ بس اپنے چہرے

پر ایک حماقت زدہ ماسوگ طاری کئے بیٹھے رہا۔

”میں نے مسٹر رحمان سے وعدہ کیا ہے کہ مسٹر رحمان کے صحت یاب ہو جانے

کے بعد آپ کا بھی علاج کر دوں گا۔“

” واقعی! عمران بیدار خاموش ہو کر بولا ”مجھ پر بڑا احسان ہو گا اگر آپ ان کا بھی

علاج کر سکیں۔“

” ان کا نہیں آپ کا۔“

” کیا بات ہوئی۔“ عمران پھر سخت پڑ گیا۔

” آپ بھی کسی پیچیدہ ذہنی مرض کا شکار ہیں۔“

” ادہ آپ سمجھ گئے، عمران کھیانی ہنسنے کے ساتھ بولا ”مگر کسی سے کہنے کا نہیں

جی ہاں واقعی۔۔۔۔۔“

چند لمبے خاموش رہا پھر راز دارانہ انداز میں آہستہ سے کہنے لگا۔ ”عجیب بناوٹ

ہے میرے دماغ کی۔ وہ آپ کی جو مرض ہے۔۔۔۔۔ بڑی شوش اپ اسٹیک

لگتی ہے۔۔۔ ہونٹ دیکھ کر میں سوچنے لگتا تھا۔۔۔۔۔ یا اللہ کی ببل الٹ گیا ہے!“

”بلبل الٹ گیا ہے؟“ ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر جلدی سے بولا۔  
 ”لا حول ولا قوۃ۔“

اس کے ہونٹوں پر چھینٹی ہوئی مٹی مسکراہٹ تھی۔  
 ”جی ہاں اور کیا؟“ عمران سر ہلا کر بولا۔ بالکل لا حول ولا قوۃ۔۔۔ بس ایسے ہی نہ جھکتا۔۔۔

اوٹ پٹانگ خیالات میرے ذہن میں آتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔ حذر علاج کیجئے میرا۔  
 ”میرا خیال ہے کہ آپ خود ہی شاعر ہیں۔“ ڈاکٹر ہنسنے لگا۔ بلبل الٹ گیا ہے۔  
 کتنی نادر تطبیہ ہے۔ سبحان اللہ۔  
 ”ہاں تو میں والدہ۔ صاحبہ۔“

”فکر نہ کیجئے۔“ ڈاکٹر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ وہ اچھی ہوجا رہی تھی۔ وہ دراصل دیر سے پاس آکر کہتے ہیں کہ شاید ان پر کسی نے کچھ کر دیا ہے پھر میں ان کے ذہن کو  
 الجھاؤ کی شکار میں۔۔۔۔۔ یہی بہتر ہے کہ ان کی جذباتی کشمکش کا رد عمل دورانِ خواب دیتا ہوں۔ الجھنوں کی وجہ معلوم کر کے انہیں رفع کرنے کی تدبیر کرتا ہوں اور ان کی  
 ہور ہا ہے۔۔۔۔۔ دوسری صورت میں تو سہرا یا تم کے دوسرے بھی پڑ سکتے ہیں۔ کل کے لیے ایک تعویذ بھی چل جاتا ہے وہ مرض سے نجات پاتے ہیں اس سادہ کاغذ  
 ”اوہ۔۔۔۔۔ میرے خدا۔“ عمران یک بیک چونک پڑا۔ کہیں غیر ارادی طور پر  
 ”یہ طریقہ بھی سائنٹیفک ہے؟“ عمران نے خنجیگی سے کہا۔  
 بحث نہ چھڑ جائے۔ مجھے سرخ ہونٹوں سے ہول آتا ہے۔“

”نہیں کوئی بات نہیں۔“ ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ ”یہ مارٹھا کے ذرائع ہیں داخل  
 کس قیاس اوقات کرنے والے کو مجھ تک نہ آنے دے۔ اکثر لوگ فنونِ قسم کی تالیف  
 کر بڑا وقت برباد کرتے ہیں۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر نے غصہ ڈیڑھ کہا۔ ”میرا طریق علاج بعض لوگوں  
 لیے یقینی اور انہیں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ میں دراصل سائنٹیفک سٹڈیوں۔۔۔۔۔ ہمارا قسم قطعی طور پر ذہن کا تابع ہے اس لیے پچھتر فیصدی جسمانی امراض کی  
 اگر میں اس سلسلے میں لوگوں سے کوئی سائنٹیفک بحث چھیڑوں تو ان کے پتلے نہج بھی ذہنی ہی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر میرے پاس ایک ایسی نوجوان مرلینڈ آئی  
 پڑے گی کیونکہ نام طور پر میرے سبب مرلین پڑے تھے نہیں ہوتے۔ لہذا ان کے ذہن کے دونوں بازو فطرت جو کر رہ گئے تھے حرکت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ اعصابی امراض  
 نشین کرنا پڑتا ہے کہ وہ میری دعاؤں سے اچھے ہو رہے ہیں۔ کبھی ان کے بازو ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر وہ سچے معمول پر ہیں۔ ان میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔

یہ کہیں ہر ایک کے لیے گورکھ دھندہ بنا ہوا تھا۔ میں نے لڑکی کے ذہن کو کرید کر دھندہ معلوم کر لی۔

ڈاکٹر خاندانش ہو کر مسکرایا بھر بولا "اور میں نے اس کے بازو پر تعویذ باندھ کر اس کے باپ کو مشورہ دیا کہ وہ اسے کہیں باہر بھیج دے۔۔۔ کیونکہ اس پر کیا جانے والا باد اس شہر کی فضا پر منڈلا رہا ہے میان رہی تو کبھی اچھی نہ ہوگی۔ تو جناب۔۔۔ باپ نے لڑکی کو اس کے نانہال بھجوا دیا۔ وہ دو ماہ بعد بالکل شکیب ہو گئی۔ پھر میں نے اس کے باپ کو مشورہ دیا کہ اگر وہ اسی کی چیریت چاہتا ہے تو اسے یہاں کبھی نہ بلائے نانہال ہی سے اس کی شادی کر کے رخصت کر دے۔ یہی ہوا۔۔۔ لڑکی آج بھی زندہ اور بچریت ہے۔"

ڈاکٹر پھر خاندانش ہو کر سگریٹ کیس کھولنے لگا۔۔۔ پھر اسے عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا "آپ جانتے ہیں مرض کیا تھا۔"

"شکریہ! میں سگریٹ نہیں چتا۔" عمران نے اس طرح کہا جیسے سگریٹ نہ پینا بھی برا ہو۔"

"لڑکی کی ماں سو تلخی تھی۔ جس سے اسے شدید نفرت تھی۔ ڈاکٹر سگریٹ سلگانے کے لیے رکا اور سگریٹ سلگا کر دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔ "روزانہ رات کو اس کے پر زباں پڑتے تھے۔ لڑکی بامروت تھی انکار نہ کر سکتی تھی۔ لیکن اندر رہی اندر رکھوتی رہتی تھی اس کا کش اسے یہ کام نہ کرنا پڑتا۔۔۔ لاشعور میں دی ہوئی نفرت اعصاب پر سبلی بن کر گری اور ہاتھ فوج ہو گئے۔ پیر نہ دبانے کی خواہش بلا واسطہ طور پر پوری ہو گئی سمجھ رہے ہیں نا آپ۔"

"جی ہاں۔ بالکل بالکل۔"

"اسی طرح ملحق اندھا ہو گیا تھا جو اپنی بیوی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔"

اب تو بالکل سمجھ گیا۔ "عمران بکھلا کر بولا۔ "شادی کے چھ ماہ بعد عموماً بیوی کی شکل دیکھنے کو بھی نہیں چاہتا۔ معاذ اللہ۔۔۔ اللہ محفوظ رکھے جلد مرنین کو۔"

"آپ کی والدہ کبھی اتنی زیادہ بیمار بھی ہو سکتی ہیں کہ آپ کے والد صاحب بکھلا کر آپ کو گھرا لے کی اجازت دے ہی دیں۔"

"ہوں۔" عمران تشویش کن انداز میں سر ہلانے لگا۔

"آپ کی بے راہ رودی بھی ان کے مرض کی وجہ ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔ اب میں کرید رہا ہوں ان کے ذہن کو۔ دیکھئے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔"

"واقعی آپ بہت گہرے آدمی ہیں۔" عمران نے ڈاکٹر کو تعین امیر و نظردوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں نرسس مارٹھا کمرے میں داخل ہوئی اور ڈاکٹر کو کسی کا دیرینہ گیارو دیا۔

"اچھی بات ہے جناب! ڈاکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ "کبھی کبھی ملتے رہتے گا۔"

"لیکن خدا کے لیے عموماً بہن نہ دیکھیں گے گا! عمران نے کہا۔ "ورنہ میں کسی کام کا نہ رہ جاؤں گا۔"

"اچھا۔ اچھا۔" ڈاکٹر معنی خیز معنی کے ساتھ بولا۔

عمران ڈرائنگ روم سے اٹھ کر پھر برآمدے میں آیا لیکن اسے یہاں ایک ایسا آدمی نظر آیا جو کم از کم دعا تعویذ کا قائل تو رہی نہیں سکتا تھا۔ یہ وزارتِ خارجہ کا ایک ڈپٹی سیکریٹری تھا۔ عمران اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ جو سکتا ہے کہ وہ اسے نہ جانتا رہا ہو۔

اب نرسس اسے اندر لے گئی۔ لیکن جاتے جاتے عمران نے آہستہ سے کہا تھا







وہ پھر چھانک کی طرف مڑ گیا۔ عمران جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ راہ گیر رکتے اور منتظر مال کر کے بڑی تیزی سے آگے بڑھ جاتے۔ قریب کی بعض کوٹھڑیوں کی کھڑکیوں کھٹ کھٹ بند ہو رہی تھیں۔ غالباً سبھی کو خدشہ تھا کہ کہاں شہادت کے لیے دلائی میں طلب نہ کر لئے جائیں۔

ڈاکٹر پھر واپس آیا۔۔۔۔۔ اور عمران سے بولا: ”آپ ابھی یہاں موجود ہیں؟“

عمران نے ثابت میں سر ہلادیا

”جابیئے درد خواہ مخواہ گراہی کے لیے دلائی میں طلب کر لیے جابئیں گے!“

”اب کے یہ تجربہ بھی سہی!“ عمران مسکرایا

”یہ وزارت خارجہ کا ڈپٹی سیکریٹری تھا“

”ارے!“ عمران نے حیرت ظاہر کی۔

”جی ہاں! کتن اچھا آدمی تھا۔ کیا بتاؤں آپ سے! میں اس کا علاج کر رہا تھا۔“

”اٹ فوہ! عمران صرف آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔“

”زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔“

”اکثر و اسیر کے مرثیوں ہو جاتے ہیں۔“

”جی!“ ڈاکٹر نے آنکھیں پھاڑ دیں۔

”جی ہاں! عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلادیا۔“

”نہیں جناب! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ یہ فیذا ز اور کومپلکس کا شکار تھا۔“

یہ کیا چیز ہے! عمران نے حیرت سے پوچھا

”آپ سائنس کے ڈاکٹر ہیں؟ ڈاکٹر دعا گو کے لیے میں حیرت تھی۔“

”جی۔ وہ تو۔۔۔۔۔ میں نے اٹش کریم فریڈنگ پر دیسرج کی کئی“ عمران

نے شرمناک رہا۔

ہوہ۔ پھر کبھی بتاؤں گا، ڈاکٹر نے گھڑی پر نظر ڈال کر کہا۔ بدکن غیر ذمہ دار ہوتا جا رہا ہے یہ ننگ بھی۔۔۔۔۔ دس قدم پر پولیس اسٹیشن ہے لیکن ابھی نہیں چکے۔ کسی صورت سے۔“

عمران کچھ بولا۔ دو ایک راہ گیر پھر رکتے اور لاش سے متعلق استفسار کر کے جلدی سے آگے بڑھ گئے۔

لا حول ولا قوۃ!“ ڈاکٹر برا سامنے بنا کر بولا۔ ”کس مصیبت میں پھنس گیا! کاش ان حضرات نے گھر جا کر خودکشی کی ہوتی۔ ابھی راہ گیر دماغ چاٹ رہے ہیں پھر دلائی چاٹے گی لا حول ولا قوۃ۔ لا حول ولا قوۃ۔۔۔۔۔ کیوں جناب آپ کیوں اپنی گردن پھنسا رہے ہیں۔ آپ بھی تشلیف لے جابیئے۔“

”اکیلے آپ کا جی نہ گھرائے گا۔“ عمران نے بڑی مصومیت سے پوچھا۔

ڈاکٹر اسے اس طرح گھورنے لگا جیسے گالی دینے ہوئے رک گیا ہو۔ پھر لا پر دہائی سے نئے سکڑے اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

مقامی تھا کے کا انچارج چند کانٹینبلز کے ساتھ جھپٹا ہوا اسی طرف اڑا تھا۔

”آپ ہی نے فریڈنگ کیا تھا؟“ اس نے لاش پر نظر ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔

”جی ہاں! ڈاکٹر نے چھانک کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ اب جو کچھ بھی پوچھنا ہے اندر آکر پوچھنے کا کھڑے کھڑے پیروں میں درد ہونے لگا۔“

سب انہیں نے پلکیں پچکا پچکا ہیں کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن پھر خاموش ہی رہ گیا۔ کیونکہ ڈاکٹر جا چکا تھا! پھر وہ فہر اعدا سٹائل میں عمران کی طرف مڑا اور

سکھنے لیے سر مڑایا۔ ”اور آپ کون ہیں۔“

نچ۔ جی۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ علی عمران۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔

”اگن ہوں“

”ہوں!“ اس کی آنکھیں کچھ اور زیادہ ابل پڑیں۔ ”یہاں کیوں کھڑے ہیں؟“

”مہم۔ میں نے کہا۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہ کر جائے۔“

”کیسی گڑبڑ۔“

”جی کوئی ریلواری پارکر جاٹے۔ کافی قیمتی معلوم ہوتا ہے۔ باہمی دانت کا نشین

دست ہے۔“

”یہ کیسے مرا۔“

”پتہ نہیں۔ جب میں نے دیکھا ہے تو رپ رکھا تھا۔۔۔ ڈاکٹر صاحب کہہ

رہے تھے کہ محکمہ خارجہ کا ڈپٹی سیکرٹری ہے!“

”جی!“ انچارج اچھل پڑا۔۔۔ اب اس پر کچھ اس قسم کی برکھلاہٹ طلوی ہو

گئی جیسے ڈپٹی سیکرٹری کو سلام کرنا بھول گیا ہو اور اب لاشیں ہی کو سلیوٹ جھاڑ رہے

ہے۔ وہ بدحواسی کے عالم میں دوڑتا ہوا ڈاکٹر کے کپڑوں میں داخل ہو گیا جاتے جاتے

اپنے ماتحتوں کو کہہ گیا تھا کہ عمران کو روکے رکھیں۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور جیب میں بیوٹیکم کا کیکٹ تلاش کرنے لگا۔

پولیس پارٹی کے افراد اسے ایسے ہی کڑے تیوروں سے دیکھ رہے تھے جیسے

مرنے والا کا خون اسی کے سر پر بہہ

”مجھے کب تک انتظار کرنا پڑے گا بھائی صاحب!“ اس نے ایک کانٹیل سے

بلجھا۔ اور وہ اپنی بڑی بڑی منجھول پر ہاتھ جھیرتا ہوا بولا۔ ”میں نہیں جانتا!“

”اللہ۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر منہ چلانے لگا۔

پھر انچارج کے واپس آتے آتے ایک دوسری پارٹی بھی وہاں پہنچ گئی جو محکمہ

سراغزسانی کے فوٹو گرافروں اور کپٹن فیاض پر مشتمل تھی۔ شاید انچارج نے ڈاکٹر کے

کے فون پر اطلاع دی تھی۔

فیاض نے عمران کو دیکھ کر ایک طویل سانس لی اور بولا۔ ”تو یہ تم ہو!“

”الحمد للہ!“ عمران نے بڑے غلوس سے کہا۔

اتنے میں انچارج بھی اندر آگیا۔ شاید وہ اتنی دیر تک ڈاکٹر کا بیان لیٹا رہا تھا۔

”آپ کو میرے ساتھ تھانے چلنا پڑے گا!“ تھانے دار نے عمران سے کہا۔ پہلے

اس نے کپٹن فیاض کو سلیوٹ کیا تھا۔

کپٹن فیاض نے مسکاکر عمران کی طرف دیکھا۔

”انہیں تو بخش ہی دیجئے۔ انٹیکٹر۔“ فیاض بولا۔

”جیسی جناب کی مرضی!“ سب انٹیکٹر لولا۔

”اب آپ تعزیر لے جا سکتے ہیں جناب!“ فیاض نے عمران سے کہا۔

شش شکریہ۔۔۔ جناب والا۔ عمران کو کھلاہٹ کی ایک لنگ کرنا ہوا استرا

جھک گیا! پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ ”مگر ایک ہفتہ گھر پر نہیں مل سکوں گا۔“

اور فیاض کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ واپسی کے لیے مڑ گیا تھا!

ٹوئیر پر ایک کھڑکی کے قریب ہی کھڑی تھی۔ بیٹھا اور سیدھا نکلا چلا گیا۔

اپنے غلیظ پرہیز کر اس کے فون پر جو لیا، فائزر ڈاکٹر کے نمبر ڈائل کئے اور بیٹھت

ایک گھنٹہ اس واقعے آگاہ کرتا ہوا بولا۔ ”معلوم کر دو ڈاکٹر دعا گو نے پولیس کو کیا بیان

دیا ہے۔ ہر صفحہ اس کام کے لیے موزوں رہے گا۔ دو گھنٹے کے اندر اندر مجھے

آگاہ کرو۔“

پھر سلسلہ منقطع کر کے رلیور کر ٹیل پر ڈال دیا۔ اس کی پیشانی پر ٹینیں تعین اڑا

گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

اتنے میں بوزن پر نظر پڑی جو ایک گوشے میں بیٹھا بسور رہا تھا۔!

”جو زف — کیا بات ہے؟“ عمران نے پوچھا اور جو زف اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس تک آیا۔ اور ایک ٹانگ ڈھیل چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جہاں پیوں پر جمایا رہا تھا۔

”میں کہتا ہوں باس!“ اس نے بڑی سکینی سے کہا۔ ”جب میری شراب انور نہیں کر سکتے تو پھر مجھے تازی پینے کی اجازت کیوں نہیں دیتے۔“

”تم اس وقت جوش میں ہو اس لیے تم سے بات نہیں کرنا چاہتا دفع ہو جاؤ۔“

”بار والا کہہ رہا تھا کہ اب شراب کا ادھار کھاتے خبر کر دیا گیا ہے۔ اپنے باس سے کہو ہا یہ حساب نہیں چل سکتا! نقد خرید کر دو۔“

”میں خود ہی ایک بھٹی لگانے کی سوجھ بول رہا ہوں۔“ عمران نے بڑی جھجک سے کہا۔

ورنہ دیوالیہ نکل جائے گا۔“

”آخڑ تازی پینے میں کیا حرج ہے۔“

”میں اسے گناہ نہیں سمجھتا جو غلوڑے پیوں میں ہو جائے! اس لیے تازی پینے کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔ دفع ہو جاؤ۔“

استغنیٰ نے دروازے سے سلیمان نے ہانگ لگائی۔ ”صاحب اس کو لے کر کھجائیے

ورنہ اچھان ہو گا۔“

”کیا اچھان ہو گا۔“

”میں مار دول گا سالے کو۔“ سلیمان نے دانت ملیں کر دیکھا بلاتے ہوئے کہا ”سالے کو جب شراب نہیں ملتی تو میرا مغز چاٹتا ہے۔۔۔۔۔۔ ہر نوں میں لے ایک تھوڑی سی برائڈ پی پی لی تو مجھے مارنے دوڑے تھے اور یہ سالہ روزانہ جھجھ بولتیں۔ اسے باپ رے۔“

سلیمان سیٹے پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

”جاؤ۔ تم سالہ۔ جاؤ۔“ جو زف ہاتھ ہٹا کر دھاڑا۔

”اب دیکھئے! سلیمان آنکھیں نکال کر بولا۔

”میں تاناؤ!“ عمران نے سر ہٹا کر سنجیدگی سے کہا۔ ”تم لوگ ہاتھوں میں ڈٹکے

سنبھالو۔ اور میں بیچ میں کھڑا ہو جاتا ہوں۔ بس ایک دو تین کہہ کر شروع ہو جانا۔

پھر ایک گھنٹے بعد حاصل منرب کو آپس میں تفتیر کریں۔ سمجھے۔“

پھر اس نے میز سے دول اٹھایا اور دولوں کی طرف جھپٹا ہوا دھاڑا ”سبھاؤ نکلو

دفع ہو جاؤ۔ چلو۔“

دولوں بھاگ کر ادھر ادھر کمروں میں جا گئے اور عمران ایک کرسی پر بیٹھ کر مبالغہ

بلانے لگا۔ غلوڑی ہی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ عمران نے رسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف

سے حکمران سر اسٹار کا اسپرٹڈنٹ کپٹن فیاض بول رہا تھا۔

”گھری پر رہنا۔ میں آ رہا ہوں۔“ اس نے کہا تھا۔

”کیکن میں گھر سے جا رہا ہوں۔ اب یہاں صرف جو زف اور سلیمان رہیں گے۔ اس

سے بہت تو میری تنکا کڑاؤ شادی کریں۔ خدا محفوظ رکھے۔“

”گواس مت کر تو تم میری مصیبت میں پھنس گئے ہو!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”شادی سے پہلے ہی۔“ عمران نے مارسانہ بلے میں پوچھا۔

”گواس کرنا مجھ کو جاؤ گے۔ اگر گھر سے غائب ہوئے تو مجھ پر وارنٹ نکلوں گا

پڑے گا۔“

”ارے باپ رے۔“ عمران گھبرا کر بولا

”بس۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

عمران رسیور رکھ کر کھانچا انداز میں مسکرایا اور جیو جیم کا کیکٹ چھاڑنے لگا۔

پندرہ منٹ بعد اکس ٹو دولے فون کی گھنٹی بجی اور عمران اٹھ کر دوسرے کمرے



میں چلا گیا۔ اس فن پر دوسری طرف جبرائیل فیکٹر داخل ہوئی۔

”صغیر ربیان کی نقل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔“ وہ کبر رہی ٹپٹی ٹپٹی سیکرٹری بعض ذہنی امراض میں مبتلا تھا۔ ڈاکٹر دعا گو اس کا معالج تھا۔ . . پچھلے چند ماہ سے ڈپٹی سیکرٹری سجدہ یاروس ہو گیا تھا؛ اکثر اس سے کتنا رہتا کہ اب وہ نوکشی کر لے گا۔ آج بھی مجھے ایسا لگتا تھا کہ اب وہ کبھی کام آؤی نہ بن سکے گا۔ دنیا کو اب اس کی قطعی ضرورت نہیں رہی، سوائے اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ گھر والے اسے بے گزشت سمجھنے لگے ہیں۔ بیوی سوچنے لگی۔ بسو کہ کاش وہ بڑھ ہوئی۔ بچے اس کا احترام نہیں کرتے۔ . . . آوارہ ہو رہے ہیں۔ اگر وہ زندہ بھی رہا تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے گا۔ . . . اب وہ مزدور نوکشی کر لے گا۔ ڈاکٹر نے آج بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن باہر نکل کر اس نے آخر کار خودکشی کر لی۔“

”اور کچھ!“ عمران نے پوچھا۔

”جی نہیں۔ رپورٹ کال باب سنا چکی ہوں۔“

”ہوں۔ دوسرے احکامات کی منتظر رہو۔ عمران نے کہا اور مسلہ منقطع کر دیا۔ اور نشست کے کمرے کی طرف مڑا ہی تھا کہ کسی نے باہر سے کال بل کا ٹین دیا۔“

”آگئے رائے کے ساتھ صاحب!“ عمران بڑبڑایا۔ . . . اور یسٹن کو آواز دے کر کہا کہ باہر دیکھئے۔

آنے والا یسٹن فیاض ہی تھا۔ چہرے پر خنجر مندی کے آثار تھے۔!

”تم وہاں کیوں گئے تھے؟“ اس نے بیٹھنے سے پہلے ہی پوچھا۔

”ڈپٹی سیکرٹری کے زبے کے منظر دیکھنے کی تھا۔“

”میں کہتا ہوں سنجیدگی سے گفتگو کرو۔ میں بہت پریشان ہوں۔“

یارنم اب ایک مرئی غازی کھول دو۔ جب سڑک مرغان اٹھے دینے لگی ہیں تو

دبلی کا خاصا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ کیسا جی خوش ہوتا ہے جب مرئی اٹھا دے کر اٹھتی ہے۔ سبحان اللہ۔“

”میں کہتا ہوں سنجیدگی سے گفتگو کرو۔“ فیاض بولا۔

”تم بھی بگڑو، عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ آج صبح پتہ تھیں کس گھام کی صورت دیکھتی تھی۔ معاذ اللہ۔“

”مجھے سختی پر مجبور نہ کرو۔“

”استغفر اللہ۔“

”کیا تم پھر سیکرٹ سروس والوں کے لیے کام کر رہے ہو؟“

”سرکاری راز میں سو پر فیاض۔ بتاے نہیں جا سکتے۔ دیئے تم ڈاکٹر ہی سے

پوچھ سکتے ہو کہ میں وہاں کیوں گیا تھا؟“

اس نے جو کچھ مجھے بتایا ہے مجھے اس پر بھی یقین ہے۔ . . . لیکن۔ . .“

فیاض نے جملہ پورا نہیں کیا۔!

لیکن سسرال والوں کا خیال کچھ اور ہے، عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”اے تم جو دوسے آٹا ڈرتے کیوں ہو؟“

”غیر متعلق تباہیں نہ کرو۔!“

”مجھے معلوم ہے کہ ڈپٹی سیکرٹری تمہاری بیوی کا عزیز ہے!“

”پھر اس سے کیا ہوا۔“

”بہت کچھ ہوا مری جان۔ سیکرٹری کی خودکشی کے باعث تم ہی بنے ہو۔“

جو رو کے غلام۔!“

”کیا مطلب؟“ فیاض چونک کر اسے گھورنے لگا۔

”کیا تمہارا غمگین ڈپٹی سیکرٹری میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔“



”تم کیا جانو“ فیاض متحیرانہ انداز میں کرسی سے اٹھ گیا۔

”میں کیا نہیں جانتا،“ عمران سر ہلا کر بولا۔ اس کی پرواہ مت کر دو۔ تمہارا محکمہ اس میں دیکھی لے رہا تھا اس کی گھڑائی جو رہی سختی تمہیں اطلاع ملی تھی کہ وہ ایک عین ملکی سفارت خانے کے لیے جاسوسی کر رہا ہے۔ تم لوگوں نے اس کی گھڑائی مشورہ کرادی۔ اور تمہارے پیٹ میں چھپے بھی دوڑ رہے تھے۔۔۔ لہذا پیٹ ہلکا کرنے کے لیے تم نے وہ بات اپنی بیوی کی بتادی۔۔۔۔۔ کیا غلط کہہ رہا ہوں اور پھر تمہاری بیوی سے بات اس تک پہنچ گئی۔۔۔۔۔ آدمی کمزور دل کا تھا بول کھلا گیا۔۔۔۔۔ پھر ظاہر ہے شوٹ اس کو خوشی کی طرف لے گیا۔ عمران خاموش ہو کر فیاض کو گھوڑے جا رہا تھا فیاض نے غصہ نکل کر کچھ کہنا چاہا لیکن پھر نہ جانے کیوں ہونٹ پھینچ لیے۔!

دوسرے کمرے سے سلیمان اور جوزف کی زبانی جھپٹ لوں کی آوازیں آ رہی تھیں کچھ دیر بعد فیاض بڑپایا ”لیکن اب کیا ہوگا۔“

”دارنٹ نکلو آؤ میرے،“ عمران نے بڑے غصے سے کہا۔ اتنے میں فن کی گھنٹی بجی۔ عمران نے ریسپور اٹھایا۔ کال فیاض کے لیے تھی وہ ریسپور لے کر کسی کی گفتگو سنا رہا لیکن چہرے کے اتار چڑھاؤ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ گفتگو خوشگوار نہیں تھی۔ دھنساؤ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ ریسپور رکھ کر دروازے کی طرف چھپتا لیکن پھر پلٹ کر مینے سے غلط بیٹ اٹھا اور اس بار باہر نکلتے وقت دروازے کی چوکھٹ سے بری طرح ٹکرایا۔

عمران کی آنکھیں معنی خیز انداز میں گردش کر رہی تھیں!

پہلو عمران پرائیویٹ فن کی طرف چھپا! اس پر اپنے ماتحت سارجنٹ نعمانی کے فرائض سنبھالنے کے غیٹ سے قریب ہی رہنا تھا۔

”میلو نعمانی۔“ اس نے بھرائی ہوئی مٹی آواز میں کہا۔ ”ایکٹو اسپیکنگ۔“ دیکھو عمران کے غیٹ سے ابھی ابھی کیپٹن فیاض نکلا ہے اس کا لٹاقب کر دو۔ یہ معلوم کر دو کہ وہ کس سے ملتا ہے اور دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی سن کر ذہانت اچھا ہے! اور ایڈائل!

ریسپور رکھ کر وہ پھر نشست کے کمرے میں آیا اور گوشش کرنے لگا کہ اسے سلیمان اور جوزف پر شدت سے غصہ آجائے کیونکہ وہ تاخیر کیا کہن فیاض کی موجودگی بھی اچھی لگتی ہیں لڑتے رہتے تھے پھر اس نے انہیں آواز دی۔

دونوں جی غصے سے سرخ ہو رہے تھے عمران برس پڑا۔

”آپ اس حرامزادے کو ملے کو کچھ نہیں کہتے جو دن رات مجھے کوستا رہتا ہے رے ایسے ایسے کوسنے دیتا ہے کہ بڑی بوڑھیاں بھی پانی پانی ہو جاتیں۔“ سلیمان نے ہانپتے ہوئے کہا۔ اور عمران نے جوزف کو کھدو کر دیکھا اور انگریزی میں دہاڑا۔ ”کہوں بے۔ تو اسے کوستا رہتا ہے۔“

”کیوں نہ کوسو،“ جوزف نے لا رہا وہی سے کہا۔ اگر تمہارا خیال نہ پوتا ہاں اس کی پٹیاں توڑ کر رکھ دیتا۔ یہ باسٹریڈ میری ساری بوتلیں جھوٹی کر دیتا ہے اب ایک گھنٹہ لے کر۔!

”اب میں کیا جانوں سالے نے انگریزی میں کیا کہا ہے۔“ سلیمان نے بڑا

سامنے بنا کر کہا۔

”وہ کہتا ہے کہ تم اس کی بوتلیں جھوٹی کر دیتے ہو۔“

”کہتا ہے سالہ میں تو صرف سو گھر رہا تھا۔“

”سیمان!“ عمران نے آنکھیں لگا لگیں۔

”اپنی ایسی کی تیبی میں جائے۔“ سیمان نے جھلا کر کہا۔ اور تیزی سے باورچی خانے

کی طرف چلا گیا۔

جوزف چپ کھڑا رہا۔۔۔۔۔ اور عمران ظلم اٹھا کر کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ لکھنے

لگا اور پھر اسے جوزف کی طرف بڑھاتا ہوا بولا کہ میں پتہ پر جاؤں گا۔ ڈاکٹر ہے

درج ڈاکٹر۔ اس سے کہنا کہ تمہارے سر پر بری روحیں منڈلا رہی ہیں۔۔۔۔۔

جب تم اونگھنے لگے ہو تو ایک چیل تمہارے کانوں میں بڑے زور سے چھوٹی ہے؟

”لاؤ۔“ جوزف نے غصیلے لہجے میں کہا اور کاغذ عمران کے ہاتھ سے لے کر فرمایا۔

انماذ میں ایڑیوں پر گھوم کر فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

وہ کچھ اس قسم کا تاجدار جی شکاری کی تختا جتنا کہا جاتا تھا یہی کرنا کسی معاملے

میں کسی بحث نہیں کرنا تھا۔ اور اس وقت تو غصے ہی میں تھا اور چاہتا

تھا کہ کسی پر غصہ اتار کر جی ہلکا کر لے۔ باہر اس کے لیے بہت مواقع تھے! اس

لیے خود بھی باہر جانا چاہتا تھا۔ عمران کے خیال سے گھر میں کسی قصے کو طول دینا

پسند نہیں کرتا تھا۔

عمران نے ایک طویل سانس لی اور جسم ڈھیللا دھڑکے کر ٹانگیں ہلانے لگا۔۔۔

اس کی چٹائی پر سنگین تختیں۔ شاید وہ بہت سنجیدگی سے سوچ رہا تھا پھر کب تک

چونکا اور شرابی سیسکا ہٹا۔ اس سے ہوشوں پر کھڑکی! اس نے عجیب فن کا ایسا

اٹھا کہ کیٹن فیض کے گھر پر بڑا ٹائل کئے اور جلد ہی دوسری طرف سے اس کی

بیوی کی آواز سنی!“

”کون صاحب ہیں۔“

”صاحب نہ کہو! دروازہ منہ سے میاں قیامت برپا کر دیں گے ابھی ابھی وہ

مجھے جھگڑی بنا کر گئے ہیں۔“

”اُدھ تو آپ ہیں! فرمائیے۔“

”کوئی بری خبر تم تک پہنچی یا نہیں؟“

”میں نہیں سمجھی۔“

”فیاض نے کچھ نہیں بتایا۔“

”نہیں۔ تو۔ خواہ مخواہ بورڈ کیجئے! بتائیے کیا بات ہے!“

”جھک غارہ کے ڈپٹی سیکرٹری تمہارے کون ہیں!“

”اُدھ۔ وہ جھکن بھائی۔“

”حاصل وفاقہ۔۔۔ میں ڈپٹی سیکرٹری کی بات کر رہا ہوں۔“ عمران نے

غصیلے لہجے میں کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ میرے رشتے کے بھائی ہیں۔ ہم لوگ انہیں

چکن بھائی کہتے ہیں۔ عزت ہے۔“

”تب تو اچھا ہی ہو کہ مر گئے!“

”کیا مطلب۔ کیا بک رہے ہیں آپ!“

”کچھ دیگر گزری انہوں نے ڈاکٹر دیا کے چھانچا پر خود کشی کر لی ہے۔ میں

موجود تھا۔“

”ہائے اللہ۔ اور۔ اور۔ فیاض کہاں ہے؟“

”جھک مارتے پھرتے ہیں۔ میں آ رہا ہوں تم کہیں جانا مت!“ عمران نے

کہا اور ریسور کر پڈل میں رکھ دیا! لباس وغیرہ کی طرف دھیان دیئے بغیر۔۔۔  
 پیچھے اترا اور ٹو شیئر میں بیٹھ کر فیاض کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔  
 فیاض کی بیوی بیرونی برآمدے ہی میں کھڑی ہوئی تھی! اس کے چہرے پر ہوا نیلی اڑ  
 رہی تھیں۔

”عمران بھائی! خدا کے لیے، اس نے کچھ کہا یا مگر پھر ہونٹ مضبوطی سے بند  
 کر لیے۔“

”ہوں۔ ہوں! چوند رملو۔“  
 وہ دونوں نشست کے کمرے میں آئے وہ عمران کو استہمامیہ انداز میں دیکھ  
 رہی تھی۔ لیکن عمران خاموش ہی رہا۔ آخر وہ بیٹھ پڑی تھی! کیا کورٹ پھیلائی ہے  
 آپ نے اگر کوئی بات ہوتی تو فیاض مجھے ضرور فون کرتے۔“  
 عمران اسے تیز نظر دل سے گھور رہا تھا۔ آخر آہستہ سے بولا: ”تم نے اسے یہ  
 خبر کیوں پہنچائی تھی کہ اس کی ٹکرائی ہو رہی ہے؟“  
 ”م۔ میں۔ نن۔ نہیں تو۔“

”اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ فیاض کی قسمت میں بھی زور و زما دار نہ رہی لکھی تھی۔“  
 ”عمران بھائی! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ فیاض کی بیوی کو غصہ آ گیا۔  
 ”اب یہ بتا دو کہ؟“ عمران اس کے پیچھے کو قلعی نظر انداز کر کے بولا: ”کسی تیرے  
 کو علم تو نہیں کہ تم نے اسے مطلع کر دیا تھا۔“  
 وہ کچھ نہ بولی۔ صرف متوکل نگل کر رہ گئی۔ بار بار نیپلے ہونٹ پر زبان پھیر  
 رہی تھی اور عمران اسے متواتر گھورے جا رہا تھا۔

”یہ بہت ضروری ہے! مجھے بتاؤ! ورنہ فیاض کی ملازمت پر زوال آنے  
 کا خدشہ ہے۔“

”نن۔ نہیں! کسی کو بھی نہیں معلوم۔“

”فیاض کو بھی نہیں بتایا۔“

اس نے نفی میں سر ہلادیا اور بے بسی سے عمران کی طرف دیکھتی رہی۔

”تمہیں یقین ہے۔“

”ہاں! انہیں علم نہیں۔“

”اب بھی نہ ہونا چاہیئے ورنہ تمہاری طرف سے اس کے دل میں کدورت آ  
 جائے گی! اگر وہ تم سے پوچھے تو انکار دہی کر دینا۔ ورنہ بات ضرور بڑھے گی۔“  
 ”میں ایسا ہی کروں گی۔“ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔  
 ”مگر تم سے ایسی حماقت کیسے ہوتی تھی۔“

”وہ دیکھئے رشتے داری کا معاملہ ہے۔ اس لیے انہیں آگاہ کرنا ہی پڑا۔ میں  
 نے سوچا ممکن ہے فیاض سے عینکے کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ لیکن بھائی! کیا وہ کسی کوئی نصرت  
 نکال لیں۔“

”لیکن انہوں نے خود کوشی کر لی۔“

”میرے خدا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“

”ان کی موت کی ذمہ دار تم ہی ہو۔“ اخیر اب اس معاملے میں زبان قطعی بند رکھنا  
 اور اس کے متعلقین سے اس وقت ہی رابطہ قائم کرنا جب فیاض سے اس  
 حادثہ کی اطلاع ملے یا اس کے متعلقین ہی انہیں مطلع کریں۔  
 ”میں یہی کروں گی۔“

”میرے خیال سے وہ بہت بدنام آدمی تھا!۔“

”پتہ نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔“

”فیاض نے کبھی تذکرہ نہیں کیا۔“

”نہیں۔!“

”عورتوں کے معاملے میں وہ بہت بدنام تھا۔“

”خدا جانے۔ اب تو اللہ ان کی مغفرت کرے۔ ہائے بھائی کسی ٹرپ رہی ہوں گی۔۔۔ اب کوئی سہارا نہیں۔ اولاد ہی ہوتی تو کچھ اُسو۔۔۔۔۔“

”کیا اولاد تھے۔!“

”جی ہاں۔!“

”بیوی یقیناً سوشل ہوں گی! وہ دونوں کسی نائٹ کلب سے ممبر بھی تو تھے۔“

”جی ہاں۔ ٹمپ ٹاپ کے۔!“

”غالباً وہیں اکثر دیکھا ہے۔ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔“

”مجھے بڑی نمائندت ہے!“

”ختم کرو۔ فیاض پر ہرگز زلفا ہر ہونے دینا ویسے وہ تم پر شبہ ضرور ظاہر کرے گا۔“

پھر عمران اچھٹک گیا۔۔۔ اور چلتے چلتے بولا۔ ”فیاض کو نہ معلوم ہونے پائے“

”کہیں اس وقت یہاں آیا تھا۔“

”نہیں معلوم ہوگا!“ اس نے بڑے غور سے کہا اور سچا تک اسے چھوٹے

آئی۔

”عمران پھر گھرواپس آیا۔ سلیمان نے بتایا کہ پرائیویٹ فون پر کال مٹی اس نے اسی

کمرے میں ان کو فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈنگ کا سوچ آں کر دیا۔“

نعمانی کی آواز سنائی دیتے لگی۔ ”میں نے کیپٹن فیاض کا تعاقب کیا تھا۔ وہ

سیدھا اسی سفارتخانہ کے ایک آفیسر گھر گیا تھا جس کی لڑکی نے سیاسی جلی

پال رکھی ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں کس سے ملا تھا اور کیا گفتگو ہوئی تھی۔“

”ادور اینڈ آل۔!“

عمران نے ٹیپ ریکارڈنگ کے ایک طویل سانس لی۔

یہ سلسلہ ایسا ہی تھا کہ فون پر کال ریسپونڈ ہونے پر پیغام خود بخود ریکارڈ ہو جاتا

تھا وہ پھر تشست کے کمرے میں آ بیٹھا۔

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ عمران نے ہاتھ بڑھا کر ریسپونڈ اٹھایا۔ دوسری طرف سے

آنے والی آواز پہچانی نہ جاسکی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔۔۔۔۔ ہیلو۔۔۔۔۔ کون ہے۔۔۔۔۔

یہاں اس نمبر پر کون رہتا ہے۔“

”علی عمران ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی (راگس)۔“

”اُدھ۔ تو یہ ذہل جرئت۔۔۔۔۔ یہی ویٹ جیپس۔۔۔۔۔“

”جی ہاں! وہ میرا ملازم ہے۔ آپ کیاں سے بول رہے ہیں۔“

”ڈاکٹر دعاگو۔۔۔۔۔“

”ارے تو وہ جلشی آج ہی آپ کے پاس پہنچ گیا!“ عمران نے حیرت سے

کہا۔ اسے برے برے خواب نظر آتے تھے۔ کہتا تھا اسیب کا سایہ ہو گیا ہے

دعا چاہٹ رہا تھا۔ میں نے آپ کا پتہ بتا دیا۔۔۔۔۔ مگر آپ کو فون کا بکس نے بتایا“

”وزیٹنگ کارڈ پروفیمر ہو چکے۔“

”کسی کے وزیٹنگ کارڈ پروفیمر۔“

”سرٹ ذہل جرئت کے وزیٹنگ کارڈ پر۔۔۔۔۔“

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ”ڈاکٹر اسے دیکھئے۔۔۔۔۔ وہ پتہ برج

اسیب زوہ معلوم ہوتا ہے۔“

”وہ تو عجیب ہے لیکن اس نے یہاں جنگجو برپا کر دیا ہے! انرس نے

اسے یونہی نگرہ دیا تھا۔۔۔۔۔ کسی بری نیت سے نہیں۔ بس مزاحاً

لیکن وہ بری طرح جڑ رہا ہے۔ وہ فون میں خاصی جنگ ہوئی ہے۔!“



”مجھے بھدا خسوس ہے ڈاکٹر، عمران نے شرمندگی سے جھروپو لیے ہیں کہا۔“  
”تالان کو فوراً نکال باہر سمیٹنے۔“

دوسری طرف سے بلکاسا ہتھیار سنا دی یا پھر ڈاکٹر کی آواز آئی۔ ”غیبی نہیں  
میں اس کا علاج کروں گا۔ خاصا دلچسپ کیس ہے اور کتنے وقت کاڑوں میں  
پھنسا رہی ہے۔۔۔۔۔ یہ تو کوئی ایسی خاص بات نہیں۔۔۔۔۔ رات

کھانا صلی تک ٹھونس لیتا چوگا ویسے بھی وہ ایک عمدہ کیس ہے۔ اس  
کی اسٹری میرے لیے کافی دلچسپ ثابت ہوگی۔ اچھا شکریہ۔“

رہیلہ درگھ کر عمران نے پھر ٹھنڈی سانس لی اور جسم ٹھسلا چھوڑ کر ٹانگیں  
ہلانے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد سلیمان کو آواز دی۔ ”وہ آیا اور ایک ٹانگہ ڈھیل چھوڑ  
کر پردوں ہا خنجر کے ہوئے کھڑا تھا۔“

”اے۔ کیا تم دونوں نے اپنے وزٹنگ کارڈ بھی چھپوڑ رکھے ہیں۔“  
”جی صاحب۔ میں نے تو اردو میں چھپوائے ہیں۔“

”اچھا۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”ذرا مجھے بھی دکھانا۔“  
”ابھی لیجئے،“ سلیمان بھی خوش ہو کر کارڈ لینے دوڑا گیا۔

ٹھوڑی دیر بعد عمران اس کے وزٹنگ کارڈ کو چیک میں دباے متحیرانہ  
میں ہلکیں چپکے رہا تھا۔ کارڈ پر پتھر پر تھا

ایم سلیمان

بی۔ او۔ اے آئی

ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی۔ رائٹس  
”اب میں تیرا کھانا پکایا کروں گا۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہہ  
”کیرنچہ بی۔ او۔ اے آئی میری سمجھ میں نہیں آیا۔“

”میرا دعوے ہے کہ اس کے نیچے کی ڈگریاں بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔“  
سلیمان بید خوش ہو کر بولا۔

”بالکل۔۔۔۔۔ بالکل۔۔۔۔۔“ عمران نے ہلوسی سے کہا۔ ”اب تو ہی سمجھائے؟“  
”پورے کا مطلب ہے۔۔۔۔۔ ہادی آف علی عمران ایم ایس ڈی ایس سی  
(راکش)۔“

عمران نے دونوں ہاتھ اٹھائے لیکن چہرہ سر پٹیلے کا ارادہ ملتوی کرتا ہوا  
بولا۔ ”لیکن کارڈ چھپوانے کی کیوں ضرورت پیش آئی سلیمان صاحب۔“

”جی وہ اکثر بڑے بڑے لوگوں میں بھی اٹھنا بیٹھنا ہو جاتا ہے نا۔۔۔۔۔  
لوگ نام پوچھ بیٹھتے ہیں۔۔۔۔۔ میں کارڈ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیتا ہوں

”مگر اس کی ضرورت کی کیوں پیش آئے گا آپ بڑے لوگوں میں اٹھیں بیٹھیں؟“  
”اکثر آپ کئی کئی دن تک گھر سے غائب رہتے ہیں اس لیے اپنی دو جائلز

کے لیے کون پکانا پھرے۔“  
”پھر کیوں پکانا ہے۔“ عمران نے انکھیں نکالیں۔

”جموڑا کرنا پڑتا ہے،“ سلیمان کہا۔ ”کلوٹے کو کوئلہ، یف اور ڈبل ڈشیاں  
خرید دیتا ہوں اور خود آپ کالونی بہترین سوٹ پہن کر شہر میں دھڑپیں کھاتا

پھرتا ہوں۔ اتنا بڑا شہر ہے دونوں وقت کہیں نہ کہیں تو سامنے نظر آجی جاتا  
ہے۔“

”کوئی پوچھتا بھی نہیں۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔  
”ہمت بھی ہے کی۔ ایسے شاندار سوٹ میں۔ جی ہاں۔۔۔۔۔ اور اگر

کسی نے پوچھ لیا تو برا سامنے بنا کر کارڈ دیتا ہوں۔۔۔۔۔ وہ  
مزعوب ہو کر ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے۔“

”آخر کچھ بتاؤ نا۔“

”اوہ جلدی کیجئے۔“ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

”اسیلمان! عمران نے دردنگ لیجے میں کہا۔“

”تو کسی دن میری بھی مٹی پید کرانے گا۔“

”وہ کیسے صاحب!۔“

”اگر کسی دن کوئی کھو بھی آدمی بی۔ او۔ اے۔“ آئی کا مطلب پوچھ بیٹھا تو پھر تیزی سے کرڈل لی اور ڈیسٹر کے پیچھے ریگ گیا۔ دل کی دھڑکن سر میں دھکم پید کر رہی تھی۔ بے آوازہ داخل کی گئی کدھر سے آئی تھی۔ وہ اندازہ نہ کر سکا۔

”کیا بتا دے گا۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”یہی کہ میں پہلے آؤں اور اسٹیک انڈسٹر بھی ہوں۔“

”ہا بہن۔۔۔ ہائیں! عمران حیرت سے ہنسنے لگا۔

”اتنا قابل کب سے ہو گیا ہے۔!۔“

”وہ جو کھڑا ہے نا۔“ سیلمان ہائیں آنکھ مار کر آہستہ سے بولا۔ ”انگریزی میں پڑنا۔ دوسروں کو اپنی طرف کیوں نہ متوجہ کر دیتا۔ اس پاس کے کئی دکاندار جو وہی میرا کام بھلا یا کرتا ہے۔“

عمران نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ اور مردہ سی آواز میں بولا۔ ”جاؤ دفن! کیا ہوا جناب!۔“

”کیا ہوا۔۔۔ عمران صاحب!۔“

”دفن! ڈن کی گھنٹی بجی۔ عمران نے رسیویرا اٹھایا۔ دوسری طرف سے کوئی گونہ نہ کیا ہوا۔ سرکار۔!۔“

بول رہی تھی۔!۔

”عمران بھائی! خدا کے لیے ذرا پھنپھنے۔“

”آپ کون ہیں؟“

”یگم نیمن۔!۔“

”اوہ۔ خیریت۔!۔“

”بس آجیئے۔ جیسے بیٹھے ہوں دیے ہی چلے آئیے۔“



چلتی ہوئی منشاہراہ تھی۔ ٹریفک بھی خاصی تھی۔ پھر عمران کا اس طرح اچانک

”گم۔۔۔ کچھ نہیں۔“ عمران کراہ کر اٹھتا ہوا بولا۔ وہ اپنا وہی نشانہ

لی رہا تھا جس کے پیچھے چھپنے والے گئے تھے چند لمحوں میں چلیں پھپکتا

پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ”پتہ نہیں کہوں پھر آگیا تھا۔!۔“

لیکن کئی نظریں آدھڑے ہوئے شوٹر پینڈر بھی ہوئی تھیں۔ عمران فلیٹ

بانب مڑ گیا۔

خواہ مخواہ لنگولے بھی لگا تھا۔ حالانکہ کہیں غراشش بھی نہیں آئی تھی۔ انیلٹ میں پینچک کوٹ تارا اور ایک جانب صوفے پر اچھال دیا۔  
پھر فون پر کیٹن فیض کے گھر یونیورسٹی کے بواب ملنے میں دیر نہ لگی۔  
دوسری طرف سے لسانی آواز آئی تھی۔  
”بیگم فیاض“ عمران نے کہا۔

”جی ہاں! فرمائیے۔ کون صاحب ہیں!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔  
”میں عمران ہوں۔“  
”اوہ۔ اچھا۔ کہیے۔“  
”تم نے کچھ دیر قبل مجھے فون کیا تھا؟“  
”میں نے۔؟ نہیں تو۔“  
”تمہیں یقین ہے؟“

عمران بھائی میں آج مذاق کے مڑوب میں نہیں ہوں۔ دوسری طرف سے  
ناخوشگوار پیچھے میں کہا گیا۔

”وقت تم نے مجھے فون پر کوئی پیغام نہیں دیا تھا۔“  
”نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔“ شاید فیض کی بوری جھنجھلا گئی تھی۔

عمران نے چپ چاپ ریسورر ٹیبل پر رکھ دیا۔ سب کچھ روشن ہو چکا تھا۔ کسی نے اسے گھر سے باہر نکالنا چاہتا تھا اس لیے با آسانی کسی بے آواز رائل کا نشانہ بنایا جاسکے۔ گردہ کون ہو سکتا ہے؟ اور کیوں؟

وہ سوچتا اور دنگتا رہا پھر ایک بیک ہونکا اور اٹھ کر اس کمرے میں آیا۔ جہاں ایک سٹو والا فون رہتا تھا۔ فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور ماتھے پر مہمیں میں بڑا لنگھائی فیاض سفارتخانے کے انصر کے بنگلے سے نکل کر کھڑکیا تھا۔

”ایک منٹ توقف کیجئے! میں سفدر کو فون کر کے معلوم کرتا ہوں۔“

عمران نے دلیپور ایک طرف ڈال دیا! اور پھر خیالات کی مادلوں میں جھکنے لگا یہ نقشہ سفارت خانے کے ایک آفیسر کی نگہانی سے شروع ہوا تھا! شبہ تھا کہ وہ اپنے ملک کے لیے جاسوسی کر رہا ہے۔ اس کی نگہانی کے دوران میں ڈیڑھ گھنٹہ بھی ٹھنکے سر اس کی نظروں میں آیا۔ عجیب اتفاق تھا کہ عمران کے ٹھکے اور محکمہ سرکاری نے بیک وقت اس آفیسر میں دیکھی لینا شروع کیا تھا لیکن عہدہ سر اس کی اس سے بے خبر تھا کہ عہدہ خارجہ کی سیکرٹری سر دوس بھی اس شخص سے ملنے کی طرف متوجہ ہو چکی ہے۔ پچھڑی سیکرٹری کی نوک دہائی۔ اور اسی دن خود اس پر حملہ۔ اس کا مطلب تو یہی ہو سکتا تھا کہ وہ کچھ بھی اس سے آگاہ کئے کہ ان کی نگہانی ہو رہی ہے اس آگاہی کا واحد ذریعہ ڈیڑھ سیکرٹری ہی رہا ہوگا۔ اور ڈیڑھ سیکرٹری کی فیاض کی بوری نے آگاہ کیا تھا۔

عمران نے پورا جسم کھینچ کر ایک طویل لنگھائی لی اور پھر ریسورر اٹھا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے میلو۔۔۔۔۔ میلو۔۔۔۔۔ کی آوازیں آرہی تھیں۔

”میلو۔۔۔۔۔ عمران دہاڑا۔“

”یس سر! کیٹن فیض! اپنے آفس میں ہے۔ سفدر نے اطلاع دی ہے!“  
”دیس آل!“ عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ پھر لباس تبدیل کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر ایکس ٹو والے فون پر کیکے بعد دیگرے اپنے تمام ماتحتوں سے رابطہ قائم کر کے بیٹھت لیکن انہیں بتایا کہ عمران پر اس کے فیض کے قریب کسی نامعلوم آدمی نے بے آواز رائل سے فائر کیا تھا۔ لیکن وہ پتہ نہ لگا۔ اب پھر آدمے گھنٹے بعد وہ اپنے بیٹ سے برآمد ہوگا لہذا اس کی لاطمی میں کی نگہانی کی جائے اور خیال رکھا جائے

کراہیں بالکل بھوکا ہوتا ہوں۔ لیکن جیل ضرور جیتی ہے۔ اس نے مجھے ایک تعویذ دیا ہے۔ سی کی پین لوں۔ بائیں۔“

”ضرور۔ ضرور۔“ عمران سر ہلا کر بولا! اس کی آنکھوں میں گہرے فکر کے آثار نظر آرہے تھے۔

ادرا اس نے کہا ہے کہ کبھی کبھی مجھ سے ملتے رہنا۔۔۔ کنسلیشن ٹیس کے نام سے پچاس روپے بھی وصول کرے ہیں دلدار محروم نے۔۔۔ اب میں کیا کروں گا۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”میں نے سوچا تھا کہ اب تاڑی۔۔۔“

”دفع ہو جاؤ۔“ عمران آنکھیں لگا کر بولا۔

جووز پھر ٹینشن کی پوزیشن میں اگر ایڈیوں پر گھوم گیا۔

سٹارٹے پانچ بجے عمران ٹیلیٹ سے باہر نکلا۔۔۔۔۔ اور بے ٹکڑی سے اپنی ٹیلیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا! آج یہ گاڑی دن بھر کھلے میں ہی پڑی رہی تھی کرائے کے گیراج تک لے جائے کی فوسٹ ہی نہیں آئی تھی جو ٹیلیٹ سے زیادہ دوڑیں تھا۔!

وہ ٹوئیسٹر کے قریب پہنچ کر گا۔ چند لمے کچھ سوچتا رہا پھر ایک گزرتی ہوئی خالی ٹیکسی کو روک لیا اور اپنی ٹوئیسٹر کے سبائے ٹیکسی میں بیٹھا ہوا بولا۔ ”ٹھیک سر سٹارٹان کے دفتر چلو۔“

وہ سوچ رہا تھا جو لوگ بھری پڑی میٹرک پر داخل چلانے کی ہمت کر سکتے ہیں وہ اسے ختم کر دینے کے سلسلے میں کوئی خانہ خالی نہیں چھوڑ سکتے۔! دفتر پہنچ کر اسے فیاض تک پہنچنے میں کوئی دستاویزی پیش نہ آئی کیوں آدھوں

کراہ اس پر کہیں سے حملہ نہ ہو سکے۔

گھڑی شام کے پانچ بج رہی تھی۔ آدھے گھنٹے تک اسے اپنے ماتحتوں کا منتظر رہنا تھا۔ وہ پھر اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ کر ٹانگیں ہلانے لگا۔

اسنے میں جووز کر کے میں داخل ہوا۔ موڈ بیحد غراب معلوم ہوتا تھا۔ عمران پر نظر پڑتے ہی ”اٹنشن“ کی پوزیشن میں آگیا۔

”کہیں؟“ عمران اسے گھومتا ہوا بولا۔ ”تم نے وہاں گڑ بڑ کیوں کی معنی۔“

”صرف تمہارا خیال تھا باس!“ اس نے کھٹے چھیل کر جواب دیا۔ ”ورنہ۔۔۔۔۔“

”ورنہ میں وہاں۔۔۔۔۔“

”گواس بند کر دو۔ تم نے اس لڑکی کی توہین کی معنی۔“

”اس نے میری توہین کی معنی!“ جووز سینے پر ہاتھ مار کر کسی کھٹنے کھٹے کی طرح عزا یا۔

”ابلے تو صرف بچے ہی کہا کرتا تھا۔“

”میں نے بھی اسے صرف سفید کہہ دیا۔“

”ہوں۔ خیر۔ ڈاکٹر سے کیا باتیں ہوئیں۔“

”باس۔۔۔۔۔“ وہ اس کے قریب آکر آہستہ سے بولا۔ ”وہ مجھے پچ ڈاکٹر نہیں معلوم ہوتا۔ کوئی خاص بات ہے اس کے ساتھ۔ اسے دیکھنے ہی میرے اندر سویا ہوا دوندہ جاگ اٹھا تھا۔“

وہ خاموش ہو کر عمران کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ کیا وہ تمہارا علاج کرے گا؟“

”نہیں تو۔ وہ باسٹر دیکھنے لگا تم ملن تک کھانا طوفان لیتے ہو گے۔۔۔۔۔“

اسی لیے ادھٹنے وقت تمہارے کا دل میں جیلی جیتی ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں



سبھی پہچانتے تھے۔

ہوئے انداز میں میرے فلیٹ سے رخصت ہو کر کہاں گئے تھے۔“

”کیوں؟“ فیاض کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔“

”اس لیے کہ تہا دی اس پر کھلا ہٹ نے مجھے موت کے منہ میں پہنچا دیا تھا۔“

... بس قسمت بھی بد گیا۔“ عمران نے کہا اور مختصر اودہ داستان دہرائی جو اس کی

بیوی کی فون کال اور خود پر اسٹانے حملے سے متعلق تھی۔

”اگلو۔ مری جان۔“ عمران کچھ دیر دیر سر ہلا کر بولا۔ کیونکہ میری زندگی بھی خطرے

میں پڑ گئی ہے۔“

”میں سوچ رہا ہوں کہ تم پر حملہ کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“

”غالباً مجھے بھی اسی پر خود کرنا چاہیئے۔ کیوں؟“ عمران نے ہلے بعد لہن

کے پوچھا۔“

”یاد برد کرو۔ میں بڑی الجھن میں ہوں۔“

”اور خطرے میں بھی ہو۔ ویسے وہ میا می بل والی بے حد حسین ہے۔“

تو فیاض میں لگنا اٹھتی ہیں۔ اور۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ باقی سب غیرت ہے الحمد للہ۔“

فیاض ہوا سے غصیلی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی ادب

میں نور رحمان صاحب بھی کچھ ذکر سکین گئے۔ سمجھے۔ اور تم۔۔۔۔۔ تہن کیا کہیں۔ حد

مردوں والوں کے انعام ہو۔ لیکن سچ کہا ہوں کہ اگر میرے جیسے کے معاملات میں ناہنگ

ڈانی نور رحمان صاحب کا بھی لحاظ ذکر سکوں گا۔ سمجھے۔“

”بالکل سمجھ گیا۔“ عمران نے سعادت مندا نے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ تھوڑی دیر تک

”ہوں۔ خیر مارو گئی۔“ عمران لا پر وہاں سے بولا۔ غم اس قدر بکھلائے

”میں تو یہ پوچھ رہا تھا کہ تم سے فون پر کس نے کیا کہا تھا۔“

فیاض ابھی تک کا فکرات دیکھ رہا تھا حالانکہ اسے چار ہی بجے دفتر سے اٹھ

جانا چاہیئے تھا۔

اس نے عمران کو تشویش کن نظروں سے دیکھا اور سر کی جنبش سے ایک کسی کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”تم تمیز کو بڑھ کر نے کیوں گئے تھے؟“

”گیا تھا۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”مگر مایوسی ہوئی۔ ان مختصر مہ کا کوئی قصور نہیں

معلوم ہوتا۔ بات کسی دوسرے ذریعہ سے لڑی سیکر ٹری تک پہنچی ہوگی۔“

”تہا راداع جیل گیا ہے۔ کیا نبوت ہے تہا رے پاس کہ اسے اس ننگالی

علم ہو گیا تھا۔“

”خود کشی۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”دوسری وجہ بات بھی ہو سکتی ہیں۔“

”مثال کے طور پر؟“

”وہ لا دل تھے۔“

”ہوں۔ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں جو خود کشی کی طرف لے جا سکے۔ لیکن ٹھہر

ڈاکٹر دعا گو کی رپورٹ میں چند بچوں کا بھی تذکرہ ہے جو ٹوپچی سیکر ٹری کا احترام

نہیں کرتے تھے۔“

”ہاں۔“ لیکن اس نے اپنے بچوں کا سوال نہیں دیا تھا: اس کے بھانجے کے بڑے جادے ہو۔“

”چھ نفرت سے ہونٹ کھڑک کر بولا۔“ میں جانتا ہوں کہ تم سیکر ٹری

اور بھانجیاں بھی اسی کے ساتھ رہتی تھیں۔“

”پھر بھی لا دل بیت تو خود کشی کا باعث نہیں ہو سکتی۔“ عمران بولا۔

”وہ۔ جنسی اعتبار سے۔۔۔۔۔“

”ہوں۔ خیر مارو گئی۔“ عمران لا پر وہاں سے بولا۔ غم اس قدر بکھلائے

” میں نہیں کیوں تباہوں۔“ فیاض نے پھر آنکھیں دکھائیں

” آج۔ چھا۔ جی!“ عمران کرسی سے اٹھ کر انگڑائی لیتا ہوا بولا: ”خیر دیکھا جا“

گا۔ اب اجازت دو۔“

میں نہیں پھر وارننگ دیتا ہوں۔ اس چکر میں نہ پڑو، فیاض اسے گھورتا

بولا۔

” مشورے کا شکریہ۔“ عمران نے فلفٹ ہیٹ اٹھا کر سر پر جھائی اور ٹانگا کر

کمرے سے باہر نکل گیا۔

پھر چاروں اطراف کا جائزہ لیتے پھرتے اس نے محسوس کیا کہ اس کے

بڑی جافشانی سے اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ عمران ان میں سے کسی کی

منوجہ ہونے بغیر آگے بڑھنا گیا۔ اس بار اس نے موٹر کرشنا کو ترجیح دی۔ اور

ڈرائیور کو دوسروں سے مقابلے پر اکساتا ہوا آندھی اور طوفان کی طرح گھلا پھلا

رات کے فوج رہے تھے۔ یہاں جوزف اور سلیمان ریڈیو پر کسی مقامی کالج کے

کا اقتباس سن رہے تھے۔ اور اس شان سے کرڈیو پوری آواز سے کھلا ہوا

عمران کو دیکھ کر ہی انہوں نے آواز کا حجم نہیں کیا۔ اتنے میں ملن کی آواز آئی۔

عمران زائدہ خلیق الزمان اپنا کلام پیش کریں گی

پھر عمران نے جیسے ہی پنا پھلا شعر ختم کیا: واہ واہ... کی بجائے ”مسلم لیگ

باد کے نور سے سنائی دینے لگے۔

” ایسے آدو۔۔۔۔۔ بد بختو۔“ عمران دانت پیس کر تمکا ہلاتا ہوا بولا۔

” بند کرو۔“

” سننے دیجئے، سلیمان نے لا پر داہی سے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

” اچھا بے۔ کیا سمجھ میں آتا ہے تیرے۔“ عمران نے انھیں لکھائیں۔

” سب سمجھ میں آتا ہے!“ سلیمان نے اس بار اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے کان

سے قریب منٹا ہوا پھر اٹھایا ہو۔

” ابے۔ ابے۔ ہوش میں ہے یا نہیں۔“

” وہ پی کر شعر پڑھتے ہیں۔ میں پی کر شعر سننا ہوں۔“

” جوزف... تیری سمجھ میں کیا آتا ہے۔“ عمران نے اردو میں پوچھا۔

” اچھا لگتا باس... یہ سب جو ہاؤ ڈاؤ... کرٹا ہے۔“

” واہ واہ... ہاؤ ہاؤ نہیں۔“ عمران چھل کر اس کی گردن ہوتپتا ہوا بولا۔

بائیں ہاتھ سے سلیمان کی گردن پکڑ رکھی تھی۔ اس کی طرح دونوں کو دوسرے کمرے میں

وکیل آیا اور پھر ریڈیو بھی اٹھا کر ان کے سپر وکر کے دروازے کو زوردار آواز کے ساتھ

بند کر دیا۔

” اگر زیادہ آواز سے ریڈیو کھولا تو... پاگل ہو جاؤں گا... سمجھے۔“

اس نے گھڑکی سے انہیں مکا دکھا کر کہا۔

انہوں نے صحت و انت نکال دیئے اور سلیمان ریڈیو کا پگک ساکٹ میں نصب

کرنے لگا تھا۔

عمران پھر تہی کرسی پر آ بیٹھا تھا۔ اب جمعہ کو ڈیلا چھوڑ کر حسب عادت ٹانگہ ہلانے

لگا۔ لیکن پھر اس طرح چور جاوے کی کوئی خاص بات یاد آگئی ہو۔

میز کی دراز کھینچ کر اشتاریہ دو پانچ کا سیاہی مائل لیٹل نکالا اور اس کا بیگزین پکیٹ

کے کسب میں ڈالا۔ اب شاید پھر کہیں جانے کی تیاری کی تھی۔

وقفہ آ رہا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی جھپٹ کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔ عمران دروازے کی

طرف جھپٹ پڑا۔... یہ ایک بڑی سیاہ رنگ کی لمبی اور گنجانم والی بی تھی۔ اس

کے پیچھے ایک جنادر سی ساجی بلا بھی نظر آیا۔ جو اسے دوڑاٹے ہوئے تھا۔

”اے... اے...“ عمران دھاڑا... اس نے ہنسی خواہ مخواہ دونوں کے درمیان حائل ہونا چاہا۔ لیکن وہ نامعقول بلا غرتا ہوا عمران ہی پر جھپٹ پڑا۔ اب اس سیامی بل کا کہیں بہتہ نہ تھا۔ لیکن عمران اور بیلے میں بانہ دھن گھٹن گئی تھی۔ ایسا لم ہو رہا تھا جیسے وہ بلا پاگل ہی ہو گیا ہو۔ جھپٹ جھپٹ کر جھک کر رہا تھا۔ اگر عمران میں بھی بند روں جیسا پھر تھلا پڑا نہ ہوتا تو شاید اب تک کبھی کا زخمی ہو چکا ہوتا۔

سلیمان اور جوزف کھڑکی کی سلاخیوں کیلئے زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے عمران نے جب دیکھا کہ فری اسٹائل کا سر پر ملائی طرح پھیلا ہی نہیں چھوڑتا تو اس نے جیب سے پستول نکال کر ایک فائر کر ہی دیا۔ گولی کھوپڑی پر بیٹھی اور بلا کئی ڈٹ اچھل کر فرش پر آ رہا۔

جوزف اور سلیمان بھی ہنسنے ہوئے اسی کمرے میں آ گئے تھے۔

”بتی کہاں گئی“ عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”بتی۔ بتی...“ جوزف ہنستا ہوا بولا۔ اس بیچاری کو نہ مارو باس...

اس بیچاری کا کیا قصور۔“

عمران دروازے کی طرف جھپٹا پھر سارا غلیٹ چھان مارا... لیکن بل کا

کہیں بہتہ نہ تھا۔!

”سیامی بتی۔“ وہ ایک بگڑک کر بڑبڑایا اور کسی گہری سوتھ میں ڈوب کر

پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹو دالے فون پر جولیا نافٹنر دائر کے نمبر ڈائل کر

رہا تھا۔ دوسری طرف سے جواب مل جانے پر اس نے کہا: ”جولیا۔“ عمران کے

غلط میں ایک بیلے کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اسے اٹھالو۔ اس کے ناخنوں

پر کسی قسم کا زہر تلاش کرنا ہے۔“ اور رائٹائل “

پھر وہ جوزف کی طرف آیا جو مردہ بیلے کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

دوسری صبح عمران نے سب سے پہلے پرائیویٹ فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈ کا سونچ کیا۔ جولیا نافٹنر دائر کا پینام موجود تھا... وہ کہہ رہی تھی تو آپ کا خیال درست تھا۔ بیلے کے ناخن کسی بہت ہی مہلک قسم کے زہر میں ڈبوئے گئے تھے۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق معمولی قسم کی فحاش ہی موت کے گھاٹ اتار دینے کے لیے کافی ہوتی۔ کیا میں عمران سے مل سکتی ہوں؟“

عمران نے ٹیپ ریکارڈ بند کیا۔ جولیا کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے جواب ملنے میں دیر نہ لگی... عمران ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا ”عمران مجھے نہیں مل سکتیں۔“ جتنا کہا جائے اتنا ہی کرو۔“

وہ میڈیکل ریکارڈ کا نشانے کے لیے شور مچاتے لگا۔ پچھلی رات اس طرح سویا تھا۔ جیسے اس سے زیادہ مطمئن آدمی روئے زمین پر نہ پایا جاتا ہو۔ کئی ماتحت رات بھر غلیٹ کی گمان کرتے رہے تھے۔

خارج ضروری اور ناشتے کے خارج ہو کر اس نے لباس تبدیل کیا۔ کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی۔ اور باہر نکل آیا۔ ٹوسٹر گرامر میں مٹی اس لیے کچھ دور پیدل بھی چلنا پڑا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک معمولی سے چائے خانے میں نظر آیا... جس کی ٹائفل مٹی اس پر نظر پڑنے ہی بائیں کھل گئی۔ یہ نئے استاد محبوب نرالے عالم۔ بے پناہ قسم کے شاعر۔ شاعر کس پائے کے ہوں گے۔ یہ تو شخص ہی سے ظاہر تھا



.... انہا پر پورا تخلص شاید ہی کسی مائی کے لال کو نصیب ہوا ہو۔ محبوب لڑکے عالم استاد کا قول غماز بڑا شاعر وہی ہے جس کے یہاں انفرادیت بے سناہ پائی جاتی ہو۔ لہذا ان کا کہا ہوا شعر عبیدت بے وزن ہوتا تھا۔۔۔ فرما تے تھے وزن تو سبھی کی شاعر میں ہوتا ہے لہذا میری بے وزنی، ہی میری انفرادیت ہے اور اس طرح مجھے بہت بڑا شاعر تسلیم کیا جانا چاہیے۔ بس اذات کے لیے پھیری لگا کر سالے دار سوندے چنے پیستے تھے۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جو بھی کچھ پاتا بری طرح جکڑ لینا بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا کہ سننے سناتے کے کچھ میں استاد مغزوں دھندے سے دور رہتے۔ بڑے بڑے لوگوں سے یاد ا نہ تھا۔۔۔ پھر عمران کیسے محروم رہتا۔ اس وقت استاد پر نظر پڑے ہی کہک کر ان کی طرف جھپٹا تھا۔۔۔ اور استاد اپنے مخصوص انداز میں دانت نکالے ہوئے اس کی گر محوئی کا جواب دے دیتے تھے ”کوئی عمدہ شاعر استاد۔“ عمران انہیں کی میز پر جتا ہوا بولا۔

استاد نے منہ اوپر اٹھایا۔ تھوڑی دیر تک محبوں پر زور دیتے رہے پھر حجوم کر بولے ”سینے“

حسن کو آفتاب میں منعم ہو گیا ہے  
عاطفی کو معذور بے خودی کا غم ہو گیا ہے

”جواب نہیں ہے استاد۔۔۔۔۔“ عمران نے میز پر ہاتھ مار کر کہا ”اچھا اٹھیے“

”کہاں؟“ استاد نے پوچھا۔

”جہاں لے چلوں۔“ عمران نے بائیں آنکھ دبا کر آہستہ سے کہا ”ایک ڈاکٹر کی نرس پر دل لگ گیا ہے۔۔۔ بار بار جانے کا کچھ تجوizat ہر ناہی چاہیے۔۔۔۔۔“

آج آپ کو مرلین بنکر لے جاؤں گا۔“

استاد نے دانت نکال دیئے اور بولے ”کس ڈاکٹر کا قصہ ہے؟“

ڈاکٹر دھماگو۔“

”یہ کون ہے؟“ استاد نے ناک محبوں پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

”ہے۔ ایک۔ آئیے۔“ عمران استاد کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

”یہ گاڑی آپ کی بڑی زور دار ہے“ استاد ٹوسٹر میں بیٹھے ہوئے بولے۔  
”بس میاں بیوی بیٹھ سکتے ہیں۔“

”ہم میں بیوی کون ہے استاد؟“ عمران نے پوچھا۔ اور استاد ”ہی ہی ہی“ کر کے رہ گئے۔ پھر بولے ”پچھلے رات مجھ میں غالب کی روح حلول کر گئی تھی۔۔۔ بھلو

تم بھلا باز آؤ گے غالب

راستے میں چڑھاؤ گے غالب

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب

شرم تم کو گر نہیں آتی

”یہ تو وزن دار ہے استاد!“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”میں نے بتایا نا غالب کی روح حلول کر گئی تھی۔ پھر وزن کیسے نہ ہوتا۔!“

اکثر استاد کے جسم میں بعض مشہور متقدمین کی روحیں بھی حلول کر جاتی تھیں۔ اور وہ باذن اشعار بھی کہہ نکلتے تھے۔ متاخرین میں تو وہ کسی کو قابل اعتنا ہی نہیں سمجھتے تھے۔!

ڈاکٹر دھماگو کی نرس یا سیکرٹری نے ایک طویل سکرامنٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیا وہ اس وقت وزیٹر سروس رجسٹر کے اوراق الٹ رہی تھی۔

”گنیش نکل سکے گی۔“ عمران نے انگریزی میں پوچھا ”ایک لمب لایا ہوں۔“

”مرلین کے نام پر وہ اس طرح چرنبی جیسے یاد آگیا ہو۔ پھر ٹوڈ بھی کچھ چلتا





”کی نام نغا“ مارغا نے عمران سے پوچھا۔ پھر خود ہی جھٹ پر جھک کر استاد محبوب  
زلے عالم کا نام پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

”استاد محبوب زلے عالم“ عمران نے چڑاسی سے کہا۔ اور چڑاسی باہر چلا گیا  
پھر حقوڑی وید استاد کے ہیں تشریف لائے اور مارغا کو کھیلوں سے دیکھتے  
ہوئے منہ چلانے لگا۔۔۔ عمران کو ایسا عروس ہوا جیسے وہ سچی بھرتیہ کرارے  
چنے چبائے بغیر ہی حق سے اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پھر دو تین منٹ بعد ڈاکٹر دغا کا سامن ہوا۔ اور وہ عمران کو اس طرح دیکھنے  
لگا جیسے پہچاننے کی جوشش کر رہا ہو۔ پھر لہک کر بولا ”آؤ آپ ہیں۔ فرمایے  
کیسے تکلیف فرمائی۔“

”ایک اور مر لیں لایا ہوں“ عمران نے استاد کی طرف اشارہ کیا۔

”انہیں کیا ہوا ہے؟“ ڈاکٹر دغا کو استاد کو نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔

عمران نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور غٹاک آواز میں بولا ”انہیں شاعری ہو گئی

ہے۔“

”جی۔“ ڈاکٹر دغا کو گونے آنکھیں چھا دیں۔ چند لمے استاد کو گھورتا رہا پھر عمران

کی طرف مڑ کر بولا ”میں نہیں سمجھا۔“

”یہ اکثر شکایت کرتے ہیں کہ پچھلے رات ان میں کسی مرحوم شاعر کی روح حلول کر گئی

تھی۔“

”آؤ۔۔۔۔۔ ڈاکٹر دغا کو پھر اس کی طرف تشویش کن نظروں سے دیکھتا ہوا بولا

”آئی سی۔ آپ کب ایسا عروس کرتے ہیں کہ آپ میں کسی شاعر کی روح حلول کر گئی ہے“

”جی۔“ استاد نے کھٹاکر حرم طلب نظروں سے عمران کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ

سے بولے ”جی میں سمجھتی ہیں شاکر ایک جن سے ملاقات ہو گئی تھی۔“

”آؤ۔۔۔۔۔ ڈاکٹر دغا کو گونے ہونٹوں پر ایک پل کے لیے مکی میسکراہٹ کی لرزشیں  
نظر آئیں اور پھر معدوم۔ وہ توجہ اور دلچسپی سے استاد کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اور جی۔ یہ لوگ میری اردو شاعری کی قدر کرتے ہیں۔ لیکن میں اسے کچھ بھی نہیں

سمجھتا۔ میرا اصل رنگ دیکھنا ہوا تو فارسا میں بیٹھے۔“

”فارسا؟“ ڈاکٹر دغا کو نے حیرت سے دہرایا۔

”یہ مصیبت بھی ہے،“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”استاد کی شاعری میں نہ۔ مادہ

ہو جاتا ہے اور مادہ۔ نہ! اسی لیے ان کی گرفت میں آتے ہی فارسی بھی فارسا ہو

جاتی ہے۔ ہاں ہو جائے استاد فارسا میں کچھ۔“

استاد نے حسب عادت چھت کی طرف منہ اٹھا کر ناک جھول پر زور دینا شروع

کر دیا۔ پھر بولے ”بیٹھے۔“

نظر خمی خمی۔ نظر لگی لگی۔ نظر خمی خمی

دھمک دھمک فزوں، فضا فزوں، خیال ہم ہم

عشر عشق، غم و عشق، غم و عشق، غم و عشق

قل و قل و قل، قل و قل، قل و قل، قل و قل

نظر خمی خمی، نظر خمی خمی، نظر خمی خمی

”بس بس۔۔۔۔۔ ڈاکٹر دغا کو ابھٹا اٹھا کہ خاموش گوارا لپ میں بولا۔ پھر عمران

کو چند لمے گھورتے رہنے کے بعد کہا ”آپ کس بنا پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہ ذہنی طور

پر دلیل ہیں۔“

”مم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ بب بات یہ ہے کہ!“ عمران ہلکا کر خاموش ہو گیا۔

”آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ یعنی لوگ خود آکھن کر دوسروں کو آکھنا

کے ماہر ہوتے ہیں۔“

پوچھو ہو رشتہ ہم سے فردہ بہار دل

ہم رہنے والے ہیں ایسی اجڑے مزائیکے

”مرثیہ... ڈاکٹر دعا گو چھبلا کر بولا ”آپ میرا وقت برابر کر رہے ہیں“

”اُدھ۔ جی ہاں۔ چہپ!، عمران تیزی سے اٹھا اور استاد کا ہاتھ پکڑ کر ڈاکٹر کی طرف کھینچتا چلا گیا۔

”بہت حرامی معلوم ہوتا ہے“ استاد نے کمرے سے نکل کر آہستہ سے کہا اور عمران انہیں کوئی جواب دیئے بغیر برآمدے تک کھینچ لایا۔

”اچھا استاد!، عمران جبیب سے پاؤں کا ایک فرٹ کھینچتا ہوا بولا ”یہ لیجئے اور ٹیکسی سے واپس پٹے جایئے۔“

”استاد نے دانت نکال دیئے تھوڑی دیر تک ہنسنے رہے پھر بولے ”اب آپ وہاں اس نژادی شکر کے پاس تشریف لے جائیں گے۔“

”نژادی شکر!“ عمران نے حیرت سے کہا۔ ”میں نہیں سمجھا استاد۔!“

”میں آپ کی محبوبہ پر بھی شاعری کروں گا۔“

”استاد۔!“ عمران ہاتھ جوڑ کر گھنگھایا ”ابھی اس کی عمری کیا ہے... اگر آپ کا عرو یا فارسا مل گیا تو کسی کمسنے دکھانے کے قابل نہ رہ جائے گی۔“

”نہیں۔ ایک منزل ضرور پہنچی!“ استاد گردن جھٹک کر بولے۔

”آپ کی مرضی!“ عمران مردہ سی آواز میں بولا۔

استاد معنی خیز آواز میں سر ہلاتے پورچ سے گزر گئے۔ عمران انہیں جلتے دیکھتا رہا۔ پھر اسی کمرے میں واپس آگیا جہاں مارتھا بیٹھی تھی عمران کی واپسی پر وہ کھل سی اٹھی۔

”کیوں کیا ہوا؟ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

”جی کیا مطلب!“ استاد نے تیزی سے چڑھا کر پوچھا۔

”میں آپ سے مخاطب نہیں ہوں!“ ڈاکٹر دعا گو کا لہجہ بیدار شک تھا۔

عمران نے استاد کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ پچ پچ بیدار شک دار ثابت ہوئے یعنی چپ سا دل۔

ڈاکٹر دعا گو نے ڈائیٹنگ پیڈ سے کاغذ کا ایک ٹکڑا علیحدہ کیا اور اس پر کچھ لکھنے لگا اور پھر وہی ٹکڑا عمران کی طرف بڑھانا ہوا بولا ”مارتھا سے اپنے روپے لے لیجئے گا۔“

”کیسے روپے۔!“ عمران نے متوازن انداز میں کہا۔

”جو آپ نے بطور کنسلیشن فیس جمع کرائے تھے۔“

”کیوں کیا آپ ان کا علاج نہیں کریں گے۔“

”لامعالج مرض ہے۔“ ڈاکٹر دعا گو مسکایا۔

”پھر اب کیا ہوگا۔“ عمران نے عجبر کر پوچھا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔ فکرم نہ کیجئے۔ اگر یہ واقعی مرض ہی ہے تو قریب تک ساتھ جائے گا۔“

”میرے خدایا میں کیا کروں۔“ عمران کراہا اور پھر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کرسی پر اکڑوں بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

”یہ... یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔“ ڈاکٹر دعا گو نے ٹوکا۔

”اُدھ معاف کیجئے گا۔“ عمران سنبھل گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر الجھن کے آثار

صاف پڑے جا سکتے تھے۔!

”ان سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔“ ڈاکٹر نے عمران سے پوچھا۔ قبل اس کے کہ عمران کچھ کہتا استاد نے اچھل کر ایک شعر غایت کر دیا۔



”لا علاج مریض تھا۔ ڈاکٹر نے علاج کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ لوہے عمران ڈاکٹر کی دی ہوئی پچی پیس سے نکال کر اس کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔

”خوش قسمت ہو۔“ مارٹھا پچی پر نظر ڈال کر ہنس دی۔ ”ڈاکٹر نے آج تک کنڈیشن فیس واپس نہیں کی۔“

اتنے میں میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور مارٹھا نے ریسپورڈ اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ کچھ سن کر سہی اور ریسپورڈ عمران کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ ”ڈاکٹر۔“

”ہیلو۔“ عمران نے ریسپورڈ سمجھا کر کماؤتھ پیس میں کہا۔ ”عمران اسپیکنگ“

”کی تم مجھے کسی قسم کا مذاق کر رہے ہو صاحبزادے۔“

”نہ نہیں تو۔ ڈوڈا ڈاکٹر، عمران بھگلیا۔“

”پھر اس لغویت کا کیا مطلب تھا۔“

”میں حقیقتاً استاد کے لیے بہت پریشان ہوں۔ اپنے شعری کی طرح وہ بھی نازل ہوتے ہیں۔ اور پھر تسمیرا بن جاتے ہیں۔ میں دافنی۔“

”کیا تم سنجیدہ ہو۔“

”بالکل۔“

”ہوں۔ تو اچھا۔ ان کی شادی کرادو۔۔۔ آف۔ فائغ۔ فاہ۔ فاہ۔“

بڑی دھڑاکنش چیخ تھکی۔۔۔ عمران کا دماغ بھیجنٹا اٹھا اور وہ ریسپورڈ

چھینک کر بے تحاشہ ڈاکٹر کے کمرے کی طرف دوڑا۔

ڈاکٹر فرش پر اوندھا پڑا۔۔۔ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا! اور اس کی

کرسی اس پر لٹائی پڑی تھی۔!

مارٹھا عمران کے پیچھے ہی پیچھے آئی تھی اور اب اس کی بولکھا ہٹ کا یہ عالم تھا

کرکھی دوڑ کر دروازے کی طرف جاتی اور کبھی ڈاکٹر دھاکر کے گرد دیکھ کر انے لگتی غالباً

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ عمران جہاں بیٹے رکھا تھا اس سے ایک اینچ بھی آگے نہ نکلا۔ بس کھڑا میجران انداز میں پکیں جھپکا رہا تھا۔

”اوہ کچھ کرو۔“ مارٹھا نے عمران سے کہا جو بری طرح ہنس رہی تھی۔

”کچھ سمجھ میں بھی تو آئے۔“ عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”پتہ نہیں کیا ہوا۔“

”پولیس کو فون کروں!“

”نہیں نہیں۔“ تم ذرا دیکھو کیا بات ہے۔ انہیں سیدھا کرو۔“

عمران نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر پر لٹائی ہوئی کرسی بٹائی۔ اور مارٹھا ان لوگوں سے واپس جانے کو کہنے لگی جو سینک دم سے اٹھ کر اسی کمرے کے دروازے پر اکٹھا

ہونے لگے تھے۔

عمران نے ڈاکٹر کو سیدھا کیا اور اس کا تم ٹٹنے لگا پھر پکیں اٹھا کر تپتیاں دیکھیں اور مٹی شیزاندا نے سر کو ہٹش دی۔!

”کیا بات ہے۔“

”وہ میری ایک سہیلی ہیں۔۔۔ وہ بھی اکثر اسی طرح بے ہوش ہو جاتی ہیں ہٹشیا کہتے ہیں اسے شاید۔“

”ہٹش۔“ مارٹھا نے بارسا منہ بنایا اور ڈاکٹر پر جھک گئی۔

اب عمران گدو پٹیل کا جائزہ لے رہا تھا۔۔۔ ڈاکٹر کی میز کے قریب والی

کھڑکی کھلی تھی۔ وہ کھڑکی کی طرف پشت کر کے بیٹھا تھا۔

میز کے قریب ہی فرش پر اس بوڑھی عموں کے ٹکڑے نظر آئے جو اسی میز

پر رکھا رہتا تھا۔۔۔ قلمدان سے روشنائی نہ صرف پھیل گئی تھی بلکہ میز پر بھی پھیل گئی

تھی ایک کاغذ کے ٹکڑے پر عمران کی نظریں جم گئیں۔۔۔ وہ یا تو کسی کتے کے پنچے



کا نشان تھا یا کسی بلی کے بچے کا۔ پہلے میز پر پھیلی ہوئی روشنائی پر وہ پنجرہ پڑا ہوگا اور پھر کاغذ پر اپنا نشان چھوڑ گیا ہوگا۔

عمران نے مارتھا کی طرف دیکھا اور کاغذ کا وہ چھوٹا ٹکڑا کجیب میں ڈال لیا مارتھا اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

”کچھ دیر تک وہ ادھر ادھر سرگرداں رہا پھر ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوا جسے اب چند ملازمین نے اٹھا کر صوفے پر ڈال دیا تھا۔

”میں کہت ہوں کسی ڈاکٹر...“  
”نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔“ مارتھا بولی۔ لیکن اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

عمران دہری کسی کمرے کا کمرہ دیکھا جو کچھ دیر پہلے ڈاکٹر دعا گو پر آئی پڑی تھی، حسبِ عادت جسم ڈھیلے پر لگی تھا اور شاہجہاں ہل رہی تھیں۔

”تھوڑی دیر بعد مارتھا اس کی طرف متوجہ ہوئی۔“  
”تم جاؤ۔“ کیوں اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔“

”میری کوئی کنٹیشن نہیں ہے۔“ عمران نے لاپرواہی سے جواب دیا۔  
”اگر میں کہوں کہ اب یہاں تہباری کوئی ضرورت نہیں ہے تو۔“ مارتھا جھجھلا کر بولی۔

”موتوں میں عرصہ کروں گا کہ جن دن بھر بہتری غیر ضروری چیزیں بھی برداشت کرتے رہتے ہیں اس لیے تہباریہ جملہ فطری غیر ضروری ہے۔“

”نہیں تم جاؤ۔“ مارتھا ایک بیک ڈھیلے پر لگی۔ ”شاید ڈاکٹر ہوش اُٹنے پر تہباری موجودگی پسند کر لیں۔“

”کیا تمہیں توقع ہے کہ ڈاکٹر اب کبھی ہوش میں بھی آسکیں گے۔“

”کیا مطلب؟“

”میں کہہ رہا ہوں کہ ڈاکٹر کے لیے فوری طور پر طبی امداد فراہم کر دو۔ ورنہ یہ بیہوش دائمی بنیں گی اور تبدیل ہو سکتی ہے کیا تمہیں ڈاکٹر کی بائیں کلائی پر پڑی ہوئی غراٹھیں نظر نہیں آ رہی ہیں۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟“ مارتھا نے اپنی بیٹائی پر بائیں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”تم ایسے کر دو کہ مجھے طبی امداد کے لیے خون کرنے کی اجازت دے دو۔“  
مارتھا نے پھر بیہوش ڈاکٹر پر نظر ڈالی اور بے بسی سے عمران کی طرف دیکھنے لگی

جواب خون پر کسی کے فربڑا ٹھیل کر رہا تھا۔ اس نے کسی سے ایبولینس کے لیے کہا تھا اور تہہ تبارک سلسلہ متعلق کر دیا۔

اب وہ مارتھا کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ مارتھا نے ہرنٹ سکوٹے، اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔ تقریباً ۲۰ منٹ تک وہاں خاموشی کا راج رہا۔ پھر کبھی ملائم نے کمرے میں داخل ہو کر ایبولینس کی آمد کی اطلاع دی عمران کرسی سے اٹھ گیا۔

سول ہسپتال کے ایمری وائٹ میں لوگ پہلے سے منتظر تھے۔ بیہوش ڈاکٹر کو اسٹریچر پر ڈال کر اندر پہنچا دیا گیا۔ مارتھا بھی ساتھ آئی تھی۔ عمران اور وہ باہر سے

کی ایک بیچ پر خاموش بیٹھے رہے۔

تھوڑی دیر بعد ایک ڈاکٹر اندر سے آکر عمران سے بولا۔ ”کلائی پر پانی جانے والی غراٹھوں ہی کے ذریعے کوئی زہر ملا مادہ جسم میں پھیل گیا ہے۔“

”کیا وہ مر جائے گا۔“ عمران نے پوچھا

”کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ بہت دیر کر دی آپ لوگوں نے۔۔۔ اللہ اعلم۔“  
ڈاکٹر پھر واپس آگیا۔



”ہرگز نہیں“ مارٹھا نے سخت لہجے میں کہا۔ ”تم ہمارے ساتھ ہی واپس ملو گے“  
 ”ارے نہیں بھائی۔ میں بہت مشغول اور مدیم فرصت آدمی ہوں۔“  
 ”اچھا!“ مارٹھا نے تسخیر آمیزہ تحریر کے ساتھ کہا ”تم نے یہ بات پہلے کبھی نہیں  
 بتائی۔“

عمران کچھ کہے بغیر آگے بڑھا لیکن مارٹھا نے جھپٹ کر داستہ روک لیا اور اوچی  
 ہونٹ چبھ کر بولی ”تم نہیں جانتے۔ بہت بور کیا ہے تم نے... اب خود بھی  
 جھگڑو۔!“

اتنے میں وہی ڈاکٹر پھر آیا اور مارٹھا سے بولا ”میرے خیال میں تو اب آپ  
 لوگ چاہیے۔!“

”مم۔ میں نہیں سمجھی۔!“  
 ”دو دن... کم از کم دو دن تک رخصت نہ کرنی چاہیئے۔ ڈاکٹر کے  
 جواب دیا۔“

مارٹھا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی ”کیا میں ان سے مل سکوں گی؟“  
 ”آج نہیں کل اسی وقت!“ ڈاکٹر نے کلان کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا  
 مارٹھا پھر کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر عمران کا ہاتھ پکڑ کر واپسی کے لیے  
 مڑی تھی۔

عمران تو ابھی ٹیبلٹ پر آیا تھا۔ مارٹھا کے لیے دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا  
 ”میںیں میں گیسی لے لوں گی“ اس نے کہا۔  
 ”آؤ کیوں؟“

”بس تو نہیں۔ کیا ہم بہت پرانے شناسا ہیں۔“  
 ”نہیں میں تو اب جو جاؤں گے۔ کیا فرق پڑتا ہے۔“

”نہیں نہیں... میں اسے اچھا نہیں سمجھتی۔ تمہارے ملک کی یہی بات مجھے  
 بہت پسند ہے کہ لوگ ایک اور ملک الگ الگ رہتے ہیں۔“  
 ”کب تک...“ عمران سر ہلا کر بولا ”اگر ایک دن انہیں اسٹا ہی ہونا پڑتا ہے“

”وہ دوسری بات ہے۔!“  
 ”تو میں کب تیسری بات کے لیے کہہ رہا ہوں۔“ عمران نے لا پرواہی سے کہا  
 چلو بیٹھو۔!“

”مارٹھا ٹیبلٹ میں بیٹھ گئی۔ اور عمران اسٹیئرنگ پر ہاتھ جھٹا ہوا بولا ”کہاں ملیں“  
 ”کیا مطلب؟“

”مطلب بھی میں ہی بتاؤں۔ کیا تمہیں جھک نہیں لگی۔!“  
 ”اؤٹ پٹانگ بائیں سمت کر دو۔“

”اچھا تو مطلب یہ ہے کہ ہم کیبلیئر میں لے کر دیں گے۔“  
 ”مجھے چوٹوں سے دستبرد ہوتی ہے۔“

”تو میرے گھر چلو۔ وہی بڑے کھائے ہیں کبھی؟“  
 ”یہ کیا چیز ہے؟“

”وہی بڑے نہیں جانتیں... تو پھر بیگن کا بھرتا بھی دکھایا ہوگا؟“ عمران  
 نے بڑی مصحوبیت سے کہا۔

”مجھے شوق ہے کہ مقامی کھانے بھی چکوں... لیکن آج صبح اتفاق نہیں ہوا  
 ڈاکٹر کی میز پر بھی مغربی طرز کے کھانے ہوتے ہیں۔“

”ارے تو پھر کیا ہے چلو میرے ساتھ... کڑھی اور چاول نہ کھلوائے تو کچھ  
 بھی دیکھا۔!“

”یہ کیا ہونا ہے؟“



”بہت زوردار ہوتا ہے اب تو اسی بات پر بیٹنی روٹی اور لہسن کی چٹنی بھی چلے گی۔“

”نہیں میں تمہارے گھر نہیں جاؤں گی۔“

”تمہاری مرضی،، عمران نے غصیلے پیسے میں کہا اور کسی تیز مزاج اور گنتی لڑکی کی طرح منہ پھلائے بیٹھا رہا۔ ٹوسٹر تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔

”اُدھر۔،، مارٹھا ہنس پڑی۔ ”اور دیکھو۔“

”نہیں دیکھتا۔“ عمران اندوں پر بیٹنی چوٹی نرے کی طرح کڑکڑایا۔

مارٹھا پھر ہنس پڑی۔۔۔ اور بولی۔ ”اچھا چلوں گی تمہارے گھر۔“

عمران کچھ نہ لولا۔ ”آکھیں دیکھو شیلڈ پر بھی دیں اور ٹوسٹر کھاتے بھرتی رہی۔

پھر عقب نما آئینے پر نظر پڑی۔ ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی دین ٹوسٹر کے پیچھے

اُڑ رہی تھی۔

ہسپتال سے روانگی کے وقت ہی سے یہ گاڑی ٹوسٹر کے پیچھے رہی تھی عمران

نے کئی موڑوں پر اندازہ کیا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

”تم کچھ بولتے کیوں نہیں!،، مارٹھا نے اس کی دان پر ہنسنے مار کر کہا۔

”بڑا بڑھبچہ کے بعد۔“

”کیا مطلب؟“

”روزانہ اسی وقت خاموشی کا دورہ پڑتا ہے۔۔۔ علاج کرانا چاہتا تھا ڈاکٹر

دماغ کو۔۔۔ لیکن وہ خود ہی لیٹ گئے۔۔۔ اللہ رحم کرے!“

”اس کا علاج تو میں بھی کر سکتی ہوں۔“

”یعنی۔“

”تمہاری بیوی کو بتا دوں گی۔ گھر چل رہی ہوں نا تمہارے!“

”بیوی۔،، عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”کیوں؟“ کیا بات ہے مارٹھا نے حیرت سے پوچھا

”کچھ بھی نہیں۔“ عمران کی آواز درنگ نکی۔

”بتانا،، مارٹھا اسے گھورتی ہوئی بولی۔

”پھر بتاؤں گا۔ بڑی بھری داستان ہے۔ ویسے گھر پہنچنے سے پہلے ہی سن

کر کہیں شادی شدہ نہیں ہوں۔“

”لائی۔ تم نے اب تک شادی نہیں کی۔“

”کی۔کی۔ نہیں کی۔۔۔ نہیں بلکہ نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں والدین بچوں کی شادیاں

کرتے ہیں۔“

”ہاں میں نے سنا ہے۔۔۔۔۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے لوگوں کی کیسے

گذرتی ہوگی جنہیں ایک دوسرے سے محبت نہ ہو۔“

”محبت بعد میں ہو جاتی ہے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیونکر ممکن ہوتا ہے۔“

”جو جاتا ہے۔“ عمران درنگ آواز میں کہا۔

”نہیں مجھے بتاؤ۔ میں اپنی معلومات میں اعناد کرنا چاہتی ہوں۔“

”منت بول کر دو۔“ عمران جھپٹا کر بولا۔ ”مجھے اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں

رہی۔ بس یہ سمجھ لو کہ جس طرح ہم کہا تے پہنتے ہیں اسی طرح ہماری شادیاں بھی

ہو جاتی ہیں۔ مگر کھانے اور پہنتے میں پسند کو بھی دخل ہوتا ہے۔“

”پھر بتاؤ۔“

”ارے بابا۔ پیچھا چھوڑو۔ کوئی اور بات کر دو۔“

”نہیں بتاؤ۔ میں تم لوگوں کی گھڑلو زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا



سوئی پر بھی ممتی جو مارا خانے اپنے بازو سے نکال ممتی... لیکن عمران نے اسے اٹھایا نہیں مارا خانہ اہستہ سے ٹپکی پڑی ممتی۔ گردن اس طرح دو ٹکڑی ہوئی ممتی جیسے روح جسم کا ساتھ چھوڑ چکی ہو۔

ایک بار چھر سول ہسپتال میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ عمران نے سوئی احتیاط سے رکھ لی تھی۔ ٹاکٹر نے بتایا کہ مار تھکا کے جسم میں بھی تیزی سے زہر پھیل رہا ہے اس بار پولیس کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی۔

آفتابِ کمالِ رسولِ ہستیاں کے علیے میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جس سے عمران کی جان بچان رہی ہو۔ لوگ اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔

پولیس انسپکٹر بھی اعظمی نکلا۔ سارے حالات سن کر اس نے اٹھ کھینے نکالیں اور عمران پر چڑھ دڑا تھا۔

”آپ کون ہیں؟“

”میں علی عمران ایم۔ ایس۔ سی۔ پی ایچ ڈی۔ آگن ہوں“

”کیا مطلب ہے؟“

”جی مطلب تو مجھے کبھی نہیں معلوم۔“

”ڈاکٹر اور اس کی سیکرٹری کے لیے تعلق ہے تمہارا۔“

ڈاکٹر سے کوئی تعلق نہیں ہے، عمران نے تختہ می سانس لے کر کہا۔ لیکن

ہر رسی کا تعلق زیرِ مکر ہے۔“

”کیا مطلب ہے؟“

بھائی صاحب مطلب تو خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔

”کیا آپ حوالات میں یہ بات کرنا پسند کریں گے؟“ سب الیکٹر غراتا۔

”مرضی سرکار کی:۔ عمران نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔۔ لیکن میں آپ سے مزید گفتگو

چاہتی ہوں۔“

”اسی وقت!“ عمران پھیر کر ادا۔

” اچھا گھر حل کر سی رہی ہے۔“

اب بھی اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

پھر اس نے ایک جگہ بائیں جانب سے نکلنے کی کوشش کی۔ عمران نے ٹرک کے قواعد کو بالائے طاق رکھ کر اسے راستہ دے دیا۔ وہ فرار طے پھر کر ہوتی آگے نکل گئی۔ ساتھ ہی مارے بغا نے سگاری اودارنا ہاواں باز دھونے لگی۔

”اوہ۔ یہ کس چینیے کا ٹاٹا؟ اس نے بلاؤز کے آستین میں انگلیاں ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر وہ کھولے انڈاز میں کراہی۔ اب دایاں ہاتھ آستین سے باہر نکال کر چٹکی میں مامووزن کی ایک سوئی دبی ہوئی تھی۔

”اودہ... یو... اودہ... یہ... اودہ اگے پیچھے جھولتی ہوئی بولی۔ عمران نے اڑی روک دی تھی۔ اور قبل اس کے وہ کچھ کرتا مارتھا جھبکے لیتی ہوئی اس رازگاری

ماتقبا بے ہوشش بختی۔ عمران نے سامنے دیکھا۔ دین تیزی سے آگے جا رہی تھی

کرنے سے پہلے عکلمہ سراجی کے سپرنٹنڈنٹ سے دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ اجازت دیں گے۔“

”جی۔“

”جی ہاں۔ فون پر۔ آپ اگر ضروری سمجھیں تو مجھے آپ کی موجودگی پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ڈاکٹر فون کہاں ہے؟“

وہ اس کمرے میں آنے جہاں فون تھا! عمران نے کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائل کئے اور ماڈ ٹھہریں میں بولا۔ میں عمران ہوں۔ ہسپتال سے نہہاری دپچی کے لیے کچھ کھاؤ۔ فوراً آجاؤ۔“

ریسیور رکھ کر وہ سب انکپٹر کی طرف طرار جو میڈیٹرائزڈ ہیں پلکیں جھپکاتا ہوا اب پوچھنے پوچھنے پوچھنا ہے۔“

”کیپٹن صاحب سے آپ کا کیا تعلق ہے۔“

”تعلق!، عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ آخر آپ پر تعلق کا دورہ کیوں پڑ گیا ہے۔“

سب انکپٹر کے ہوشوں پر پہلی بار مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے کرسی کی طرف

اشارہ کر کے کہا۔ ”تشریف رکھیے۔“ اور خود بھی بیٹھا ہوا بولا۔ اب تو کیپٹن صاحب ہی کا انتظار کرنا پڑے گا۔“

پھر فیاض نے آنے تک کوئی گفتگو نہ ہوئی۔!

”اب کیا ہے؟“ فیاض سب انکپٹر کو نظر انداز کر کے چائے کھانے والے بیچیں

بولی۔

”ڈاکٹر دعا کو سیکرٹری مار تھا کہ تمہوں میں زہر پھیل گیا ہے۔“

”ڈاکٹر دعا گو۔“

”ہاں! عمران سر ہلا کر بولا۔ اور شروع سے سارے واقعات دہرائے۔“

فیاض غصہ مڑی دیکھ کر کچھ سوچتے رہنے کے بعد ڈاکٹر سے مخاطب ہوا۔ کیا خیال ہے... لڑکی زندہ پھینکی یا نہیں۔!“

”ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“ ڈاکٹر نے جواب دیا۔

”وہ سوئی بجھے دو۔“ فیاض نے عمران سے کہا اور اس سے سوئی لے کر چٹکی میں باٹے غصہ مڑی دیکھ کر اسے گھوڑا تار یا پھر آہستہ سے بولا۔ میں اسے جا رہا ہوں۔“

”لیکن جلدی واپس کر دینا کیونکہ میں نے بھی گرامو فون بجانا ہے۔“ عمران نے بڑے جلد سے کہا اور فیاض اسے گھورنے لگا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ فیاض اٹھا ہوا بولا۔ اور عمران نے ڈاکٹر کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”بھیا ذرا لڑکی کا خیال رکھنا۔“

فیاض اور عمران برآمدہ کے اس دور افتادہ گوشے میں پہنچے جہاں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

”اب بتاؤ۔“ فیاض نے عمران سے کہا۔

”کیا بتاؤ؟“

”تم ڈاکٹر دعا کو کچھ کہیں پڑ گئے ہر۔“

”تمہارے چکن بھانی اپنے بنگے پر بھی خودکشی کر سکتے تھے۔“

”ہوں۔ پھر تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا ڈاکٹر دعا گو...۔“

”فی الحال تو وہ بیمارہ خود ہی دعا کا محتاج ہے۔ اس کے متعلق پھر کبھی سوچوں گا۔“

”مجھے یہ بتاؤ کہ تم اس کے گرد کچھ کیوں لگا رہے تھے۔“

”کبھی اس کی سیکرٹری کو غور سے دیکھا ہے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا

”اڑنے کی کوشش نہ کرو۔! میں جانتا ہوں کہ تمہیں اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں

رہتی۔“





توبہ، توبہ۔ استاد پھر منہ پٹینے لگے اور لکھلانے ہوئے لہجہ میں بولے "خدا کے لیے یقین کیجئے۔ لیکن پولیس۔ میں کیا کروں۔"

"مجھے سرب پر پیر رکھ کر۔"

"لیکن راتے میں اگر پولیس؟"

"ہاں۔ ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ اچھا! عمران نے کہا اور جہزٹ کو آواز دی۔ وہ دوسرے کمرے میں غنا۔ آواز کی گنج ختم ہونے سے پہلے ہی پہنچ گیا۔

"دیکھو! جہزٹ! انہیں اجڑا دیا۔ ہر ٹیل ایک چھوڑ آؤ۔ ٹیکسی لے لینا۔"

"اؤس کے پاس۔" جہزٹ نے دو انگلیوں سے پیشانی چھو کر کہا۔ اور اس طرح

دروازے کی جانب ہاتھ لٹاٹے جیسے بیڑن پہنکائی ہوں۔۔۔ یہ استاد کے لیے ہاں

چلنے کا اشارہ تھا۔

استاد چلتے چلتے مڑ کر بولے "عمران صاحب میری طرف سے دل صاف رکھیے گا۔"

میری سوجھیں تو کچھ بھی نہیں آتا۔ ہوسکتا ہے سالی مجھی آنکھ پر پٹی باندھ گئی ہو؟

"ہوسکتا ہے۔۔۔ ہوسکتا ہے۔ خدا حافظ۔"

پھر اس نے پورا جسم تان کر انکڑائی لی اور پرائیویٹ فون پر جو لیا نامتھر واٹر کا

نمبر ڈائیل کئے۔ فوراً جواب ملا۔

"جولیا! عمران ایک سو دو لے مخصوص لہجے میں بولا۔" صدر سے کوئی رپورٹ ملی ہاں

"جی ہاں۔ میں خود ہی رنگ کرنے والی تھی جناب۔"

"کیا خبر ہے؟"

"وہ دونوں سیاہ رنگ کی اس دین کا تعاقب کر رہے تھے۔ میں نے عمران کی ٹوپر

کا پچھا کیا تھا۔ پھر فرسٹ اسٹریٹ کی ایک عمارت کے سامنے وہ دین کی مٹی

دو آدمی ان کے عمارت میں داخل ہوئے۔۔۔ وہ دونوں ابھی سوچ رہے تھے کہ اب

کیا کرنا چاہیے کہ۔۔۔۔۔ دفعتاً ایک زوردار دھماکا ہوا اور وہیں کے جیتھڑے اڑ گئے

لہجے کا ایک ٹکڑا جہزٹ کی پیشانی سے لگا ہے۔۔۔۔۔ خاصا بھراؤ ختم آیا ہے متعدد

راہ گیر بھی زخمی ہوئے۔ لیکن جس عمارت میں وہ دونوں نامعلوم آدمی داخل ہوئے تھے

خالی پانی گئی۔ عرصہ سے خالی پڑی تھی۔ وہ دونوں عقیقہ راتے سے باہر چلے گئے ہوں

کے کمرے کی عقیقہ دروازہ بھی غیر متعلق پایا گیا ہے۔

وہ کیا وہ دونوں غیر ملکی تھے؟ عمران نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ وہی رہی تھے۔"

"صدر اب کہاں ہے؟"

"دوسروں کے ساتھ عمران کے فلیٹ کی نگہانی کر رہا ہے۔ چوہان پیشانی کی ٹرینگ

کرنے کے بعد آرام کر رہا ہے۔"

"اچھا دیکھو۔ سول سپینل سے رابطہ قائم کرو۔ ڈاکٹر دعا گو اور اس کی سہیلی مارتھا جینی

اور وہیں ہیں ان کی نگہانی ہونی چاہیے۔ مجھے فوراً مطلع کرو کہ مارتھا جوس میں آئی

یا نہیں۔"

"اؤس کے سر۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

عمران نے سلسلہ مطلع کر دیا۔

مفتوحی ہی دیر بعد گھر ٹوفون کی گھنٹی بجی۔

"میلو۔" عمران ماؤتھ میں بیس دہلا

"کون؟" عمران نے۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ اور عمران نے آواز پہچان

لی۔ دوسری طرف سے کیپٹن فیاض تھا۔

"کیا بات ہے؟" عمران نے پوچھا

"وہ ہوسٹس میں آگئی ہے؟"



”اُدھو۔ ترصنوراجی دہیں تشریف دے رہا ہیں۔“

”وہ کہتی ہے کہ تمہاری موجودگی میں کوئی بیان دے سکے گی۔“

”میں کوئی اس کے باپ کا ذکر ہوں کہ دو ڈراؤں کا۔“

”تمہیں آنا پڑے گا۔ فوراً آؤ کیونکہ تم کسی طرح اپنی جان نہیں بچا سکو گے۔“

اچھی طرح غور کر چکے ہو؛ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ اس دین میں تمہارے بڑی آدمی نہیں تھے۔“

”مم۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ ہبب! عمران ہاتھ پیس میں ہکلا یا۔ اچھا میں آ رہا ہوں!

ایک بار پھر اس کی ٹو سیٹر سول بہ پتال کی طرف دھکی جا رہی تھی۔

فیاض بلند سے ہی میں ملا۔ اس کے ہوتوں پر ایک طنز پر سکڑا ہٹ تھی۔

”اب کہاں پناہ کر جاؤ گے برنوردار۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”سلا یہ بے گارہ عدم موجودگی میں بیان نہیں دے سکتی تو تمہیں کسی سیاہ رنگ کی

دین کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟ عمران نے پوچھا۔

”میری ملازمت کا فی پرائی ہو چکی ہے۔“ فیاض بائیں آنکھ دیکر بولا۔ اگر یہ نہ کہتا

تو جھلا اس طرح دوڑے آئے۔“

”اُدھ۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔ اچھا! عمران نے سنجیدگی سے سر ہلا کر کہا۔ ”خیر۔ تو

جلدی سے مقصد بیان کر جاؤ۔ میں آج کل مدیم الغصت ہوں۔ لیکن وہ کہاں ہے؟“

”فی الحال کسی سے نہیں مل سکے گی۔“ فیاض نے خشک لبے میں کہا۔

”غوب۔ غوب! اچھا خیال ہے۔ لیکن میں یہاں کیوں کھڑا ہوں۔“

”محض یہ بتانے کے لیے کہ اس دین میں کون تھا؟“

”آج رات خواب میں دیکھ کر بتا سکوں گا۔“

”عمران میں بری طرح دنگوڑوں گا۔“

”لوٹو سے ہوا، عمران بھی جھلا گیا۔“ اس وقت تم نے میرے ساتھ جو فراڈ کیا ہے

اس کا خفیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ بیچ سرنگ پر۔ اسے کھدکھو سجھے۔“

”تمہیں بتانا پڑے گا کہ دین میں کون تھا۔“ فیاض نے درشت لبے میں پوچھا۔

”کیا ارٹھا ہے اس قسم کا کوئی خیال ظاہر کیا ہے۔“

”کس قسم کا؟“

”یہی کہیں۔ دین میں سخر کرنے والوں سے واقف ہوں۔“

”نہیں۔!“

”چہرہ تم کس بنا پر مجھے گھسیٹ رہے ہو۔“

اتنے میں ایک زرس نے کیٹن فیاض سے کہا۔ ”میں فیاض بیان دینے پر آمادہ ہے۔“

”تا کہ کوئی اعتراض نہیں۔“

”اچھا شکریہ۔“ فیاض نے کہا۔ ”میں آ رہا ہوں۔“ زرس چل گئی۔

”کیا فائدہ دار؟“ عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ فیاض نے کہا۔ ”میں دیکھتا ہوا بولا۔“

”دفعاً کہاؤں سے ناز کی آواز آئی۔ اور ایک جڑجڑ بھی سنائی دی۔ وہ دونوں اچھل

کر ملے۔“

پھر عمران نے دیکھا کہ اس کا ماتحت صفدر مہندی کی پاڑھیں چھلا رہا ایک

طرف دوڑا جا رہا تھا۔ اس کی پشت ان دونوں کی جانب تھی اس کے خیال کے

مطابق فیاض صفدر کا چہرہ ہرگز نہ دیکھ سکا ہو گا۔



گرا بھی تو اس طرح کہ فیض بے بس ہو کر رہ گیا۔

”ارے مردود۔ اٹھو پھر پرے۔“ وہ دانت میں کرمیٹا ہوا بولا۔

”اٹھ... اٹھ... تو رہا ہوں...“ عمران پتا ہوا بولا... اور پھر اس نے محسوس کیا کہ صفدر کسی گلی میں گھس کر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔

اتنے میں سب انسپکٹر اور کانٹیل جی ان سے قریب پہنچ گئے... عمران نے اب مناسب نہ سمجھا کہ فیض کو اپنے نیچے ہی دبائے رکھے۔ سب انسپکٹر اور کانٹیل جی رک گئے تھے اور حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

”ارے دیکھتے کیا ہو۔“ اٹھاؤ مجھے، عمران رو دینے کے سے انداز میں کرا رہا۔

بہر حال ان لوگوں نے اسے کچھ نہ کہا، کمر بیدھا کیا اور فیض پھر اٹھ دوڑا...

غالب اس نے بھی صفدر کو ایک گلی میں گھستے دیکھ لیا تھا۔

”ملگ۔ کیا بات ہے... حج... جناب!“ سب انسپکٹر نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

”پتہ نہیں چلائی۔“ عمران نے کہا، ”پتہ نہیں... سپ... پتہ...!“

اور پتا ہوا زمین پر بیٹھا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب فیض صفدر کی گر کر کو بھی نہ پاسکے گا کیونکہ ان گلیوں کے اندر بھی کئی پتھر لگائیں اور بھی نہیں۔

دفعتاً آٹھ گرہہ دھاڑا، ارے رک کیوں گئے۔ دوڑو... درندہ کپتان صاحب

کو اکٹلا کھڑک رہیں... ارے باپ رے!“

وہ بھی اسی گلی میں سرپٹ دوڑنے لگے... سب انسپکٹر اور کانٹیلوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

اس گلی میں بڑھ کر دیکھا کہ کپٹن فیض ایک جگہ کھڑا بیٹھ گیا، اس سے ہاتھ مل رہا ہے عمران پر نظر پڑتے ہی وہ آگ بجھلا ہو گیا۔



دفعتاً فیض دونوں ہاتھ اٹھا کر چہرہ دوڑو۔!“ پھر جھگڑتے ہوئے صفدر کو لٹکاتا۔ پتھر دوڑنے گولی مار دوں گا۔“

اور نو بجی اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ عمران نے سوچا اگر صفدر پکڑا گیا تو بڑی الجھنوں کا سامنا ہوگا۔ لہذا وہ فیض کے پیچھے دوڑا۔ سب انسپکٹر اور دونوں کانٹیل جی دوڑ پڑے تھے لیکن وہ عمران سے آگے نہ جا سکے۔

عمران نے جلد ہی فیض کو جا لیا۔

”بتاؤ تو کیا ہوا؟“ وہ اس کے ساتھ ہی ساتھ دوڑتا ہوا بولا۔

”وہ...“ فیض صفدر کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا، ”جانے نہ پائے۔“

اور تیز دوڑو۔“

”گرہہ کون ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔!“

”اُدھ۔“ تو کیا... وہ... وہ... غار اسی نے کیا تھا۔“

”پتہ نہیں۔“

”اسے تو آدمی ہو...“ یا لٹا رہا جو موقع بے موقع چابی سے چٹنے والی درندگی

بندریا کی طرح ناپتے کو دے گئی ہے... پتھر...“ اس نے فیض کا ہاتھ پکڑ کر دھکنے کی کوشش کی۔

”یہ کیا کر رہے ہو؟“ فیض غرایا... اور اسی کشمکش کے دوران میں فیض کی ہانگیں آپس میں الجھیں اور وہ ڈھیر ہو گیا جھکا ہوا کہ تو عمران اس پر گرا... اور



”جسے تم دونوں نے۔“  
 ”دن رات گالیاں دیا کرتا ہے مجھے۔“  
 ”انگریزی میں۔“ عمران نے پوچھا۔  
 ”نہی تو مصیبت ہے۔۔۔ ورنہ میں بھی سالے کی ایسی بیٹی کر کے رکھ دوں۔“  
 ”تو اسی سے انگریزی کہیں نہیں پڑھ لیتا۔“  
 ”میں یہ سب کچھ نہیں جانتا آپ میرا فیصلہ کر دیجیے۔“  
 عمران کچھ کہنے ہی دالا تھا کہ ایک سٹوڈنٹ فون کی گھنٹی بجی اور وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا آیا۔

دوسری طرف صفدر خٹا اور کبہرہ تھا۔ اس نے عمران پر کافر کرنے کے لیے ریلو اور نکالا تھا۔ مہندی کی پاڑھ میں چھپا ہوا تھا۔  
 ”کہاں کی ہانگ رہے ہو۔“ عمران بیچیت ایک ٹیوٹر آیا۔  
 ”اُدھ معاف فرمائیے گا۔ جناب! میری عقل خط ہو گئی ہے دوڑتے دوڑتے علی گڑھ گیا۔ ہم لوگ عمران کی حفاظت کر رہے تھے۔ وہ سول ہسپتال کے برآمدہ میں کپٹن فیاض سے گفتگو کر رہے تھے۔ ایک اُدی پر بھی ہماری نظر پڑی جو صبح ہی عمران کا تعاقب کرتا پھر ہوا تھا۔ میں نے اسے مہندی کی پاڑھ میں اوٹ میں دیکھا اور پوری طرح اس پر نظر رکھی۔ کچھ دیر بعد اس نے اشتار یہ چار پانچ کا بار بار نکال کر عمران کا نشانہ لیا۔ برا خطبہ لکھ لٹھا تھا اگر میں اسے آواز دے کر باز رکھنے کوشش کرتا تو شاید بولسٹا ہٹ ہی میں وہ ٹرگید دبا دیتا۔ مجبوراً مجھے اپنا ریلو اور نکال کر اس کے ہاتھ پر ناکرنا پڑا۔ گولی نشانہ پر پڑتی۔ ریلو اور اس کے زخمی ہاتھ سے چھوٹ نکلتا تھا۔ ایک جین بھی اسی کے سلق سے نکلی اور وہ اچھل کر بھاگ نکلا تو میں اس کے تعاقب میں دوڑا۔“

”بعد کی باتیں مجھے معلوم ہے!“ عمران نے مآدھ میں کہا۔ لیکن کپٹن فیاض یہیں پہچان نہیں سکا۔ تم بہت اچھے رہے ہو۔ میں تم سے غور میں ہوں۔“  
 ”شکر ہے جناب۔“  
 ”بہتر ہے کہ تم لوگ عمران کی حفاظت دیک اپ میں رہ کر کیا کرو۔“  
 ”بہت مناسب ہے جناب۔“  
 ”سب کو مطلع کرو۔“  
 ”بہتر جناب۔“  
 عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اچھی فون کے پاس سے شاہجی نہیں تھا کہ کچھ گھنٹی بجی۔ عمران نے ریلو دھڑا لیا۔ دوسری طرف جواں جلی اور کبہری تھی۔ ڈاکٹر دماغ کی سیکرٹری مار تھا بھی ہوش میں آچکی ہے۔ اور اب خطرے سے باہر ہے۔  
 ”لیکن میں نے اس کے بارے میں تم سے سب پوچھا تھا۔“ عمران مآدھ میں میں غرایا۔  
 ”مم۔۔۔ میں نے۔۔۔ کہا شاید وہ بھی۔۔۔ کیونکہ وہ عمران کے ساتھ تھی۔“  
 ”عمران کے نجی معاملات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔“  
 ”نجی معاملات۔“  
 ہاں وہ مآدھ کے چکر میں ہے۔ عمران بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ اُس کے ہونٹوں پر شرمیلی سکا ہٹ تھی۔  
 ”غیر۔ جناب۔ ڈاکٹر دماغ کو بیان۔“  
 ”تھپہ۔۔۔ میں شدرٹ بیڈ میں نوٹ لوں گا۔“  
 اس نے میز پر پڑی ہوئی گاٹی اور پیل اٹھائی اور مآدھ میں بولا ”شرع ہو جاؤ۔“



ڈاکٹر دعا گو فن پر عمران سے گفتگو کر رہا تھا دفعتاً پشت والی کھڑکی سے ایک سیاہ رنگ کی بی میز پر اکوڑی... پھر دوسری بی... اور ان میں سے ایک بی مزاتی ہوئی اس پر اچانک حملہ کر بیٹھی... ڈاکٹر دعا گو کا بیان ہے کہ وہ بے ساختہ بیچ پڑا تھا... اس کے بعد کچھ بھی ہوا اس پر وہ روشنی نہیں مل سکا۔“

”اس کے علاوہ اور کچھ؟“

”جی نہیں۔“

”اُور۔ اینڈ آل“ عمران نے ریسپرکریٹل پر مثال دیا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر ڈاکٹر دعا گو کی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔

کوٹھی کی کپاؤنڈ میں اسے ڈاکٹر کے ملازموں نے گھیر لیا۔ اور وہیں سے ڈاکٹر کی خیریت پوچھنے لگے۔ کیونکہ انہوں نے اسے ایمبولنس گاڑی کے ساتھ جانے دیا تھا۔ عمران نے انہیں بتایا کہ ڈاکٹر رو بصحت ہے پھر اس نے ان سے پوچھ کچھ شروع کی اور انہیں باتوں میں الجھائے ہوئے ادھر ادھر ٹہتا رہا۔ انہیں ساتھ لیے ہوئے کپاؤنڈ کے اس حصے کی طرف نکلا جہاں سے ڈاکٹر کے بیان کے مطابق دونوں بلیاں کھڑکی کی راہ سے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

کیا یہ کھڑکی روزانہ کھلی رہتی ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ ایک ملازم نے جواب دیا

”کیا تم میں سے کسی نے ڈاکٹر کی جینز بھی سنی تھی؟“

”جی ہاں۔ میں نے سنی تھی۔ اسی ملازم نے کہا اور دوسروں کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے ان سے بھی اپنے بیان کی تائید کی توقع رکھتا ہو۔ لیکن کوئی کھڑکی پر وقت مناسب نہ سمجھا۔

”تم اس وقت کہاں تھے؟“

”جی میں ادھر ہی سے گزر رہا تھا۔“

”تب تم یقینی طور پر اس کھڑکی کی طرف آئے ہو گئے؟“

”جی ہاں۔ دوڑتا ہوا آیا تھا۔“

”پھر تم نے اس کھڑکی کے اندر بھی جھانکا ہوگا؟“

”جی ہاں۔“

”اندر ڈاکٹر کے علاوہ اور کون تھا؟“

”جی کوئی بھی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرمش پر پڑے تھے اور ان پر کسی الٹی

بڑی تھی۔ جی ہاں۔“

”کمرے میں دو بلیاں بھی دوڑتی پھر رہی تھیں۔“ عمران نے اس طرح کہا جسے

خود سے غلط سمجھا۔

”جی۔ بلیاں؟“ نہیں تو۔“ ملازم کے لیے میں حیرت مچا۔

”تمہیں یقین ہے؟“

”ارے صاحب بلیاں۔ بھلا۔ کیا بات ہوئی؟“ وہ ہنس پڑا۔ اور دوسرے

بھی ہنسنے لگے۔

پھر عمران نے ان سے کہا کہ وہ کوٹھی کا خیال رکھیں کیونکہ مارخا بھی بیمار ہو گئی

ہے اور شاید کئی دن بعد وہ دونوں اسپتال سے واپس آ سکیں۔ ملازموں نے

مارخا کی بیماری کی نوعیت معلوم کرنی چاہی لیکن عمران نے لاعلمی ظاہر کی۔

پھر وہ کوٹھی سے بھی روانہ ہو گیا دیے اس کی خواہش تھی کہ اندر سے بھی اس

کی خواہش تھی کہ اندر سے بھی اس عمارت کا سرسری طور پر جائزہ لیتا۔ لیکن اس

وقت مناسب نہ سمجھا۔



اگر معلوم کر کے بنا سکو تو یحییٰ مشکور ہوں گا۔ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ چہرے بڑے  
رومنٹک انداز میں بولا۔ ارے اس کا آنکھوں سے تو صبحیں طلوع ہوتی ہوں گی۔  
اور محرم کے گھاٹ سے پوچھوشتی ہوگی۔ گھنٹی زلزلوں میں شام دھلتی ہوگی۔ اور  
گالوں کی اشق۔“

”ہائیں۔ ہائیں۔“ جولیا حیرت سے آنکھیں جھاڑ کر بولی۔ ”یہ تم بول رہے  
ہو۔ ارے تم بھی ایسی باتیں کر سکتے ہو۔“

بیک بیک عمران چہرہ جھپٹا۔ اور اس طرح پلکیں جھپکانے لگا جیسے سوتے  
سے جاگا ہو۔ چہرے پر چھاتوں نے ٹپا کر دی۔۔۔ (ایسا معلوم ہونے لگا جیسے  
اس سے بڑا ڈیوٹ آج تک پیدا ہی نہ ہوا ہو۔

”مم۔۔۔ میں۔۔۔ نہیں سمجھا۔“

”اگوتناؤ۔“ جولیا برا سامنے بنا کر بولی۔

”اچھا۔“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر کو ہٹا دیا۔

”یہ کون ہے۔“ جولیا نے چہرے آنکھیں نکالیں۔

”مم۔ میں کیا جانوں؟“

”تم آج کل کس جگہ میں ہو۔ کیا یہ ڈاکٹر دعا کی سیکریٹری ہے۔“

”نہیں۔ خدا کی قسم وہ نہیں ہے۔“

”تم ان دونوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔“

”دعا کر رہا ہوں اپنے لیے۔“

”کو اس نہ کرو۔“

”تمہاری مرضی۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”چہرہ جو جی چاہے سمجھ لو۔“

”تم کس جگہ میں ہو۔“

”مگر تمہیں کیسے اطلاع ملی۔۔۔۔۔“ عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”ادھو۔ ادھو۔  
جولیا ان درختوں کی مساجد میں بھی موجود ہیں۔ خیریت خیریت۔“

وہ جولیا کو ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا تمہیں علم ہے کہ تم خطرے میں ہو۔“ جولیا نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

”ارے باپ رے۔“ اس نثار دو میں کہا۔ ”چہرہ انگریزی میں بولا۔ ”مم۔ میں  
نہیں سمجھا تم کیا کہہ رہی ہو۔“

”سول ہسپتال میں تم پر کسی نے فائر کرنے کی کوشش کی تھی۔ صفر رستاس  
پر فائر کر کے کھیل بگاڑ دیا۔“

”کھیل بگاڑ دیا۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”اور کیا؟“

”ارے ابھی کیوں؟“ عمران نے حیرت سے آنکھیں جھاڑ دیں۔

”یہی سبب ہے کہ تم اب مری جاؤ۔“

”ناچوٹی میرے ساتھ؟“ عمران نے آگے جھک کر ہاتھ سے پوچھا۔

”شٹ اپ۔“

”اچھا جی۔“ عمران اس کو گھولتا ہوا بولا۔ ”چہرہ گھوٹے سے سامنے والی غیر ملکی  
ڈاکٹر کی جانب اشارہ کر کے لگتا یا۔ اب تو ان خالد جان کے ساتھ ناچوں گا۔“

”مٹھو کر مار دے گی۔“

”دیکھ لینا۔“

”جانتے ہو یہ کون ہے؟“

”تم شاید جانتی ہو؟ لیکن ابھی تم نے مجھ سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔“

”اسی لیے پوچھا تھا کہ جانتے بھی ہو۔ یا۔ یونہی جہنم رسید ہو جاؤ گے۔“



”ارے تو بتا دو نا... محترمہ سہدرہ خاتون۔“

”ایک سفارت خانے کے افسر کی لڑکی ہے۔ سوئٹ گپڈرنگس میں کرنل ڈبیرنگ  
کا نام سنا ہے کبھی۔“  
”نہیں تو۔“

”یہ اسی کی لڑکی ہے۔ اندھیرے میں آواز پر نشانہ لگاتا ہے۔“

”اچھا اگر میں اندھیرے میں پتھر لگانوں تو۔“ عمران نے بڑے جھولے پن سے  
پوچھا۔

”نکدے جو تم۔“ جولیا جھلا گئی۔

اور عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سر ہلا کر مسکراتے لگا۔

پھر دونوں ہی خاموش ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد آواز دہر کی آواز آئی۔ ”کیا آپ بال روم میں تشریف لے کے ملنا

پسند کریں گے۔ آج پرنسین ٹروٹ۔ سادہ امریکن کوک ٹیل اسٹپ کا ماسٹر آرکسٹرا

آپ کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے۔“

پھر جیسے ہی دوسرا فقرہ شروع ہوا عمران نے میز سے نیچے اپنی ٹانگیں تھرا کانی

شروع کر دیں۔

”کیا خیال ہے۔ ایک بار پھر سوچو۔ اس نے جولیا سے کہا۔

”مجھے حیرت ہے کہ تم آج ایسی بد پرہیزی کیسے کر سکو گے۔ ناچنا آتا ہے نہیں۔“

”اور سنیو۔“ عمران گردن جھٹک کر بولا۔ ”بچپن سے اب تک ناچنا اور چننا

ہی تو آیا ہوں آپ پوچھتی ہیں ناچنا آتا ہے۔“

”میں موڈ میں نہیں ہوں۔“

”تو پھر مجبوراً۔“ عمران کی نظر سامنے والی لڑکی پر رک گئی۔

جولیا نے ہراسہ منہ بنا کر شاؤن گر خنڈش دی۔

”کیا پیو گی۔“ عمران آگے جھک کر ہاتھ سے بولا۔

”کھانا کھاؤ گی۔“ وہ بچاڑ کھانے والے لہجے میں بولی۔

”مینو حاضر ہے!“ عمران نے مینو پر سے ایش ٹرسے ہٹا کر اس کی طرف کھسکا تو  
ہرستہ کہا۔

جولیا نے دیکر کھانا قہقہے میں ڈسٹوں کی ایک طویل فہرست دہرا دی۔ انداز ایسا ہی

تھا جیسے عمران کو کھانا دینے کا تہیہ کئے بیٹھی ہو۔ آؤ ڈرے کر دیشر چلا گیا اور جولیا بڑی

بلے تعلق سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

عمران بھی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد کھانے کی ٹرالی میز کی طرف آتی دکھائی دی۔ فرمائش ہی اتنی تھیں

کہ کمال کے اینڈ کا م نہ چلتا۔ عمران نے تھنڈی سائلی۔ اور کسی نغیدے بے چسپے کی طرح

مڑ جلائے لگا۔ پھر جولیا کے دیشی بیگ کی طرف دیکھا جو میز کے نیچے رکھا ہوا تھا

عمران سوچی رہا تھا کیا آج یہ لڑکی آستے رک دینے کے چکر میں اپنا پیٹ ہی

بھاڑ ڈالے گی۔ سہ تماشہ کھانے جا رہی تھی جولیا۔ اور اس طرح عرصی کھانے میں کہ

بڑی نہ چل سکا کہ مزے کئے نیچے رکھے ہوئے دیشی بیگ پر کیا کر رہی تھی۔

اس کا پرس اب نفی بیگ سے نکل کر عمران کے کورٹ کی سائیڈ پاٹ میں جا چکا

تھا۔ عمران بلے پایاں مسرت کا اظہار کرتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جولیا کو

کھانے کی دعوت دے کر دین د دنیا کی معاد میں سمیٹ رہا ہو۔

”بل ذرا جلدی سے لانا سمجھ۔“ عمران نے دیشر سے کہا۔ ”کہہ رہی تھی ابھی بال

دم میں بھی جا میں گئے۔“

دیشر چلا گیا اور جولیا بولی۔ ”میں ہرگز نہیں ناچوں گی تمہارے ساتھ خواہ تو پورا باورچی

خازنہ کے صحنے میں غلوس دو۔“  
 ”میں بیچارہ کیا غلوسوں گا؟ عمران نے خاک رانا لہجے میں کہا۔“ اللہ غلوس رہا ہے“  
 جولیا ہنس پڑی۔

”بہت طے ہوئے جو۔“ اس نے کہا  
 ”اللہ کی مرضی۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

جولیا پھر ہنسنے لگی۔ پتہ نہیں کہیں اس وقت ہال کا پشخص ان کی طرف متوجہ ہو گیا  
 کھانا ختم ہوا۔ بل آیا اور عمران نے کوٹ کی اللہ مٹی جیب سے اپنا پرس نکالا۔  
 اور دس دس کئی ڈھٹ پیٹ میں ڈال دیئے۔

جولیا شاید تفریحی کردہ اتنی آسانی سے کیے کٹ گیا۔  
 ”کیا ہال دردمگ چلو گی ہی نہیں۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

”میں سمجھتی ہوں کہ اس میں تو کوئی حرج نہیں چلو۔“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔  
 رہنے والی دکان اپنے دلیس ساتھی کے ہوا پٹے ہی جا بکی تھی۔

فی الحال وہاں جان بچا رہا تھا۔ دو گیلیوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرش پر پاؤں  
 پھیر کر جا رہا تھا۔

وہ دونوں بھی ایک خالی میز پر جم گئے۔۔۔ عمران نے گردن اونچی کر کے گرد  
 پیش کا جائزہ لیا۔ لڑکی دوسری جانب والی گیلی میں نظر آئی۔ اتفاق سے اس گیلی کا  
 ساری میز بھری ہوئی تھیں۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ اور پھر اس کی نظر جولیا کے چہرے پر آٹھری جبر کا  
 ہونٹوں پر ایک طنز پر سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”اچھا۔ اب نہیں ناچیں گے۔“ عمران آہستہ سے بڑھایا۔  
 ”کانی نہیں ہلاؤ گے۔“ کمانے سے لہجہ، ”جولیا نے کھنگتی ہوئی آواز میں پوچھا۔“

”چو۔“ عمران کی آواز ہیچید منمل تھی۔  
 جولیا کھٹکھٹا کر ہنس پڑی۔

عمران نے انگلی کے اشارے سے ایک دیگر کوبلا کر کانی کا آرڈر دیا۔

”میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں میری منہ میں تم ہیپنل نہ پہنچ جاؤ۔“ اس نے جولیا سے کہا  
 ”پر وہ نہ کرو میں تمہارے لیے جان بھی دے سکتی ہوں۔“

”اللہ رحم کرے۔“ عمران نے دردناک میچے میں کہا۔

پھر کچھ دیر بعد انڈسٹر کی آواز آئی خواتین حضرات تیار ہو جائیئے نغمہ شروع کیا  
 جا رہا ہے۔“

لوگ میزوں سے اٹھنے لگے۔ نغمہ شروع ہوا۔ ٹوٹ کے لیے زیادہ تر نوخیز جوڑے  
 ہی اٹھتے تھے۔

عمران اور جولیا کافی پیتے رہے۔ قریب ہی میز پر ایک مقرر آدمی اپنی بڑی سامتی  
 سے کہہ رہا تھا۔ ”کیا زمانہ ہے۔“ بھلا یہ ٹوٹ۔ ”کیا رکھا ہے۔“ مذاکث پ نہ کلاؤنگ  
 بس کٹے کٹے کھانا بھر گھسو۔ ذرا دلاز ناچ کر دکھائیں۔ صحت مند جوڑے زبانوں  
 ”کبھی تمہیں جھٹکا کھانا چائیں گا۔“ عمران نے جولیا سے کہا۔

”یہ کیا بڑتا ہے۔“

”بہت گریٹ تمہارے۔“ عمران نے کہا اور سامنے والی گیلی کی طرف دیکھنے لگا۔  
 وہ لڑکی بھی ٹوٹ کے لیے نہیں اٹھی تھی لیکن مسل ہاتھیں کئے جا رہی تھی اپنے  
 لڑھے سامتی سے۔

”یہ بڑھا کون ہے؟“ کیا اسے بھی تم جانتی ہو؟“ عمران نے جولیا سے پوچھا۔

”تم نہیں جانتے؟“ جولیا کے لیے میں حیرت تھی۔

”نہیں۔“





دووں وہیں سے تھکتے ہوئے راتوں کی بیڑ میں آئے۔ مختلف بوڑے طرح طرح کے پوز بنا کر اپنے دلوں کا اظہار کر رہے تھے۔ تاپتے تاپتے عمران نے ایک ہاتھ کر کے دکھا اور دوسرا سر پر اور پھر بائنا غده طور پر تھک تھک شروع ہو گئی۔ اس کی ہنر سے ہنستے ہنستے دوسری ہونی جاری تھی۔

”یہ سے ٹوٹ کا مقامی رنگ۔ عمران نے لڑکی سے کہا  
”تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔“ لڑکی ہنس کر بولی۔  
”بہت نہیں۔“  
”کیا کرتے ہو۔“

”میش۔ میرے باپ محکمہ سرائی کے ڈائریکٹر جنرل ہیں۔ کافی کماتے ہیں۔“  
”تم کچھ نہیں کرتے۔“

”کو تو رہا ہوں۔ غلط تو بہت گانا بھانا بھی آتا ہے۔“  
”بڑے عجیب جو۔ تمہارا نام کیا ہے۔“

”عمران۔ اور تمہارا۔“

”کلارا۔ کلارا ڈیوہرنگ۔“

”ہوں۔“

”یک بیک لڑکی اچھل پڑی۔ طولی سہکادی کے ساتھ اس کا ہاتھ دابنے بازو پر جا پڑا۔۔۔ چہرہ دلچسپ پڑی۔۔۔ بازو عمران کی طرف بڑھایا۔

”ارے باپ رے۔ عمران اور دونوں بولا۔ پھر گراموفن کی سوتی۔“

اس نے بدلت تمام وہ سوتی اس کے بازو سے نکالی۔۔۔ اب لڑکی کھڑی جھیم رہی تھی دھنسا دہا رہی ہوئی فرسش پر ڈھیر مڑ گئی اور چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔



عمران اس وقت کی طرح کھڑا کسی فرش پر گری ہوئی بیوی لڑکی کو دیکھتا اور کسی اپنے گرد اکٹھا ہوجانے والی بیڑ نظر آتا۔ گراموفن کی سوتی بھی چمکی میں دبی ہوئی تھی جسے بلا غراس نے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

اتنے میں وہ بوڑھا آدمی بھی نظر آیا جس کے ساتھ لڑکی کلب میں آئی تھی پہلے تو اس نے عمران کو تھراؤ اور نظروں سے دیکھا پھر لڑکی پر جھک گیا اسے ہلا کر آماج دنیا رہا۔  
نیکن ہاکامی پر تیغ برآں کی طرح عمران پر جھپٹ پڑا۔  
”یہ کیا ہوا اسے۔“ وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

”اجی۔ قبلہ۔۔۔۔۔ قسم لے لیجئے۔۔۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔۔۔ ہپ۔۔۔۔۔“  
اور یہ ہپ عادتاً نہیں ہوئی تھی بلکہ بوڑھے نے اس کے کوٹ کا کار پکڑ کر کھینچا

وہا تھا۔

”اجی حضرت۔۔۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔۔۔ اچھا واہ۔ عمران اس کی گلابی پکڑ کر کھینچا پٹانے کی کوشش کرتا ہوا پھر بھگایا۔

”ہرگز نہ چھوڑتا۔۔۔۔۔ اس کا کار۔۔۔۔۔ بہت دایمیت آدمی ہے۔“ جویلا نے پیچھے سے آواز دی۔

”جی۔“ عمران چند حیاٹے ہوئے الو کے سے انداز میں پڑ پڑ ملکیں جھپکاتا ہوا اس کی طرف مڑا۔

”آج ہی تو پتہ چلے گا۔“ جویلا نہریے لہجے میں بولی۔ اس طرف نگارنگو پر دوسروں نے یہی اندازہ لگایا ہو گا کہ عمران کوئی بہت ہی دایمیت آدمی ہے اتنا دایمیت کہ لڑکی اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتیں۔

”یہ بیہوش کیسے ہوئی؟“ بوڑھا اس کے کالر کو جھکادے کر بولا۔

”مم۔۔۔ میں بھی بوجھ رہا ہوں۔“

”پولیس۔ پولیس۔“ بوڑھا جمع کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ارے باپ رے۔“ عمران ہنٹوں پر زبان پھیر کر بھلا بھلا

بولیا اس کے پیچھے کھڑی زرد زور سے ہنس رہی تھی۔

”اسے کپٹیٹے۔ اسے کپٹیٹے۔“ بوڑھے نے عمران کی طرف بایاں ہاتھ اٹھا کر کہا

”میں پولیس کو فون کرنے جا رہا ہوں۔“

عمران نے سوچا کہ پھر بھینٹ میں چپس جائے گا تو کچھ معاملہ ایک مسافر تھے

کے آئینہ کی لٹکی کا ہسے اس لیے تعجب نہیں کر کیپٹن فیاض ہی کو آ پڑے۔ پولیس

والے مسافر تھے گام سن کر یقینی طور پر فیاض کے آفس کو مطلع کریں گے۔ یہ فیاض

کی انداز چمن سے خالی نہ ہوئی کیونکہ معاملہ لگاموفون کی ایک زہریلی سوئی گا۔ جس سے

ایک بار اور سابقہ پڑچکا غفادہ تو اس وقت یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ لٹکی کو فوری طور پر

ہسپتال پہنچایا جائے ورنہ جوتکتا ہے کہ مر ہی جائے۔

دفعۃً خشک اسی وقت جب عمران ہسپتال کی سڑک پر ہاتھ لگا کر جمع کسی نے

بوڑھے سے کہا۔ ”پہلے ہسپتال پہنچانے کی کوشش کیجئے۔“ پتہ نہیں کیا بات ہے؟

”جی۔ اور کیا۔۔۔۔۔ بالکل بالکل۔۔۔۔۔“ عمران نے سر ہلا کر تائید کی تو کیا

میں کہیں جھاگ جانا ہوں۔ بعد کو پولیس بھی آئی رہے گی؟

”اور کیا۔ اور کیا۔ کئی لوگ بیک وقت ہل پڑے۔

”نہیں نہیں۔ یہ جل دے کر نکل جائے گا،“ جویا نے اپنی ہنسی پر تباہ پانے

کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔ اچھا۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ اگر مر جائیں پارہ کر دیں تمہاری ٹوکھڑ کیا

اتنے میں میجر بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ پھر شروع ہوئی جھاگ دوڑ۔ کئی لوگ

کے لیے دوڑا اور کوئی تندرست قسم کی لڑکیوں کی خوشامد کرنے لگا کہ وہ بیہوش لڑکی

کو گاڑی تک پہنچا دیں۔

پھر کچھ دیر بعد عمران نے جویا کو اشارہ کیا کہ اب وہ وہاں نہ ٹھہرے۔۔۔ بات

ناید اس کی سمجھ میں آئی تھی اس لیے پولیس کے آنے سے پہلے ہی رڈ چھوڑ بیٹھی۔

عمران کے اندیشے غلط نہیں تھے۔ قریبی خٹانے کے لوگ اور کیپٹن فیاض ساتھ

ہی وہاں پہنچے۔

”یہی ہے؟“ کسی نے جمع سے عمران کی طرف اشارہ کیا۔ بوڑھا تو کسی کوتاہ

مقام بنا کر بیہوش لڑکی کے ساتھ جا چکا تھا۔

فیاض نے اسے چھڑا کھانے والے انداز میں دیکھا اور اپنے ساتھ آنے کا اشارہ

کرتا ہوا دوسری طرف مڑ گیا۔

میجر کے کمرے میں پینچکر اس نے میجر کو بھی اس انداز میں دیکھا جیسے وہاں اس

کی موجودگی ضروری نہ سمجھتا ہو۔

میجر چپ چاپ باہر نکل گیا۔

بیٹھ جاؤ۔“ فیاض بولا۔ اور عمران اس طرح بکھلایا جونا پنے لگا جیسے سمجھ

میں ہی نہ آ رہا ہو کہ کسی کرسی پر بیٹھے۔

”یہ کیا بیہوشیاں پھیلا رکھی ہیں تم نے؟“

”یار کیا بتاؤں۔ جس لڑکی پر بھی دوسرے ڈاکا ہوں گراموفون کی سوئی کی شکار ہو

جاتی ہے۔“

”کیا یہ بھی؟“ فیاض اچھل پڑا۔

عمران نے مغموم انداز میں سر کو جنبش دی۔

”لیکن۔ لیکن۔“ تم نے مجھے جوسوئی دی تھی۔ اس میں تو کوئی خاص بات نہیں

تھی۔ معمولی قسم کی گراموفون کی سوئی ہر قسم کی آؤدگیوں سے متبرک۔“

”اب یہ بھی لے جاؤ۔“ عمران نے جیب سے سوئی نکال کر میز پر رکھ دی اور بولا: ”میرا خیال ہے کہ ان کی دھوکے پر ایسا زہر لگایا جاتا ہے کہ بوخون میں فوراً ہی تحلیل ہو جاتا ہے اور سوئی پر اپنا داغ نہیں چھوڑتا۔“

”بھیر۔؟“ فیاض نے آنکھیں نکالیں۔!

”کہو تو اس سوئی کو زہر میں ڈالو اور؟“ عمران نے بڑی جنگبازی سے کہا  
”کہو اس مت کرو۔ یہ بتاؤ کہ ڈوسرنگ کی لڑکی سے کیوں جا ٹکرائے۔“

”کس کی لڑکی؟“ عمران نے غرض وہ اعلان میں پوچھا۔

”کرنل ڈوسرنگ۔“

”ارے باپ دے۔“ عمران اچھل پڑا۔

”کیوں؟ کیوں؟“ فیاض مسکایا۔

”اے مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا جنگبازی نام رکھنے والے کسی باپ کی بیٹی ہے۔“

”کرنل ڈوسرنگ کو جانتے ہو؟“

”نہیں۔“

”ہوں۔“ فیاض کسی سوچ میں گر ہو گیا۔ پھر حقوڑی دیر بعد نرم لہجے میں بولا۔ ”یاد

بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔ یہ چھکن بھائی کی خودکشی۔“

”یہ چھکن بھائی کس وقت کہاں سے آکر دے۔ بے چارے مجھے اور بند کر دو۔“

”کیونکہ میرے ساتھ یہ ہوش ہو جانے والی یہ دوسری لڑکی ہے۔“

”کچھ دیر خاموش بھی رہا کرو۔“

”تسلی منگو لوں؟“ عمران نے بڑے پیار سے پوچھا۔

”مذاق چھوڑو۔ کام کی بات کرو۔“

”مگر پیار سے جانتے ہو۔ اس لڑکی کے ساتھ کون تھا؟“

”کون تھا؟“

”سر سلطان کا کیا اسٹیوٹ۔“

”کیا؟“ فیاض اچھل پڑا۔

”جی ہاں۔ مگر میرے لیے یہ نئی دریافت ہے۔ پتہ نہیں سر سلطان نے پٹری کیوں

بدل دی۔“

”کیا مطلب؟“

”مونا ظہر دار تم کی لڑکیاں رکھا کرتے تھے۔ اب یہ بڑھا کھوٹ۔“

فیاض صرف مسکرا کر رہ گیا۔

”ہاں تم کیا کہہ رہے تھے۔“

”ڈوسرنگ کے خلاف شبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے ملک کے لیے جاسوسی کرتا ہے۔“

”ہوں تو بھیر۔“

”کہو اس ذکر کرو۔ کیا تم جانتے نہیں۔ اگر نہیں جانتے تو چھکن بھائی کے سلسلے میں

انہی فیصلہ کیوں چھایا تھا؟“

”اچھا بھلو۔ جانتا ہوں بھیر۔!“

”مجھے یقین ہے کہ چھکن بھائی اس لڑکی کے توسط سے کرنل ڈوسرنگ تک پہنچنے

تھے اور اس نے انہیں اپنے چکر میں پھنسا لیا تھا۔“

”ہوں تو بھیر۔“

”لیکن اب یہ گراموفون کی سوسیاں۔“

”اور اس نالائقی نے تو تم قبول گئے۔“ عمران نے غصیل لہجے میں کہا

”کچھ سمجھیں نہیں آتا۔ یہ ڈاکٹر دھارم بھی مجھے خراڈ معلوم ہوتا ہے۔“

”کیوں؟“ عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس کی دعا گوئی۔ اور لوگوں کی کامیابیاں۔ چھکن بھائی کی خودکشی، گراموفون

کی دوسریاں۔ ایک اس کی سیکرٹری کے بازو میں انٹرکسی اور دوسری گلا کے بازو میں



ڈاکٹر دعا کو کسی بلے نے زخمی کر دیا۔ تینوں پر ہی بیہوشی کا حملہ ہوا۔

”ہوں۔ تو شاید تم یہ سوچ رہے ہو کہ ڈوہ رنگ کے علاوہ بھی کوئی آدمی ہے جو ان کے مثل قتل میں عارِ بونا چاہتا ہے۔“

”کچھ سوچوں اس کے علاوہ۔“ فیاض نے کہا غٹوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔

”تم بتاؤ۔ یہ تباہی سول ہسپتال میں کیا ہوا تھا؟“

”تم بتاؤ۔ تم نے ہی شاید غارت کرنے والے کو دیکھا تھا اور اس کے پیچھے بھی تھے۔ مجھے تو کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔“

”نکل گیا۔ لیکن میں تو سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں ہی کوئی آدمی تھا جسے موقع ملا کہ یہ تم نے مجھے گرایا تھا۔“

”میں نے گرایا تھا۔ عمران نے حیرت سے انکھیں پھاڑ کر کہا۔“

”خیر ما دو گولی۔ وہاں گھاس پر اندر ہی چار پانچ کار باریا اور ملا تھا اور نوں دھبے تھے گھاس پر۔ ریلوے کے دستے پر نشانہ نہیں ملے۔“

”عمران غٹوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔“

”کوئی کسی کی تاک میں تھا۔ اس نے اس پر ریلوے لگا لائین کوئی اس کی تاک میں تھا جس نے ہاتھ پر فائر کر کے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔“

”اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے لیکن آخر اس نے کس کے لیے ریلوے ہوگا؟“

”خدا جانے!“ عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”فیاض جو اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا مسکرا کر بولا۔“

”کی مطلب؟“

”تم اس واقعہ کے متعلق بھی کچھ نہ جانتے ہو۔“

”ریلوے والے کے متعلق۔“ عمران نے پوچھا اور فیاض نے سر ہلا دیا۔

”میں جھلا کیا جانوں گا اس کے متعلق۔“

”جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔“

”کیا نام نہ۔“ جم دو دن بعد بے مشرم اور بے سیاق و سباق ہوتے ہیں چار پانچ کار باریا اور

بھاری لگا لگا کر کے گا۔“

”تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ ہمارے لیے تھا۔“ فیاض نے پوچھا

”زرا ہا جو تب بھی کیا فرق پڑتا ہے۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا

”فیاض کے چہرے پر سرسبکی کے آثار نظر آئے لیکن وہ خود کو سنبھالے رکھنے

کی کوشش کرنے لگا۔ عمران نے محسوس کیا مگر کچھ بولا نہیں۔

”ہوں تو اب کیا ارادہ ہے۔“ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

”میں سر سلطان کے اسٹینو سے متعلق سوچ رہا ہوں۔“ فیاض چونک کر بولا۔

”ابن ابی نوحہ ما در نما کے متعلق سوچو! اس بیچارے کے متعلق سوچ کر کیا کرو گے۔“

”فیاض جھجھلا کر کہنے لگا۔“

”وہاں تھا کہ سر سلطان کا اسٹینو آندھی اور طوفان کی طرح

میں داخل ہوا۔“

”یہی ہے۔ یہی ہے۔“ وہ جھلائے ہوئے انداز میں چنچا۔

”کیا بات ہے۔“ اب اس طرح کیوں گھس آئے۔“ فیاض غرابا۔

”وہ فیاض کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ پھر متوجہ ہونے کے لیے انداز میں بولا۔“

”کلاس کی بات کر رہے ہیں۔“

”وہ اس آدمی کے ساتھ ناچ رہی تھی۔“

”اور اب انہیں بچاتی پھر رہی ہے اس بڑھاپے میں۔“ عمران نے سر ہلا کر بڑی

www.allurdu.com

” شٹ آپ :- بوڑھا خلق کے بل چنچا ۔

”آپ مجھے نہیں جانتے!“ بوڑھے نے کسی قدر نرمی اختیار کرتے ہوئے کہا۔  
 ”لیکن میں آپ کو پہچانتا ہوں۔ میں مرسلطان کا اسٹیو ہوں۔“  
 ”تو سچ ہے؟“ فیاض نے مرعوب ہوئے بغیر کہا۔ ”شائد یہ چیز بوڑھے کے لیے بڑے  
 متوقع تھی اس لیے بغلیں جھانکنے لگا۔“

”آپ یہاں کس لیے آئے ہیں“ اس نے سنبھال لے کر کہا لیکن تیز دھڑکے پر  
 ”آپ کہاں کی ہانگر رہے ہیں حضرت؟“ آپ کوں جوتے میں لو پڑے دل  
 اور آپ کا اس معاملے سے کیا تعلق؟“  
 ”وہ دھڑکی میسرے ساتھ تھی۔“

”اچھا تو آپ ہی اس کی سیڑھوں کی دھرتیاؤں اور یہ بھی بتائیے کہ وہ کس طرح میں  
”م۔ میں کیا بتاؤں؟ اس نے حوران کی طرف دیکھ کر کہا ”یہی بتائے گا۔“  
”مسعود کی دال ملک بنک ٹھونس لی ہوگی؟ حوران نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا  
”یاقین کو یہ بات نہ بتی گئی۔“

”آپ... آپ حوصلہ افزائی کر رہے ہیں اس نالائق کی“  
 ”میں ہی نہیں۔ مہر سلطان بھی کرتے ہیں خود ہی پوچھ لیجئے گا ان سے“

”آپ میرا شکندہ اڑا رہے ہیں!“ وہ میز پر گھومنا مایوس ہو کر بیٹھا۔  
 ”اُف فوہ!“ بایومیز پر ٹوڑ ڈالنے، خود ہی جواوٹ کے سحر پر بیٹھ کر ڈالنے لگا۔  
 ہیں اور خود ہی ناؤ بھی دکھاتے ہیں۔ اللہ کی قدرت! عمران نے کہا۔

”میں تنہا علیہ بگاڑ دوں گا۔ وہ عمران کے چہرے کے قریب گھونسا ملا کر کہا۔  
 ”جیسے ہی گلن ساٹھا اچھا بخشا۔ عمران نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔  
 ”میں دیکھوں گا۔ تجھ کو دیکھوں گا۔ وہ فیض کی طرف دیکھ کر سٹاٹا ہوا  
 لا۔ ”میں اب ڈی آئی کی کوفن کروں گا۔“

”بیٹھ جائیے“ فیض نے میز پر آنکھ مار کر حکماً دلیجے میں کہا۔  
 ”کیا مطلب؟“ بوڑھا بھی غرایا۔

”میں اس سلسلے میں آپ کا تحریری بیان چاہتا ہوں“  
 ”میں نے کب انکار کیا ہے؟“ وہ پھر چلایا۔ اور عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔  
 ”لیکن یہ!“

”یہ میرے شکم کے ڈاکٹر کٹر جنرل کے صاحبزادے ہیں۔“ فیاض نے کہا۔ سر سلطان سے بھی ان کی گاڑی چپتی ہے۔  
 ”تت۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ ۵۵۔۔۔۔۔ عمران۔۔۔۔۔“ بوڑھا آنکھیں پھاڑ کر  
 بکلا نے لگا۔

”سچی ہاں۔“

بوڑھا دم سے کرسی پر بیٹھ گیا۔  
 عمران جس پوزیشن میں پہلے بیٹھا ہوا تھا اسی میں رہا۔ البتہ اب چہرے پر حقاقتوں  
 کے ڈونگرے بولنے لگے تھے۔

”یہ حضرت ناپاں رہتے تھے اس کے ساتھ بڑے نے کچھ دلیہ دیا پختہ ہوئے کہا  
”مجھے علم ہو چکا ہے اور بیہوشی کی وجہ انہیں بھی نہیں معلوم۔“ فیض نے کہا۔  
”پتہ نہیں کیا برا۔ کچھ سچ بھی نہیں کہتا۔“

پھر فریضی نے اس کا بیان کھوکھلا کر اس کے دستخط لینے اور اسے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ پھر کراں سے بولا: ”یاد سمجھو! تمہاری آتما کا آخر یہ لڑکی کیا کرتی پھر وی سے؟“

”نی احوال تو کئی آدمیوں کو ایک وقت برد کرنے کا مشغلہ اختیار کر لیا ہے۔“  
 ”کی مطلب۔“

”اب یہی دیکھو کہ یہ حضرت نہ صرف خود بول رہے ہیں بلکہ دوسروں پر بھی کھنڈیاں  
”میں کہتا ہوں۔۔۔ یہ لڑکی۔ ادھر چھپن بھائی پر بھی نظر عنایت ہوئی تھی اس کی  
”سنو ڈارلنگ فیاض۔ سارے سانی کے لیے کوئی مولوی صاحب پیچھے نہیں لگائے  
جاتے۔ یہ طرہ دار لڑکیاں ہی اس قسم کے فرائض انجام دیتی ہیں۔“  
”ٹھیک ہے۔ فیاض خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ کھلے پھر بڑے زور و شور کے ساتھ کھلا ادا  
بلڈاگ ٹائپ کا ایک سفید نام غیر ملکی اندر گھس گیا۔ عمر بچا اس کے قریب رہی ہوگی  
بہرہ و بھاری اور بارگب تھا ہاتھ بتا رہے تھے کہ جانشی کا عادی ہے۔

”ہو کیٹھن۔“ اس نے فیاض کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا چہ تھے  
یہاں۔“

”کلا راکو کیا ہوا۔ اسی نے یہاں سے مجھے فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ رقص کے  
دوران میں ہیپریش ہوگئی ہے۔“

”اور اب اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ کسی نے دروازے کے قریب سے کہا  
وہ جو کمک کر مڑے سر سلطان کا اینٹو دباں کھڑا عمران کو گھورے جارہا تھا۔

”یہی ناچ رہا تھا اس کے ساتھ!“ اس نے غصیل بھے میں کہا۔ ”یہی بتائے گا۔  
ہاں اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ میں اسے سول ہسپتال میں داخل کرا آیا ہوں۔“

”نودار وغیرہ مل کر اگر عمران پر چھٹا ادا اس کے کوٹ کے کالر کو پکڑ کر کھینچا دیتا ہوا ہلاکت  
”بتاتا ہوں۔“ عمران بھی اٹھتا ہوا بولا۔ آہستہ سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

جس سے کوٹ کا کالر کھینچ رہا تھا اور اچانک اس کے جھڑے پر ایک زوردار گھونٹ  
رہید کر دیا۔ اٹھنے کا انداز ایسا نہیں تھا کہ غیر ملکی کو اس کا خدشہ ہوتا۔ بے خبری  
میں ہاتھ پڑا عمران کا کالر بھی چھوڑ دیا اور دل کھڑا ہوا دروازے سے جا بھاگتا۔

پھر وہ سنبھلے ہی نہ پایا تھا کہ فیاض درمیان میں آگیا۔

”ہرٹ جاؤ۔ کیٹھن۔ تم ہٹ جاؤ۔“ وہ اسے سامنے سے ہٹانے کی کوشش  
کرتا ہوا بولا۔

عمران اب پھر اطمینان سے کرسی پر بیٹھ گیا تھا، صورت سے ایسا معلوم ہو رہا  
تھا کہ جیسے کوئی کثیر العیال بیوہ اپنے کسی بچے کی پٹائی کے بیٹھی ہو۔

فیاض اس غیر ملکی کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش بھی کرتا رہا اور دونوں کے درمیان  
مائل بھی رہا۔

”یہ ہے کون۔“ اس نے گنگ کر فیاض سے پوچھا۔

”میرا ایک دوست۔ فیاض جلدی سے بولا۔ کلا راسے آج ہی ملاقات ہوئی  
تھی۔۔۔“ یہ پہلی بار تھا کہ وہ کیسے ہیورش ہوئی۔ اسے آپ میرے ٹکے کے

ڈاکٹر جنرل رحمان کو نہیں جانتے۔“

”جانتا ہوں۔“ اس نے غصیل بھے میں کہا۔

”یہ انہیں کالو کا ہے۔“

”مستر رحمان کا؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں کرنل۔“

”اؤہ۔“ مجھے افسوس ہے۔“ اس نے سامنے سے۔“

”فیاض ان کے درمیان سے ہٹ گیا۔“

”لڑکے مجھے سے ملے۔ میں کرنل ڈومرنگ ہوں۔ کلا راکا پاپائے اس نے گھر کو

عمران کی طرف ہٹتے ہوئے کہا۔



”اے باپ دے،“ عمران آندو میں کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ پھر انگریزی میں بولا۔  
”مم... معافی چاہتا ہوں۔ ڈیڑھ ماہ۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔“  
اب وہ دونوں ہاتھوں سے منہ پیٹ رہا تھا۔ پھر شاید کان پر کڑکراٹھے  
دیکھنے کا ارادہ ظاہر کر ہی رہا تھا کہ فیاض اسے کرسی کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ بیٹھو  
بیٹھو۔ کنٹرل اسپورٹ مین ہیں۔“

بوڑھا نقشہ بدلتا دیکھتا کہ مایوس سا نظر آنے لگا۔ فیاض نے اس کی طرف  
ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”آپ کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔ اور کنٹرل ڈویژن سے بولا بیٹھے کنٹرل  
کنٹرل جو تحسین امیر نظروں سے عمران کا جائزہ لے رہا تھا کچھ دیر بعد اس کا کاہنا  
خچہ پتا کر بولا۔ ”تم بہت اچھے رہے۔ اے وہ ہاتھ کسی پیش رو کا ہاڑ کا معلوم  
ہوا تھا مجھے... کس سے سیکھا۔“

”سب اللہ سکھا دیتا ہے۔“ عمران شرماتا کر بولا۔  
کنٹرل بننے لگا پھر اس نے فیاض سے مخاطب ہو کر کھاراکا بات چیت دی اور  
فیاض جلدی سے بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ آپ تو سول ہسپتال ہی مابین۔“  
”او۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ اچھا! ڈویژن ہرگز اٹھتا ہوا بولا۔ لڑکے  
کبھی ہمارے گھر بھی آؤ۔ بڑی خوشی ہوگی۔“  
”ضرور... ضرور...“ عمران سر ہلا کر بولا۔

ڈویژنک دونوں سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد  
فیاض کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سر سلطان کا اسٹینو پھر گھس آیا۔ اور فیاض کو گھونسا  
دکھا کر بولا۔ ”میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ تم نے میری بڑی توہین کی ہے۔“  
”اے بیٹے بڑھا تو جان کو آگیا ہے۔“ عمران نے فیاض سے کہا۔  
فیاض نے کچھ کہنے سے قبل ہی بوڑھا وہاں سے چلا گیا۔  
”میں خود سوچ رہا ہوں کہ آخر یہ بڑے میاں کس

”چلتی مٹی سے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔  
کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ اس کے بعد فیاض نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔  
”تم یہودہ ہو۔“ بیٹھے بیٹھے اس طرح ہاتھ چھوڑ دینے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ  
کسی ارنے بیٹھنے کی طرح اڑبیل قلم کا لڑکا ہے۔“  
”تم خواہ مخواہ دخل دے بیٹھے تھے۔“ مجرباؤں کے آباؤں کی پٹائی گزنا میری بولی  
ہے۔“

”جو اس مت کرؤ،“ دخل نہ دینا تو معلوم ہوتی قدر وعافیت ہے۔  
عمران نے لاپرواہی سے شالوں کو جنبش دی۔

پھر انہوں نے گراموفن کی سوئیں کا تذکرہ چھیڑ دیا۔  
”وہ تیسرا کون ہو سکتا ہے۔“ فیاض کچھ سوچتا ہوا جڑ پڑایا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ اسنے میں دردناک پھر زور سے کھلا اور جولی نافشر وائر غصے  
میں جھرتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ عمران کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔  
”لاؤ نکالا میرا پرس!“ وہ فیاض کو نظر انداز کر کے عزائی  
”مم... ہپ۔“ عمران بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”نکالو۔“ وہ ہاتھ بڑھا کر عزائی  
”آپ کی تعریف!“ فیاض مسکرایا

”میری تیسری خلا ہیں۔“ عمران نے اردو میں کہا لیکن اتنی اردو تو جولی سمجھ ہی  
تھی۔ دانت پیچتی ہوئی بولی۔ ”بہت بری طرح پیش آؤں گی۔“  
”بہت بات کیا ہے۔“

”آپ نے میرے ڈیڑھ بیگ سے پرس نکال لیا ہے۔“  
فیاض ہنس پڑا۔

”جب کہتے ہو،“ جولی بڑے غصے میں تھی۔

”اور کچھ ہے“

”لاؤ۔ میں کہتی ہوں چپ چاپ میرا پس واپس کر دو۔“

”کہیں دھم ہوا ہے آئی۔“

جولیا نے آگے بڑھ کر میز سے رول اٹھالیا۔

”یہ معاملہ رالٹا ہے۔“ عمران متفکرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ ”محبوبہ کے آبا جاجان سے تو بعد میں معافی مانگ لی تھی۔“

”جناؤ کیپٹن اب کیا کروں۔“

”بات کیا ہے۔“ فیاض نے پوچھا۔

”اس سورت میں میرے ونٹیج ایک سے میرا پس اٹالیا تھا تین سو بارہ روپیے تھے۔“

اس میں۔“

”یہ تو بہت بُری بات ہے۔“ فیاض نے متفکرانہ چہرے میں کہا پھر جولیا سے بولا۔

”آپ بڑی بے تکلفی سے یہ رول استعمال کر سکتی ہیں۔“ کہنے تو ہیں باہر ملا جلاں۔“

”نہیں آپ بھی تشریف رکھئے۔“ جولیا نے قبیلے جیسے میں کہا۔

”خوشی دیکھ خاموشی رہی پھر جولیا بولی۔“ سچ کہتی ہوں سر بھاڑ دوں گی۔“

”آپ خواہ مخواہ اپنے الفاظ ضائع کر رہی ہیں۔“ محترمہ۔“ فیاض ہنس کر بولا۔

”جو کچھ کرنا ہے کر گزریئے۔“

جولیا اسے بھی غصیلی نظروں سے گھورنے لگی۔ پھر وہ بھی بیٹھ گئی۔

عمران کے انداز سے بے تکلفی ظاہر ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جولیا

اس سے غم دکھانے کی فرمائش کرتی رہی ہو۔

کافی دیر وہ خاموش بیٹھے رہے پھر عمران بولا۔ ”اب ناپسنے کی کیا رہی؟“

”برگز نہیں۔“

”کیا قصہ ہے بھئی۔“ فیاض رشتہ ختمی ہوا جا رہا تھا اور عمران سوچ رہا تھا کہ فیاض

جولیا سے پہلے بھی کسی مل چکا ہے یا نہیں۔ اس سے متاثر ہو کر فیاض نے کہا۔

موجودگی ہی میں پڑھ دوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

”قصہ بے قصہ ہے۔ اس لیے کہیں کوئی کچھ نہ ہوئی چاہیئے۔“ عمران نے

شک جیسے میں کہا۔

”میں کہتی ہوں۔۔۔۔۔“

”محبوبہ۔“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”جو سکتا ہے۔۔۔۔۔ مگر اسی صورت میں

جب کھانے کا بل فنی فنی ہو جائے۔“

”ذیل ہوتم۔“ جولیا دو ہانسی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ ”جلو یہی سی۔“

عمران نے حجب سے پرس نکالا۔ اور اس میں سے دس دس کے کئی نوٹ کھینچ

حجب میں ڈال دیے پرس جولیا کی طرف پھینکا اور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ٹھٹھا۔“

جولیا انگریزی میں اسے گالیاں دیتی ہوئی اٹھ گئی۔

”جب وہ چلی گئی تو فیاض نے عمران سے کہا۔ ”کوئی تھی۔“ میرا خیال ہے کہ میں

”یہی اسے کہیں دیکھ چکا ہوں۔“

”یاد کرنے کی خوشحالی کرتے ہو کہ کہاں دیکھا تھا۔“ عمران اٹھا ہوا بولا۔

”میتھو بیٹے۔ اتنی جلدی کہاں بھیجا چھوڑتا ہے۔“ کبیرا تحریری بیان تو ابھی ہوا

”نہیں۔“

”مجھ سے لکھواؤ گے؟“ عمران نے آنکھیں نکالی۔

”اس قسم کی لکھو گے۔“

عمران دھم سے کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ ”خوشی دیکھ کہ کچھ سوچنا رہا پھر معذور

”میں بولا۔“ میں نے آج تک آرٹسٹ قسم کی لڑکیوں کو خط لکھنے کے علاوہ

”نہیں لکھا۔“

”میں لکھ دیتے ہوں لڑکیوں کو خط۔“

”میں نے نہیں کہہ دیا کہ وہ ضرورت تھی۔“





”چلو“ وہ غصیلے لیے میں بولی۔

کیسے نہ رسا کا زیادہ دور نہیں تھا۔ دونوں نگران اب بھی اس پاس ہی موجود تھے  
کیسے میں پہنچ کر نگران نے غصیلے کیس کا رخ کیا۔

”نہیں۔ ہاں میں ہی بیٹھیں گے“ جو بیان تھا

”وہاں کھا تھوڑا سی جاذب کا تھیں۔ اتنی ڈر لوں کب سے ہو گئیں“

”چلو“ وہ دانت پیس کر بولی۔

کیسے میں پہنچ کر اس نے ایک کرسی سجھاتے ہوئے پوچھا۔ ”اب کیا ہے“

”تھوڑی سی رس ملائی بھی کھاؤ“ نگران لگھلگایا

”میں نہیں کھاؤں گی!“

”ہاتھ ہڑتا ہوں“ نگران ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا پھر حیب میں ہاتھ ڈال کر اس کے

روپے نکالتا ہوا بولا۔ ”یہ لو۔ گن لینا اچھی طرح۔ میں کوئی بچہ ہی تھوڑا ہی...“

بس اکثر جی چاہتا ہے کہ شہر بھر کی خال خالوں کو چھیڑنا چھوڑ۔!“

”بکواس بند کرو۔ درخت چھپتا مار دوں گی“

”رس ملائی کھانے کے بعد... خالص دبی دیش... سوئیٹر ولیٹیڈ ہیں

بننے لگے تو لوگ گھٹیاں بنانا چھوڑ دیں“

”اچھا منگواد“ وہ غصیلے لیے میں بولی۔

”میں ابھی آیا“ نگران نے کہا اور جھپٹ کر باہر نکل آیا۔ دیش سے آہستہ آہستہ

کچھ ہاتھیں کہیں۔ اور پھر واپس مڑ گیا۔ کیسے نہ رسا کا بھی ان مخصوص جگہوں میں سا تھا

جہاں نگران کی دال خاصی گنتی تھی۔ دو تین دیش مستقل طور پر بکریٹ مردوں کے لیے

کام کرتے تھے اس کا مگر نگران کے دوسرے ماتحتوں کو نہیں تھا۔

وہ پھر کیس میں واپس آ گیا۔ جو بیان سے باہر جانے کی دہر پوچھی اور وہ ہکلائے

بھڑکلا۔ ”ادھا بچتا ہے یہاں پر۔“

کچھ دیر بعد ویشراک ٹرے میں دو پلیٹ رس ملائی لایا۔ نگران نے ایک پلیٹ

بریا کی طرت بڑھا لی۔

”یہ کیا ہے“ وہ جھک کر اسے دیکھتی ہوئی بولی۔

”رس ملائی“ نگران نے دانت پر دانت جھکا کر کہا۔

جو بیان نے تھوڑی سی جھکی۔ شاید لذت محسوس کرتی رہی پھر ذرا بڑا کھڑا کھانا اور

نہیں رکھتی ہوئی بولی۔ ”دقی خوش ذائقہ ہے“

”اور کھاؤ۔ مزہ آجائے گا۔“ نگران بچوں کی طرح غولش ہو کر بولا۔

جو بیان مزے لے لے کر کھا کر رہی اور تعریف کرتی رہی۔

”دیے مجھے حیرت ضرور ہے۔“ نگران بولا۔ ”اتن کھا چکنے کے بعد یہ رس

دالی حلق سے کیسے اتر رہی ہے۔“

”ارے یہ کوئی غذا تھوڑی ہی ہے۔“ جو بیان نے بڑے خلوص سے کہا۔ ”ہلکی پھلکی چیز...“

”تو ابھی ایک پلیٹ اور کھا سکتی ہوں۔“

”مگواؤں۔“

”ہاں۔ ہاں۔ ضرور۔!“

نگران کی آنکھوں میں شرارت آمیز تھک تھی۔ جو بیان نے چھپر خالی پلیٹ میں ڈالتے

کھانا بغیر پھر ہی اب اس وقت کون کھائے۔“

”اچھا۔ یہ بتاؤ... تم نے مجھے معاف کر دیا۔ یا نہیں۔“

”بالکل... بالکل!“ جو بیان ہنس پڑی۔ ”کیسے اس کی پکلیں جھکی پڑ رہی تھیں۔“

”ابو۔“ وہ جھانی بیٹے وقت منہ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”کس غصیلے کی نیند آ رہی ہے

... ارے... یہ کیا۔ یہ اسلر ہو چکا ہے... میا اسلر۔ تو... یہ۔ یہ کیا۔“

اس نے اٹھنا چاہا.... لیکن نہ اٹھ سکی۔ گردن کسی کی پشت پر ڈھک گئی تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔  
 عمران نے میز کے پاٹے سے نگے ہٹے پس سوچ پیا انگلی رکھ دی۔ کہیں بزرگی مدد نہ آئی۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ ویٹر داخل ہوا۔  
 ”لاؤ۔“ عمران نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔  
 ویٹر نے حیب سے ایک نل کھٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔  
 ”اب جاؤ۔ حیب میں سے چلا جاؤں تو اسے اس کے گھر پہنچا دینا۔ گھ جانتے ہو نہاں۔“

”جی ہاں“ ویٹر نے بڑے ادب سے کہا اور باہر نکل گیا۔  
 عمران نے جو لیا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے پیٹے ملائے لیے انہیں پر نظر ڈالی اور سیٹی بجانے سے انداز میں ہونٹ سکڑ کر موت شروع کر دی۔  
 جلد ہی وہ دونوں ہاتھوں کے ماتحت تراش دینے میں کامیاب ہو گیا۔ جو لیا نے دوران خفیت سی بھی حرکت نہیں کی تھی۔

ماتحت تراش کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ تپوں کی حیب میں ہاتھ ڈالے کھڑچندے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر کہیں سے نکل کر پڑھ لایا کر دیا۔  
 اب وہ بڑے اطمینان سے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

فٹ ہاتھ پر پھیر کر ہو گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ ایک جانب چلنے لگا اسے معلوم کراس سکودوں ماتحت اس وقت بھی خاصی چوکسی سے ساتھ اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ دفعتاً کسی نے اس کے شانے پر زور سے ہاتھ مارا۔ عمران جھنجھلا کر پٹ۔ اس بار اس کے کوٹ کا کارڈ سر سلطان کے بوڑھے میٹو کی گرفت میں تھا۔ عمران کے میزوں پر ایک معنی خیز میسکسٹ پھیل گئی۔ !



وہ عمران کا کارڈ تھا۔ اور سختی سے ہونٹ پیچنے اسے کڑے تیوروں سے گھومتا رہا۔ عمران کی مسکسٹ اور وسیع ہو گئی۔

”اب کیا ہے انکل ڈیئر“ اس نے پوچھا۔ کب بچھا چھوٹے گھ“ اسے  
 ”خیر ت چاہتے ہو تو۔ میرے ساتھ ٹپ ٹپ میں واپس ہو۔“  
 ”چلو۔“ عمران نے لاپرواہی سے شانے سکڑے اور ڈیسے چھوڑ دیئے۔  
 بوڑھے نے کارڈ چھوڑ دیا تھا اور اب خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔  
 عمران نے کسی بارنگھیدوں سے اسے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ویسے اس کی آنکھوں میں کئی سوال چل رہے تھے۔

وہ پھر ٹپ ٹپ نائٹ کلب کی عمارت میں داخل ہوئے اور بال روم کی طرف بڑھتے گئے۔ یہاں اب بھی قفس ہو رہا تھا۔

”اب لکھاؤ“ بوڑھے نے رقاصوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اب کسی کے ساتھ ناپچ کر کھاؤ۔“

”آپ بہت پریشان معلوم ہوتے ہیں۔ انکل۔۔۔ آئیے گیلری میں بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں۔“

”تم سے بیٹھنے کے بعد سپرٹنڈنٹ کے پچھے سے بھی سمجھ لوں گا۔ جس نے کنٹرل کے سامنے میری توہین کی تھی۔“

”آپ آئیے تو ہی۔“ عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر گیلری کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔ ہلکا اس طرح چل رہا تھا جیسے زبردستی لے جایا جا رہا ہو۔

ایک خالی میز پر وہ بیٹھ گیا۔ حالانکہ اس پر بڑے ہونٹے کارڈ پر ”ریڈروٹ“

لکھا ہوا تھا۔

”بوڑھے نے اس پر نظر ڈالی اور اٹھتا ہوا بولا: ”کیا اب جو تھے بھی کھلاؤ گے؟“  
 ”بیٹھے۔ بیٹھے۔ اس وقت کوئی میز خالی نہ لگے کی سب کوئی آگے اٹھ جائیں گے“  
 ”اگر کوئی دیشتر اعتراض کر بیٹھا تو۔“

”مسب بچتے تھے۔ بیٹھے۔ اور تباہی عظمیٰ کی وجہ۔“

”میں نے خون پرا بھی صاحب سے گفتگو کی تھی۔ وہ تمہیں جانتے ہیں انہوں نے  
 کہا ہے کہ اگر کسی دشواری میں پھنس گیا ہوں۔ تو تم سے ضرور مدد لوں۔“  
 ”بالکل ٹھیک کہا انہوں نے اب فرمائیے۔“  
 ”راکی کیسے بہوش ہوئی تھی۔“

”میرا خیال ہے کہ اس پر بہوشی کے دوسرے پڑتے ہیں۔“ عمران نے کہا۔  
 بوڑھا کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا: ”دیکھو! میں بڑی ابھن میں ہوں۔ مجھے ایسا  
 محسوس ہو رہا ہے جیسے میرا تعلق کیا جا رہا ہے۔“  
 ”کب سے یہ کیفیت ہوئی ہے۔“

”کیا بتاؤں۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر میز پر کنبیاں لٹکاتا ہوا بولا: ”جب سے  
 اس لڑکی سے ملاقات ہوئی ہے۔“  
 ”ملاقات کب ہوئی تھی۔“

”ڈیڑھ ماہ پہلے کی بات ہے! خود ہی مل بیٹھی تھی۔“ امین تو سب بھی نہیں سکتا تھا  
 میری عمر دیکھ ہی رہے تھے۔ تو خود ہی مضحکہ اڑا رہے تھے۔ لیکن غراہش تو اس عمر  
 میں بھی خفا نہیں ہوتی۔ اگر کوئی لڑکی خود بخود تہنمائی طرّف کیجئے آئے تو کیا کر دے۔  
 وہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسا۔ پھر خاموش ہو کر کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا  
 ”اے وہ فرشتے ہی تو تھے۔ ہاروت ماردت جو عمران کی زہرہ کے چکر میں پھنس کر وہ

گئے تھے۔ ایک دن اللہ میاں سے ان فرشتوں نے کہا آخر یہ آدمی کیسی مخلوق ہے۔۔۔  
 کتنی گندگ پھیلا رکھی ہے اس نے زمین پر۔ ایک ہر فرشتے میں! درگاہ خداوندی سے  
 ارشاد ہوا۔ اگر تمہیں وہ چیز عطا کر دی جائے۔ جو آدمی کو دی گئی ہے تو تم بھی دیے ہی  
 جاؤ گے۔ فرشتوں نے کہا تو جو ہمارے امتحان۔ لہذا وہ چیز فرشتوں کو عطا کر دی گئی اور  
 وہ زمین پر آئے۔ یونان کی زہرہ پر نظر پڑی۔ دیوانے ہو گئے۔ ڈور سے ڈالے اس پر  
 اور وہ حرکت سرزد ہی ہو گئی۔ جس کے لیے آدمی ان کی نظروں میں غماز تھا۔ پھر مرزا  
 کے طور پر چاہ بابل میں انہیں قید کر دیا گیا۔  
 ”ہوں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ اچھا تو پھر کل شام کو صدر میں وہ کوئی فرشتہ ہی تھا۔  
 ”فرشتہ۔ ایک مطلب ہے۔“

”کل کو طور پر دوڑے چوراہے پر کھڑا سگسل ٹھنے کا منتظر تھا۔ پاس ہی ایک بڑے  
 میاں محمود دتے سرخ ڈاڑھی والے۔ اتنے میں قریب سے گدا ز بدن والی ایک  
 ٹیڈی گلابی۔ بڑے میاں نے زبان ہونٹوں پر بھیری۔ اور ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا۔  
 اور اس طرح منہ چلائے لگے جیسے۔۔۔ جیسے۔۔۔ ارے باپ ہے۔ عمران  
 خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ پھر بڑے بھولے پن سے پوچھا۔ فرشتہ ہی ہو گا کوئی۔۔۔ کیوں؟  
 ”بہت مؤثر ہو تم۔“ بوڑھا انگلی پکڑ کر ہنسنے لگا۔  
 عمران سعادت مند! انداز میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔

”اُوہ۔ تم نے کہاں کی باتیں چھیڑ دیں۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ خود ہی مجھ  
 سے مل تھی۔ اب کہتی ہے کہ مجھے زہراؤں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں کسی بوڑھے ہی سے  
 شادی کروں گی۔“

”واقعی؟“ عمران چونک کر بولا۔ تب تو بڑی اچھی بات ہے۔  
 ”میرا مذاق ڈانڈاؤ۔ سنجیدگی سے سنو۔“



”سن رہا ہوں“

”وہ خود ہی مجھ پر بڑی بڑی رومات خرچ کر دیتی ہے۔“

”اے اللہ میاں مجھے بھی جلدی سے بوڑھا کر دو، عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔“

”اب پتھر ماروں گا ورنہ سونو خاموشی سے۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ کافی حد تک بغیدگی طاری کر لی چہرے پر۔ اور بوڑھا کتنا رہا

ایسی محبت جتنا ہی ہے جیسے ہماری شادی ہو چکی ہو۔ کہتی ہے ابھی اپنی دانست

میں شادی کے قابل نہیں ہوتی ہوں دوسال بعد شاید کبھی سے شادی کروں۔ اب

”اچھا اللہ میاں دوسال کے اندر ہی اندر مجھے بوڑھا کر دو“ عمران گڑگڑایا۔

”میں کہتا تھا کہ تم میرا مذاق اڑاؤ گے۔“ بوڑھا مزید برا تھا مارکر مڑا لیا۔

”اچھا اٹھو۔ چچا جان۔ سر سلطان کے پاس چلتے ہیں۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”شاید نکاح کی اجازت دے ہی دیں۔“

سر سلطان کے ہاں رات کے دو بج گئے تھے عمران کی آنکھیں بند تھیں

ہوئی جا رہی تھیں۔ سر سلطان نے اپنے اسٹین کے سامنے عمران سے کوئی گفتگو نہیں

کی تھی اس وقت اسے دوبارہ طلب کیا گیا تھا۔ جب عمران دالچی کے لیے اٹھ گیا تھا

بہر حال جو گفتگو ان دونوں کے درمیان ہوئی تھی اس کے مطابق سر سلطان کو کچھ

ہدایات اپنے اسٹین کو بھی دینی تھیں۔

فلیٹ میں پہنچ کر عمران سوٹ سمیت کھانہ نہیں گھسی گیا۔ جوتے تو خیر اتارے ہی

پڑے تھے کیونکہ نئے جوڑے نے پنجوں کا کچھ ہنگامہ کر دکھ دیا تھا۔ لیٹ تو گیا

تھا لیکن میند کہاں۔ واقعات کے غلط پہلوؤں سے ذہن الجھتا رہا۔ آخر کار موفوں

کی کوئی سوئی اس کے صحنے میں کیوں نہ آئی۔ یہ تو نہایت آسانی سے ہو سکتا تھا۔

ریوالوریا بلی والے طریقے سے کہیں زیادہ آسان کام تھا۔ کوئی زہر ملا بل میں بھی

ہوئی سوئی نہایت آسانی سے غائب ہو کر دیتی۔

تو چہرہ وہ ریوالوریا ملاؤ تھو جو صفر کی گولی سے زخمی ہو گیا تھا۔ زخمی ہو گیا۔ تھا

وہ سوچتا رہا۔ اور آہستہ آہستہ ذہن پر غزوہ کی کیٹینا بھی ہوئی رہی۔ پھر ریک بیک

ان کی گھنٹی کی آواز آدھ گھنٹی ہوئی مسامت پر ہم کی طرح گری۔ وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔

باتھ روم کا دروازہ کھلیا۔

دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ ”کون ہے“

آواز کو گھر کھینچا رہی ہوئی تھی لیکن بچا نہ تھیں وہ شکاری نہ ہوئی۔ یہ بولی تھی۔۔

ان نے ٹاپٹ آنکھیں ماریں اور منجھل کر بولا۔ ”ہائے تم کہاں سے بول رہی ہو

میں تو کسی کومنہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہ گیا۔ یہ کجنت کوئی کسی طرح چھوڑنا ہی

چاہیے۔“

”کیا کب لہے ہو۔“

”تم کہاں ہو۔“

”گھر پر۔“

”گھر پر تو خیر میں بھی ہوں۔“ عمران گرجن کھاتا ہوا بولا۔ لیکن کچھ دیر سیل پرنس

ڈرائیٹ کے ڈسٹ بن میں تشریف رکھتا تھا اور چہرے پر اس قدر کڑواہٹا تھا کہ انکھیں

دونا دونا ہورہا تھا۔ اب مٹی سے تیل سے منہ دھو رہا ہوں لیکن یہ کجنت

کھٹنے کا نام ہی نہیں لیتا۔“

”کیا تم بچ کہہ رہے ہو۔“

”بالکل۔ بالکل۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ ہم تو نبرا سکا میں اس

کی گھارے سے تھے۔“

”آؤ۔۔۔ ڈسٹ بن میں جاگے تھے۔“ بولی نے پوچھا۔



”بج۔ جی۔ وہ۔“

”ابھی کن تھافون پر“

”وہ۔ عم۔ عم۔۔۔ عمران۔۔۔ جناب۔“

”ہوں۔ اس کے ساتھ ہی تباہ دامع بھی چل گیا ہے۔ کیوں؟“

”میں۔ میں نہیں سمجھی جناب۔“

”ٹپ ٹاپ جانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟“

”جی ہنس۔ یونہی۔ کوئی کام نہیں تھا جناب۔“

”تھیں جب کوئی کام نہ ہو تو دوسروں کے کام میں دخل انداز ہوتے چھڑنا کہاں

کی دانشمندی ہے۔ نقش و اثر۔“

”میں سمجھی نہیں جناب۔“

”تم دونوں نے اصل کام کو نظر انداز کر کے ٹپ ٹاپ میں خاصی ہیوڈگیاں پھیلائی

تھیں۔“

”جی وہ۔ عمران۔“

”بکواس مت کرو۔ کراچ والی سزا پر ابھی کان نہ ہوسے تم دونوں کے تو۔۔۔؟“

”عم۔۔۔ معافی چاہتی ہوں جناب۔“

”اور ناخون کے ہاسے میں تو پہلے ہی تمہیں آگاہ کیا جاتا رہا ہے کہ انہیں بڑھنے

نہ دیا کرو۔ سنا ہے کہ عمران ابھی تک میٹے کی تیل سے مزہ دھور رہا ہے۔“

”آپ نے ایک بالڈ شک۔“

”نہیں۔ تم لپ اشک استعمال کر سکتی ہو۔۔۔ تمہاری رنگت اس سے مطابقت

نہ ہے۔ البتہ گندی رنگ کی دیسی روکیوں کو لپ اشک استعمال کرتے دیکھ کر غصہ

آجے۔ وہ تو عمران کے قول کے مطابق۔۔۔ اچھا شب بخیر۔ آئندہ محتاط رہنا۔

”ہاں بھئی۔ اور یہ کوئی نہ۔ ہوش آنے پر اٹھا تو ایک بوڑھیا پاس سے گزر رہی تھی

تو بھکی چھ جھوٹ کہہ کر گجھ سے لپٹ گئی۔“

”تم سے۔“

”ادہاں۔ مجھ سے بھلا کیوں کیا یہ کچھ غلط کہہ گیا۔ جو اس ٹھکانے میں ہیں میں فٹنر دار

۔۔۔ یہ کوئی نہ۔ مگر تم۔۔۔“

”عم۔۔۔ میں۔۔۔ مجھے شاید غنیمت لگتی تھی۔۔۔ جاگتی تو تم غائب تھے۔“

عمران ہنسنے لگا۔ ہنسی اس بات پر آئی کہ جو یہاں کی آنکھ تو اس سے بستر پر کھلی ہوئی

تیرا سکا داغے اچھٹوں نے اسے بیہوشی ہی کی حالت میں گھر بیچا یا ہوگا۔“

”تم ہنس کیوں رہے ہو۔“

”تم سمجھتی نہیں۔ کوئی ایکٹیوٹی کر گیا میرے ساتھ۔ دونوں کو شاب اور رس

ملائیاں کھلائی گئیں اور پھر میرے ہانکے پھیلے چہرے پر کوئی نہ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ

وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

”آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔“

”پتہ نہیں۔ میں تو نہیں سمجھ سکتا۔“

”اچھا شب بخیر۔ جو یہاں سے سلسلہ منقطع کر دیا۔“

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ ہونٹوں پر

نمودار ہوئی۔ اور وہ اچھل کر بستر سے فرش پر آ رہا۔ چوٹ آئی تھی شاید اس حرکت

کی بنا پر۔۔۔ کیونکہ فرش سے اٹھتے وقت کا ہاتھ تھا۔ اب وہ اس کمرے کی

طرف جا رہا تھا جہاں ایکٹر کا فون رہتا تھا۔

جو یہاں فٹنر دار کے فریڈرائیل کئے۔ جواب ملنے میں دیر نہ لگی۔ وہ ماٹھہ پیش

میں بیٹھتے ایکٹو عرابا۔ تمہارا فون عموماً انجمن رہتا ہے۔“

میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں۔ ورنہ تم بھی کسی ٹرسٹ بن جی میں پائی جاتیں۔“  
عمران نے سلفہ مطلع کر دیا۔

لیکن غراب گاہ میں دوسرے دن کی گھنٹی بج رہی تھی۔ جھپٹ کر وہاں پہنچا۔  
ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کوئی عورت اس کا نام لے رہی تھی۔

”ہاں۔ ہاں۔ آپ کون ہیں؟“ عمران نے پوچھا  
”مارتھا۔ ڈاکٹر کی بیگم۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”میں سول ہسپتال سے  
بول رہی ہوں۔“

”اب کیسی طبیعت ہے۔“

”اچھی ہوں۔ جلی پھر سکتی ہوں۔“

”اور ڈاکٹر؟“

”ہوش میں ہیں۔ لیکن ڈاکٹر کا خیال ہے کہ ابھی نقل و حرکت سے باز رہیں تو بہتر  
ہے۔۔۔ دیکھو عمران تم نے صرف ایک بار مجھے اپنا فون نمبر بتایا تھا۔ میری یادداشت  
کی داد دو۔“

”عورت یادداشت کے لیے ہی مشہور ہے۔“

”دل ابھہ رہا ہے کیا کروں۔“

”لوڈ کیوں نہیں کھلیں۔“

”کیا تم سو رہے تھے۔“

”نہیں۔ ارادہ کر رہا تھا۔“

”تو یہیں آ جاؤ۔ میں انتظار کروں گی۔ اب کیا کرو گے سو کر تین تو بج رہے ہیں۔“

عمران نے طویل سانس لی۔ اور ہونٹ سکڑ کر سمجھانے لگا۔

”ہلو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”تو پھر آرہے ہیں۔ میں ڈاکٹر کے آفس میں ملوں گی۔ اس وقت یہاں صرف ایک ہی  
نوشہ اخلاق بیڈی ڈاکٹر کی ڈیوٹی ہے۔ اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“

”آ رہا ہوں۔“ عمران نے مردہ سی آواز میں کہا

میں منٹ بعد وہ ہسپتال میں تھا۔ وہ مطلب ہی میں ملی۔ جس بیڈی ڈاکٹر کا تذکرہ  
دن پر کر چکی تھی۔ شاید کسی ملین کو دیکھنے چلی گئی تھی۔ بہر حال مارتھا تنہا ہی ملی۔

”ہلو۔“ وہ بڑی گر خوشی سے عمران کی طرف جھپٹی۔

عمران نے ہاتھ ڈھیلا چھوڑ کر مصافحے کے لیے بڑھ دیا۔

”کیوں؟“ مصافحہ کرتے وقت مارتھا اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ”تم کچھ  
بچے دیکھنے سے نظر آرہے ہو۔“

”نظر تو آ رہا ہوں نا۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”ورنہ میں بچے۔“

ایک حمایتی بھی آئی۔۔۔ اور وہ احقنا انداز میں پلکیں جھپکانے لگا۔

”تو یہیں میری صحت یابی پر خوشی نہیں ہوئی۔“

”ہوئی چاہیے۔“ عمران احقنا انداز میں بولا۔

”تھا جو باؤں کی۔“ مارتھا نے جھگڑا انداز میں کہا۔ ”پھر کچھ دیر خاموش رہ کر  
بولی۔“ تم بیٹھے کیوں نہیں؟“

”یہ بیٹھنے کا وقت ہے؟“ عمران نے پچھلکھانے والے لہجے میں پوچھا۔

میرا خیال ہے کہ تم جگ رہے تھے۔“ مارتھا نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا

”فریسی تم نے ریسیور اٹھایا تھا۔“

”نہ۔“ مگر وہ سنی کیسی تھی۔۔۔ مارتھا۔“

”میں خود نہیں جانتی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ براہ رسے گزرنے والی دین ہی سے  
آئی تھی۔“

”لیکن کیوں؟“

”خدا جانے۔ اس کی چہن کے ساتھ ہی سر پکڑانے لگا تھا۔“  
 ”ڈاکٹر کو تم نے اس کے بارے میں بتایا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”مجھے ان کے پاس جانے ہی نہیں دیا گیا۔“  
 عمران کسی سوچ میں پڑا ہوا بڑا ہوشیار لیکن معلوم ہی ہو رہا تھا جیسے کچھ سوچ رہا ہو ویسے حقیقت یہ بھی کہ وہ انکھیں کھول کر بھی ادھکھکتا تھا۔

”آج سردی بہت ہے۔“ مارغا نے کہا۔

”اؤں۔“ عمران چونک کر اسے گھورنے لگا۔

”میں نے کہا آج سردی بہت ہے۔“

”اور تم نے اسٹانگ بھی نہیں پہنے۔“ عمران نے بزرگ ڈانڈا زہیں کہا۔ ”میں اکثر سرد ہوں کہ سرد کاٹک کی سفید نام عورتیں شاید انکا سے چیا کرتی ہیں۔“ جی نو۔۔۔ اٹنے اور بچے اسٹارٹ میں رہ کر بھی اسٹانگ نہیں بنتی۔“

”میں نے ایک لڑکی دیکھی تھی۔“ مارغا بتائی۔ ”اس کا ہمارے مجھے بہت اچھا لگا تھا پنڈلیوں پر منڈھا ہوا۔۔۔۔۔ چست اور شخصوں پر پڑی حسین سلوٹیں تھیں۔۔۔۔۔“

اسے کیا کہتے ہیں۔“

”جوڑی دار۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بلا۔۔۔ اکثر مرد بھی پہنتے ہیں۔ لیکن وہ میری بہن دریاں کبھی حاصل نہیں کر سکے۔“

”مردوں پر تو اچھا نہ لگتا ہوگا۔“

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ہمارے سے کچھ اس قسم کے شہر کی آواز آئی جیسے بہت سے کٹے آپس میں لڑ پڑے ہوں اور ان کے حلق سے صرف غراٹھیں نکل رہی ہوں۔ پھر ایک نسوانی چیخ بھی سنائی دی۔ عمران دردناک سے کی طرف جھپٹا۔

مول آمدے میں اندھیرا تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل جب عمران آیا تھا بہت زیادہ برقی قوت کے کمی بلب روشن تھے۔

شور بہ دستور جاری رہا۔ عورت بھی مسلسل پیٹنے جا رہی تھی۔

مکون ہے۔ کیا ہے؟“ عمران دہڑا۔ اور ٹھیک اسی وقت اسے ایسے ابا محسوس ہوا جیسے کوئی دھکتا ہوا انگارہ بائیں بازو کے گوشت کو چھید کر دوسری طرف نکل گیا ہو اس کے حلق سے ایک کرناک غراٹھ سی نکلی اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اب وہ کھڑا اندوہ کے لگا۔ سر ہلایا اور وہ آگے پیچھے جھولتا ہوا دیوار سے ٹک گیا۔ داہنا ہاتھ بازو پر تھا۔ اور اس حصے کو شہت سے پیچھ رہا تھا جہاں چنگاریاں سی بھڑکی تھیں۔

خارے لے آؤں اور وہاں تھا۔ اور اب تو بامدے میں گہرا سکوت تھا۔ وہ شور جس نے عمران کو بامدے تک آنے پر مجبور کیا تھا کبھی کافر دھچکا تھا۔

”عمران تم کہاں ہو۔“ مارغا کی خوفزدہ سی آواز سناتے سے ابھری اور پھر ادھر ادھر سے بھی جھانک دوڑی آوازیں آنے لگیں۔

بلب پھر روشن ہو گئے۔ ہسپتال کا علمہ بامدے میں اکٹھا ہو گیا تھا اور وہ سب ایک دوسرے سے شہر کی وجہ پوچھ رہے تھے۔ مارغا جھپٹ کر عمران کے قریب پہنچی۔ وہ اب بھی اسی طرح دیوار سے لگا کھڑا تھا اور جھجولے ہوئے بائیں ہاتھ سے خون رس رس کر فرش پر جھٹکا جا رہا تھا۔

”عمران۔ عمران۔ یہ لگ۔“ کیا ہوا۔ اس نے دو ہانسی آواز میں پوچھا۔

”ڈیوٹی ڈاکٹر سے کہو میرے آپریشن کا انتظام کرے گولی لگی ہے میرے بازو میں“

عمران نے آہستہ سے کہا۔



گولی نے ہڈی کو گزند نہیں پہنچایا تھا۔ شرابوں کو منتشر کرتی اور گوشت کو چھیدتی  
 ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔ کافی خون بہا تھا۔ عمران کو کٹا ہمت محسوس ہو رہی تھی۔  
 آپریشن کے بعد ایک ٹرالی جنرل وارڈ کی طرف لے چلی۔  
 ”نہیں پرائیویٹ وارڈ میں لے چلو“ مارٹھا نے کہا۔  
 ”کوئی کمزور خالی نہیں ہے“ ڈاکٹر نے کہا۔  
 ”میرا کہہ تو ہے۔“

”ہاں یہ ممکن ہے... مگر وہاں ایک ہی بستر ہے“  
 ”فکر نہ کرو۔ میں سب کچھ دیکھ لوں گی۔“  
 عمران اس کے بستر پر لیٹ گیا تھا اور وہ کرسی کی طرف مڑ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔  
 ”اب تم کہاں لیٹو گی۔“ عمران نے پوچھا۔  
 ”میں یہ کہہ کر دباؤ سے جھکی پڑ رہی تھیں۔“  
 ”اب سو کر کیا کرو گی۔ صبح تو ہو رہی ہے۔ تم سو جاؤ۔“

عمران نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سرشت سے جھک رہا تھا... اور پھر نیند  
 نے پوری طرح اسے اپنی گرفت میں بھگولیا۔  
 پھر جاگا تو دن چڑھ چکا تھا۔ مارٹھا اب بھی وہیں بیٹھی نظر تڑپ رہی تھی۔  
 ”میں نے تم سے قتل ہی نہیں مچھی۔“  
 ”میں نے تم سے قتل ہی نہیں مچھی۔“  
 ”میں نے تم سے قتل ہی نہیں مچھی۔“  
 ”میں نے تم سے قتل ہی نہیں مچھی۔“

”میں نے تم سے قتل ہی نہیں مچھی۔“  
 ”میں نے تم سے قتل ہی نہیں مچھی۔“  
 ”میں نے تم سے قتل ہی نہیں مچھی۔“  
 ”میں نے تم سے قتل ہی نہیں مچھی۔“

”گولی“ مارٹھا اچھل پڑی۔ اور بیٹریائی انداز میں چبھی ”ڈاکٹر“ ڈاکٹر  
 ڈیوٹی ڈاکٹر ہونا یہ ہرگز نہ ہی موجود تھی۔ چھپتی ہوئی ادھر آئی۔  
 ”گولی۔ گولی لگی ہے۔ ان کے گولی لگی ہے۔“ مارٹھا بولی۔  
 ”گولی۔ کہاں لگی۔ کیسے لگی۔؟“ ایڈی ڈاکٹر نے عمران سے کہا۔  
 ”یہیں۔ اندھیرے میں کسی نے فائر کیا تھا۔ مجھ پر۔“ عمران نے کہا  
 ”لیکن فائر کی آواز...“

”وہ بے آواز فائر تھا۔ جلدی کیسے ہو سکتا... خون مفت میں ضائع ہو رہا ہے“  
 ”اُسے آپریشن تھیں لایا گیا۔ ڈیوٹی سرجن آپریشن روم میں ہی ختم لے رہا تھا۔  
 اس طرح جگمگا جانے پر اس کے چہرے پر پھپھکاہٹ سی رہے تھے اور اس نے  
 عمران کو اس طرح گھور دیا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ”مری کیوں نہ گئے۔ اگر گولی لگی تھی۔“  
 جب واقعات معلوم ہوئے تو جھلائے ہوئے پہلے میں بولا۔ میں کہتا ہوں جب  
 ”تک زلزلہ کیا ہوتا تھا میں کام کرتی رہیں گی یہی ہوگا۔ آخر وہ کون سا کام ہے  
 جو میل ٹرس نہیں کر سکتے۔“

”یہ کہاں کا قصہ چھیڑ رہا تھا۔“ عمران بولا۔  
 ”آپ یہاں کیوں تشریف لائے تھے اس وقت... یہ کسی نرس کا بچہ نہیں تھا  
 کیا آپ کے دیکھوں سے آپ پر گولی نہیں چلائی۔“  
 چونکہ مارٹھا بھی موجود تھی اس لیے وہ سرجن صاحبہ انگریزی میں گفتگو فرما  
 رہے تھے۔ اس لیے مارٹھا پر بھی جھلاہٹ کا دورہ پڑنا ضروری ہو گیا۔  
 ”یہ کیسی باتیں چھیڑ رہی تم نے۔ دس عورتیں تو اس کے پیچھے لگی پھرتی ہوں گی۔  
 اسے کیا ضرورت ہے کہ مری بی بی سے پیچھے مارا مارا پھرے گا... ہوش کی دوا  
 ”بات بڑھ جاتی لیکن ایڈی ڈاکٹر نے پیچھا ڈکڑا دیا۔“

عمران سوچ رہا تھا کہ اس نے دوسرے رنگ کی شانہ بازی کے متعلق پہلے بھی کچھ نہ تھا  
مختصری دیر بعد مارٹھا نے واپس آکر بتایا کہ اس نے جوڑت نمک عمران کا پیغام پہنچا  
دیا ہے۔

عمران کھنڈ بولا۔۔۔۔۔ اب بھی ذہن پر نیند سوار تھی۔ سوکتا تھا کہ پچھلی رات  
اسے کوئی تیز قسم کی خواب آ رہا تھا۔ وہ ابھی دی گئی ہو۔  
ناشتہ اس نے پیٹے پیٹے ہی کیا۔ کیونکہ مارٹھا اس پر مصرعی۔ پھر گچے سے اس  
نے چائے بھی پلائی۔

عمران سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی تو جان کو لگتی ہے۔ اگر معاملات آگے بڑھ گئے  
تو کیا ہوگا۔

”ڈاکٹر نے تمہیں بوسنے سے تو نہیں روکا؟“ مارٹھا نے مسکرا کر کہا۔  
”ہوں۔“ عمران بھی مسکرایا۔

”یہ۔ آخر کچھلی رات کو سوا کیا تھا۔“  
”ہنہ نہیں۔“

”کسی عورت کی چٹخیں بھی تو سنی تھیں میں نے۔“  
”میں نے بھی سنی تھیں۔ چٹیا ہی کرتی ہیں عورتیں کوئی خاص بات نہیں۔“  
”کی مطلب؟“ مارٹھا نے آنکھیں لگا لیں۔

”کچھ بھی نہیں۔ مطلب صاف ہے۔ کہو تو تمہیں بھی چٹینا پر مجبور کر دوں۔۔۔  
ڈاکٹر کا کیا حال ہے؟“

”پتہ نہیں۔“ مارٹھا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”مجھے ان کے پاس جانے ہی نہیں پاتا۔“  
”تم کب سے ہو ڈاکٹر کے پاس۔“

”بہت دنوں سے۔ جب وہ انگلیٹڈ میں تھے تب ہی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔“

انہوں نے مجھے ملازمت کی پیشکش کی تھی اور کہا تھا کہ وہ ایشیا کے مختلف ملکوں میں کام  
کرنا چاہتے تھے۔ مجھے یقین ہی سے ملک ملک کی سیر کا شوق تھا۔ لہذا آمادہ ہو گئی۔  
”تمہارے والدین کہاں ہیں؟“

”اسکاٹ لینڈ میں۔“

”تو پھر اب تم کبھی واپس ضرور جاؤ گی؟“

”ضروری نہیں۔“

”والدین یاد نہیں آتے۔“

”باپ سوتلا ہے۔ اور ماں کی یاد اکثر تاتی ہے لیکن کیا کیا جائے۔“

”تم لوگ اچھے ہو کیونکہ تمہارے والدین تمہارے جیسے کھاتے ہی رہتے ہیں خواہ تم پورے  
ہی کیوں نہ ہو جاؤ۔“

”والدین نہیں۔ صرف والد۔“

مارٹھا نے لاپرواہی سے شانے سکڑے۔

”ڈاکٹر کے باپ اکثر غریب ملکی لوگ بھی آتے ہوں گے۔“

”اکثر۔“

”کبھی کوئی کرنل ڈوسرنگ بھی آیا ہے۔“

”ڈوسرنگ۔ ڈوسرنگ!“ مارٹھا کچھ سوچتی ہوئی بڑبڑائی۔ ”رات یہاں کوئی گلہ را“

ڈوسرنگ بھی آئی ہے۔ کسی رقص گاہ میں یہوش ہو گئی تھی۔“

”وہ میرے ساتھ ہی رقص کر رہی تھی۔“

”تمہارے ساتھ کیوں؟“ مارٹھا کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

”بس سر پر سوار ہو گئی تھی کہ ناچو میرے ساتھ۔ اور اس کا بھی وہی حشر ہوا“

”تمہارا ہوا تھا۔“

”کہاں۔ اور کب“

”میں بچھلی رات کو۔“

”نہیں بچان کر گولی چلائی گئی تھی یا یونہی کسی اور کے حصے کی تہاری طرف بھٹک گئی تھی۔“

میرا خیال ہے کہ میری آواز پر غافل کیا گیا تھا۔ کسی بے آواز رویا اور سے۔  
”اندھیرے میں۔“ جوزف نے پوچھا۔

”ہاں۔ ہاں۔ اندھیرے میں۔“

”تب تو۔ تب تو مجھے سوچنے دو باس۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“  
”کس کے علاوہ۔“

”اس کا نام گلوٹا ہے۔“

”گلوٹا۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”میں گلوٹا۔ میرا م وطن ہے۔ اور ادھر چار ماہ سے یہاں دکھائی دے رہا ہے  
ایک عینکی حفاظت خانے میں ملازم ہے۔“

”کس شہر میں ہے؟“ عمران نے اسٹے کی کوشش کی۔ لیکن مارٹھا سینے پر  
ہاتھ رکھ کر زور دیتی ہوئی بولی۔ ”ماتیں بیٹے بیٹے بھی ہو سکتی ہیں۔“

جوزف اسے تھوڑے لمحوں میں گھور کر رہ گیا۔ غالباً عمران کے سینے پر ہاتھ رکھنا  
اسے گراں گزرا تھا۔

”تم نگرہ کرو باس!“ جوزف جلدی سے بولا۔ اب میں سمجھ رہا ہوں گا۔ وہ  
اندھیرے میں محض آواز پر بڑا اچھا نشانہ لگا سکتا ہے ویسے اس کا آنا بھی قادرانہ ہے۔“

”کون آقا۔“

”ایک ہے کرنل ڈوہرنگ۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”گرگرموڈن کی سوئی۔“

”نہیں؟“ مارٹھا اچھلی پڑی۔

”یقین کر دو۔ یہی ہوا تھا۔ اس کے بازو سے بھی میں نے سوئی نکالی تھی۔“

”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔“

”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ کرنل ڈوہرنگ کے متعلق۔“

”نہیں۔ اس نام کا کوئی آدمی کبھی نہیں آیا۔ لیکن مجھے بتا دیا گیا ہے۔“

”میں خود بھی نہیں جانتا۔“

اتنے میں دروازے پر کسی نے دستک دی۔ مارٹھا نے اٹھ کر دروازہ کھولا  
آنے والا جوزف تھا۔ خاک لباس میں بلوس، بلٹ ہولٹروں میں دو نوں جانے

رہا اور ٹنگ رہے تھے اور بیٹی کا روتوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے فریاد

میں اڑیاں بجا کر عمران کو سیلوٹ کیا اور بولا۔ ”ہاں یہاں کیوں بیٹے ہو۔“

”یہاں کیوں بیٹا ہے کوئی آدمی۔“ عمران نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

”ملیرا۔“ جوزف نے غورزدہ لہجے میں کہا

”نہیں۔ رویا اور کی گولی۔! میرا بایاں بازو زخمی ہے۔“

”کی؟“ جوزف کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں پھر اس نے بوکھلا کر پوچھا

”تو محفوظ ہے نا۔!“

”نہاں یہ کھڑی ہی کی طرح۔ اس کی پرواہ نہ کرو۔!“

”وہ کون تھا باس مجھے بتاؤ۔ یہ بیٹی خراب بات ہے کہ تم ایسی مہمات

سر کرنے کی کوشش کرتے ہو۔“

”ابے اندھیرے میں کسی نے مار دی گولی۔“



”میرے خدایہ دہی کرنل ڈوہرنگ!“ مار تھا بڑا بیانی۔

”تم کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گی سمجھیں اچھی روکی۔“

”کیوں۔ آخر کیوں؟۔ ابھی پولیس آئے گی۔ اسے کیا بیان دو گے۔“

”یہی کہ اندھیرے میں کسی نے فائر کیا تھا۔“

”مگر یہ کرنل ڈوہرنگ۔!“

”اسے جہنم میں جھونکنا!“

”بہتر نہیں یہ سب کیا جو رہا ہے اور تم کیا کہہ رہے ہو۔ کیا میں تمہارے گھر بد  
وزن کروں۔ ڈاکٹر نے تمہارے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا کہ تمہاری والدہ ان کی دلچسپی  
میں بھی ڈاکٹر کے ساتھ اکثر تمہارے گھر گئی ہوں۔“

”تم یہ سب کچھ سنا نہیں کرو گی۔“ عمران نے سخت لہجہ میں کہا اور مار تھا دوبارہ ہانسی  
ہو گئی اور کچھ نہ بولی۔

”تم کرنل ڈوہرنگ سے بارے میں اور کیا جانتے ہو؟“ عمران نے جوڑت سے پوچھا

”بہتر کچھ۔ وہ ایک خطرناک آدمی ہے میرے ملک پر وہ بڑی تباہی لایا تھا۔“

”پتہ نہیں کہ کلاں کا خون اس کی گردن پر ہے۔۔۔ قتل عام کروا دیا تھا یہ سرکاری

ملازم بھی تھا اور غلاموں کی تجارت بھی کرتا تھا۔ بھیڑیوں کی طرح اس نے میرے

جہوطنوں کو فروخت کیا تھا۔“

”یہ ٹیگورڈ ایکسا آدمی ہے؟“

”ولدا خرم۔“ جوڑت نے عربی میں کہا۔ ”اس کی ماں ایک حرافہ تھی دس

شورہروں میں سے وہ پتہ نہیں کس کا لفظ ہے۔“

”آدور۔ جوڑت!“ عمران اسے دہسنے ہاتھ سے گھونسا دکھا کر بولا۔ ”میں نے

اس کی شادی نہیں ملے کی ہے جو تراس کا شجرہ نسب کھول کر بیٹھ گیا ہے۔“

”میں تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ایسے آدمی سے حرامی بنی مرچا میں

سرزد ہوتا ہے۔“ جوڑت نے لا پرواہی سے کہا۔ اب تم دیکھنا باس کہ کیسی جینی

بناتا ہوں اس کی۔“

”خبردار۔۔۔ مجھے پوچھے بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھانا۔“

”میں کیا جنت میں تم سے پوچھنے جاؤں گا۔ تم اب گھر چلو۔“ یہاں بہت آسانی

سے مارے جاؤ گے۔ جب اس کو معلوم ہو گا کہ اس کا نشانہ خطا ہو گیا تھا تو وہ

غصے سے پاگل ہو جائے گا اور دوبارہ کوشش کرے گا۔“

”ہسپتال میں مرنے میں فائدہ ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”میرا جگ بلیس

کفن کا متعلق مذہب کے کا۔“

”یہ کیا فضول باتیں شروع کر دیں تم نے۔ اگر یہاں خطرہ ہے تو تمہیں گھر ہی

چلا جانا چاہیے۔“ مار تھا جھلکا کر بولی۔

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ کسی نے دروازے پر دھک دی۔ یہ ڈیوٹی

ڈاکٹر تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ پولیس عمران کا بیان لینا چاہتی ہے۔

”آنے دو۔“ عمران نے کہا اور ڈاکٹر چلا گیا۔

”ابھی ٹیگورڈ کا نام نہ لینا باس۔!“

”بکواس بند کرو۔“ عمران نے کہا۔

کچھ دیر بعد وہی سب ان پکڑ کرے میں داخل ہوا جس سے مار تھا ہی کے

سلے میں کچھن پہلے بھی سوان ہسپتال ہی میں سابقہ پڑ چکا تھا؛ اس نے سب سے

پہلے جوڑت کو گھور کر دیکھا۔ ”تم کون ہو۔؟“

”نوبل جوڑت۔۔۔۔۔ میڈی ویٹ ایکس چیمپن۔“ جوڑت غرایا۔

”میرا پاڈی گاڑ ہے۔“ عمران بولا۔ ”ادراں ریو اور دوس کو بھی نہ گھوریٹے

لائسنس ہے میرے پاس۔

”آپ خود کو زیرِ حراست سمجھتے جناب!“

”وارنٹ ہے آپ کے پاس۔“

”جی نہیں، ایک عام سرکرہ فون کو بھیجا گیا ہے کہ آپ جہاں بھی ملیں گرفتار کر لیے جائیں۔“

”کس کا سرکرہ ہے۔؟“

”ڈی جی آف انٹیلی جنس پیوریا کا۔“

عمران نے طویل سانس لی اور بولا۔ ”کیا بچے فون تک جانے کی اجازت مل سکے گی۔“

”ضرور، ضرور، سب انکسپٹر سکایا۔“

”نہیں تبہیں چلن چھرنانہ چاہیئے۔“ مار تھا بول پڑی۔ ”گفتگو چونکہ انگریزی میں ہو رہی تھی اس لیے وہ متوجہ نظر آرہی تھی۔“

”ڈاکٹر نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔“ سب انکسپٹر نہایت ادب سے بولا۔

”میں چل رہا ہوں۔۔۔ فون تک۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”نیکٹیل“ کی شکل میں مخصوص قسم کی فراہمات سنا دی۔

”میں عمران ہوں ڈیڑی۔!“

”کہاں ہو؟“

”سول ہسپتال میں۔ پچھلی رات کو میںیں میرے بائیں بازو پر گولی لگی تھی۔“

”ہوں۔ اب کیا حال ہے؟“

”خدا کے فضل سے بچ گیا ہوں۔“

”اچھا وہیں عکھڑو۔ میں کسی کو بھیج رہا ہوں۔“

”لیکن یہاں ایک سبب انکسپٹر صاحب میری گرفتاری پر مہر ہیں۔“

”ڈیسیور دو اسے۔“

عمران نے سعادت مندانہ انداز میں ڈیسیور انکسپٹر کو تھا دیا۔

انکسپٹر بڑا سامنے بنائے منہ دیا اور جی اچھا۔۔۔ بہت بہتر جناب کی گردان دیا۔ یہی عکھڑو ڈیسیور رکھ کر جھلائے ہوئے پیچھے میں عمران سے بولا۔ ”یہ عجیب بات ہے۔“

”آج وہیں نہیں جناب کہ مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ کن حالات میں آپ کو گرفتار ہے اور کن میں نہیں۔“

”کوئی بات نہیں۔“ عمران نے بڑے غلغلی سے سر ہلا کر کہا۔

انکسپٹر کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا اور عمران چھرا رہتا کہ اس کے لیے آئیٹا ہی دوسری مصیبت کا انتظار کرنے لگا۔ جوزف خاموشی سے ایک طرف لیٹا رہتا تھا۔ اور مار تھا عمران کے قریب کرسی پر بیٹھی تھی۔

”جہن تو اب اپنے اس نگوڑے کے بارے میں بتاؤ۔“ عمران نے جوزف کو دیکھا۔

”لنڈا باکس۔“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”کیا فون پر تہا؟“

فادر تھے۔

”ہاں!“

”کیا کہہ رہے تھے۔“ جوزف کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

”میری گرفتاری کا حکم جاری ہو چکا ہے۔“

”کیوں؟“ جوزف نے حیرت سے انہیں پھاڑ دیں۔

”میں تم سے نگوںڈا کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔“

”اچھا آدمی نہیں ہے ہاں۔ وہ اپنے ملک سے بھی دفا کر سکتا ہے کبھی نہ

کا ونا دار نہیں رہا۔ اس کا بھی نہیں جس نے اُسے پھانسیا تھا اور کئی دن تک ددر

سے تطبیق رہی تھی۔ اس کا بھی نہیں جو ہم سب کا باپ ہے۔“

”کیا یہ یہاں دیر تک ٹھہرے گا؟“ مارٹھا نے برا ساندیا کہ عمران سے پوچھا۔

”فی الحال میرے لیے ایک باڈی گاڈ مفرودی ہے۔“ عمران نے جواب دیا

اور جوزف نے مارتھا کو عرفی میں گالیاں دیں۔

”یہ کیا کب رہا ہے؟“ مارٹھا نے عمران سے پوچھا۔

”تہااری تعریف کر رہا ہے عربی میں۔ کہہ رہا ہے کہ یہ عورت ہے یا چاندی کی لڑکی

اس کی زبان اس کے منہ میں اس طرح حرکت کرتی ہے جیسے سمندر میں بوجہ۔۔۔

اور کیا کہا تھا تو نے۔۔۔ ڈفر۔!“

جوزف نے دانت نکال دینے کچھ بولا نہیں۔

”اس سے دھت ہوئی ہے مجھے۔“ مارتھا بڑبڑائی۔

”جوزف تم باہر ٹھہرو۔ بغیر اجازت کسی کو اندر نہ آنے دینا۔“

”ادکے ہاں۔“ جوزف نے ایڑیوں پر گھومتے ہوئے کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا

”تم آخر کس طرح برداشت کرتے ہو اسے۔“ مارٹھا نے پوچھا۔

”کئی بار پوچھ چکی ہوں۔ یہ بھی ایسا ہی آدمی ہے کہ آواز پر نشانہ لگا سکتا ہے۔“

”تم آخر کتنے کیسے ہو نہیں ایک نیگرو باڈی گاڈ بھی رکھنا چاہیے۔“

”دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانا میری ڈلی ہے۔۔۔ اس لیے۔۔۔“

”آخر کیوں؟ کوئی ٹھکانا کام کیوں نہیں کرتے تم میں تو سوچتی تھیں کہ کچل رات وہ شورو

فل صرف اسی لیے ہوا تھا کہ تم برآمدے میں نکل جاؤ۔ اور وہیں گولی مار دی جائے۔“

”خدا جانے کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں۔ لوگ۔“

نیگرو سے بھی کسی کنٹرول ڈیوٹنگ کا تذکرہ آیا تھا۔۔۔ وہ کون ہے۔ اور تم اس کی ٹوکی کے ساتھ

پہنچ رہے تھے۔ وہ بھی گراموفون کی سونی کا شکار چلی تھی۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“

”ننھے سے دماغ کو تھکاؤ نہیں۔“

”نہیں بتاؤ۔“

”بہتر یہ باتیں کہوں کہ نہیں بتائی باتیں۔“

”کیا چاہتا تھا نے غصیلے انداز میں انہیں نکالیں۔“

”گلاب کچھ نہیں سمجھ چوک لگ رہی ہے۔“ عمران پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

دوسرے ہی لمحے میں جوزف کی فراہمیت بھی سنائی دی جو کسی سے کہہ رہا تھا۔ نہیں

تم اندر نہیں جاسکتے۔ بائس کی اجازت کے بغیر۔“

”اور کون ہے۔“ عمران نے آواز دی۔

”کیپٹن فیاض۔“ جوزف نے جواب دیا

”آئے دسے دلدلو خوش۔“ عمران نے عربی میں کہا

اور فیاض غصے میں بھرا ہوا اندر داخل ہوا۔

”یہ اس نے دیوالیہ کیسے لگا رکھے ہیں۔ اس نے چھوٹے ہی پوچھا۔“

”اچھی نا بھارسے پوچھو میں کچھ نہیں جانتا۔“ عمران کسا۔

”مجھے کتنے صاحب نے بھیجا ہے۔ نیگرو کو اندر بلاؤ۔“ فیاض عزایا۔



عمران نے جوزف کو آواز دی۔ وہ اندر آیا اور اڑیاں بجا کر انہیں سن ہو گیا۔  
اسے فوجیوں کے سے انداز اختیار کرنے کا ضبط تھا؛ خصوصاً خاکی یونیفارم اور  
ڈبل بولٹروں کی موجودگی میں تو وہ خود کرسی ہنزل سے کم نہیں سمجھتا تھا۔  
”ریوا لورڈوں کا لائنس دکھاؤ۔ فیاض اسے گھورتا ہوا طر آیا۔  
جوزف نے ہب پوکٹ سے لائنس نکال کر پیش کر دیئے جو وزارتِ خارجہ  
کی طرف سے دیئے گئے تھے۔

”فوجی یونیفارم کسی کی اجازت سے پہن سکتے ہو۔“

وزارتِ دفاع کی اجازت سے۔ اجازت نامہ ملا خطہ فرامیٹے جناب جوزف  
نے بڑے ادب سے اجازت نامہ پیش کر دیا۔

”میں مزید تحقیقات کے لیے انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ لیکن طر آیا  
یقیناً جناب عالی۔“ لیکن ان کی رسید غایت فرما دیجئے۔

فیاض نے اپنی نوٹ بک سے ایک کاغذ پھاڑ کر اس پر رسید لکھ دی۔  
”شکریہ جناب عالی۔“ جوزف رسید کو تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔

”اب تم باہر جا سکتے ہو صورتِ حرام۔“ عمران خیلے انداز میں کراہا اور جوزف اڑیوں پر چھک کر پہاڑ  
”اب بناؤ۔ قرات میلا کیوں آئے تھے فیاض نے درخشاں نظارہ کے عمران سے پوچھا

”میں مارٹھا کی غیرت در یافت کرنے آیا تھا۔ تین بجے صبح۔ دفعتاً برآمدے کی روشنی  
غائب ہو گئی اور اندھیرے میں گتوں کی غراہٹ کی سی آوازیں گونجنے لگیں پھر کسی ہلکے

کی چٹپٹ سنا دیں۔ میں نے باہر نکل کر لکھا اور درگلی میرے بائیں بازو کو چھید گئی۔  
فیاض تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”آپ تشریف لے جی کیوں لائے تھے

اندھیرے میں۔ صبح نہیں ہو سکتی تھی۔“  
”نہیں چچا جان۔ میں تب بچ تھا کسی مجرّمہ قہیم شاعر کی طرح۔“ عمران مسکرا کر بولا

”آپ کو اس سے کوئی شکایت تو نہیں ہے۔“ فیاض نے مارتھا سے پوچھا

”شکایت! کیسی شکایت۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ مارتھا نے کہا اور پھر عمران  
سے پوچھا۔“ آپ کی تعریف۔“

”یہ راجہ ہیں اس شہر کے!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”شہر بھر کی  
لوگوں کا دم نکلتا ہے ان سے پتہ نہیں کب چلا جائیں گے۔“

”ٹھیک ٹھیک بناؤ۔ مارتھا جھلا کر بولی۔

”سی۔ آئی۔ ڈی کے پرنٹنگ پریس ہیں۔“

مارتھا کچھ نہ بولی۔ لیکن فیاض نے فوراً ہی اس سے پوچھا۔ ”کیا آپ کا خیال  
ہے کہ آپ کی بیہوشی میں اس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“

”اس قسم کے غلط خیالات سے میرا ذہن پاک رہتا ہے۔“ مارتھا نے ناخوشگوار لہجے میں کہا  
”ہاں کیوں بھیجنا ہے فیلد والا دھماکا ہے۔“ عمران نے پوچھا

”ڈوسرنگ والا معاملہ ہے۔ خود اس نے شکایت نہیں کی بلکہ مارتھا نے کسی  
دوسرے آفیسر نے رپورٹ کی ہے کہ مارتھا نے کسی کے بعض ملازمین کو پریشان کرتے ہوئے۔

ہرنگ نے ڈھونڈ پڑا ہے۔ کہا تھا کہ اسے کوئی شکایت نہیں اس نے پچھلے رات والے واقعہ  
اور پلٹ مین اسپرٹ میں پایا ہے۔“

”چیز کیوں ضرورت پیش آئی کہ لوہڑی کیا جائے اس خاکسار کو۔“

”رحمان صاحب بہر حال اس رپورٹ پر کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔“  
”اور کچھ۔“

فیاض کچھ نہ بولا۔ اور عمران نے کہا۔ ”براہ کرم تشریف لے جائیے۔“  
”تم نے باتا عدہ رپورٹ درج کرنا اس حادثہ کی؟“ فیاض نے غرور پوچھا۔

”میری مرضی پر منحصر ہے۔ کراؤں یا نہ کراؤں؟“

”کیا یہ جرم نہیں ہے؟“

”بڑے ٹیکہ میں سمجھوں۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”نہیں۔ تم کو۔۔۔“

باب۔ تم جاؤ۔ کیوں جان بکان کرتے ہو۔ چم۔ اس نے چمکاتے ہوئے

”لیکن رحمان صاحب نے بھیجا ہے۔“

”تو بتاؤ ناں مجھے میں کو کیوں بھیجا ہے۔“

”تمہارا تحریری بیان چاہیئے۔“

”جو دل میں آئے لکھ کر میرے دستخط کراؤ۔ تم ہی تو موجود تھے جب میں نے اسے لکھا۔“

”آہم۔ اچھا۔“ فیاض اپنی ڈاڑھی دکھا کر کہنے لگا۔

عمران نے جوزف کو آغا دہی۔ وہ آیا اور عمران کے عری میں کہا۔ ”دیکھو شنب بکر

کے بچے جو لیا کہ ہرگز اندر نہ آئے دینا سمجھو۔ باہر ہی سے واپس۔“

”اوکے باس!“ جوزف نے ایٹیاں بچا میں اور دروازے کی طرف چل گیا عمران

اچھی طرح جانتا تھا کہ اب اس کے گمان نامتوں کو اس کا علم ہوگا جو کہ پچھلی رات سب سے

اپنے فیض میں داخل ہوا تھا تو فہم ہی سمجھے ہوں گے کہ اب یہ فیض اطمینان سے صبح کو

رہے گا اس لیے وہ بھی جا سکتے ہوں گے۔ ورنہ ان کی موجودگی میں وہ اس طرح زخمی ہوگا

بہر حال وہ سوچ رہا تھا کہ چوں کہ فیض کی اطلاع مل چکی ہوگی اور وہ ادھر کا رخ ضرور کرے گی

فیاض نے کچھ دیر بعد ڈاڑھی عمران کی طرف بڑھادی۔ عمران نے بیان پر ایک ایجنسی

نظر ڈالی اور اپنے دستخط کر دیئے۔

”میرا خیال ہے کہ اب تمہیں آرام کرنا چاہیئے۔“ مارتھا نے فیض کی آواز میں کہا۔

”یقیناً۔ یقیناً۔“

لیکن آرام کہاں۔ فیاض تو جھگا گیا لیکن اس کے جانے کے پانچ ہی منٹ

بعد جوزف کو کھلایا ہوا اندر آیا۔

”باس۔۔۔ تمہاری ماں۔۔۔ تمہاری بہنیں آئی ہیں۔“ اس نے پانچتے ہوئے کہا

”مم۔۔۔ مارتھا۔۔۔“ عمران کراہا۔

اور دوسرے ہی لمحے میں بیگم رحمان۔۔۔ ثریا اور عمران کی دونوں غم ناک سرے میں داخل

ہوئیں۔۔۔ مارتھا بھی بوکھلا کھڑی ہو گئی۔ عمران اسٹے کی کوشش کر رہی رہا تھا کہ بیگم رحمان

کو دروازہ میں پولیس۔۔۔ یٹیارہ۔۔۔ یٹیارہ۔۔۔

”میری ماں اور بہنیں۔“ عمران نے انگریزی میں مارتھا سے کہا۔

”میں جانتی ہوں۔“ مارتھا نے بیگم رحمان کی طرف کرسی کھسکاتے ہوئے کہا ”تمہارے

لوہا کی ہوں ڈاکٹر کے ساتھ اور میں شریا تو آتی ہی رہتی ہیں کبھی۔ میلوں شریا۔۔۔ ہاؤس ڈوڈ۔“

”ادکے۔“ ثریا نے کہا اور عمران کو گھورتے گی۔

کمرے میں وہ دبی کرسیاں تھیں صرف بیگم رحمان بیٹھ گئی تھیں اور وہ سب کھڑی رہیں

”کیا ہوا تھا۔“ بیگم رحمان نے عمران سے پوچھا

”کچھ نہیں۔“ اماں بی۔ اندھیرے میں کسی نے گولی مار دی۔“

”وہ میرے گلی ہوئی تو چھوٹا تھا۔ اب نہیں برداشت نہیں تم باپ بیٹے کی حرکتیں۔“

”مم۔۔۔ گھر۔ اماں بی۔“

”کچھ نہیں،“ تم اس کوئے ڈورنگ سے کہیں بھڑے تھے اسی نے تو بین کا بدلہ لینے

کے لیے حملہ کر دیا ہوگا۔“ ادھر پولیس میں رپورٹ بھی درج کرادی۔“

”مم۔۔۔ گھر۔“ اماں بی۔“

”بڑی تو نہیں ٹوٹی۔“

”ہاں نہیں۔“ عمران جلدی سے بولا۔ بالکل اس انداز میں جیسے اس نقصان پر پٹائی ہو

ہانے کا امکان ہو۔

”کب تک یہاں رہے گا۔“

”یہ تو ڈاکٹر کی مرضی پر منحصر ہے جب بھیجا چھوڑے۔“

”کیا یہ لڑکی تمہاری دیکھ بھال کر رہی ہے۔“

”جج۔۔۔ جی ہاں۔“





”ٹھیک ہے شکریہ، جو اسکاٹائی اور عمران سے بولی۔ پھر آؤں گی۔“  
وہ دروازے کی طرف طرعی بھی تھی جو بوزت کی غراہٹ سنائی دی۔ خبردار پیچھے ہٹو  
دورنگولی ماروں گا۔ شاید تم اندھا بن جاؤ۔ لیکن یہ کیا کاجچہ۔ ہرگز نہیں۔“

”تمہارا یہ آدمی بڑا بدتمیز ہے۔“  
”آدمی نہیں۔ باڈی گاڑو۔ عمران مسکویا۔ آدمیوں کے بس کا روگ نہیں باڈی گاڑو  
جتا۔“

”خیر۔ ہاں۔ تم زخمی کیسے ہوئے۔“  
”کسی نے اندھیرے میں گولی مار دی۔“  
”پھر تم نے کیا کیا۔“

”آرام کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔“ عمران نے احمقانہ انداز میں کہا  
”خیر۔ خیر۔ وہ ہنس پڑا۔ بہت زندہ دل آدمی ہو۔ اچھا دوست... بس اب  
چار۔ محض تمہاری خیریت دریافت کرنی تھی۔ پھر ملاقات ہوگی۔“  
”دوسرے سے مصافحہ کرتے وقت عمران نے دیکھا کہ دونوں جیشی ایک دوسرے  
کے اس طرح گھور رہے تھے جیسے جھپٹ پڑنے کے لیے بالکل تیار ہوں۔“  
”دوسرے ایک اور اس کا باڈی گاڑ پڑے تھے۔“

”یہی تھا گونڈا پاس۔“ بوزت نے زاریا۔ میرے لیے اس کی آنکھوں میں چیلنج تھا۔  
”خیر میں دیکھوں گا کہ وہ کتنا باخبر باڈی گاڑ رہے۔“  
”کیا مطلب۔؟“ عمران نے اسے گھور کر دیکھا۔  
”اس کی موت ہوگئی تھی میں دوسرے ایک کو گولی ماروں گا۔“  
”خیر دار۔“ عمران نے آنکھیں دکھائیں۔ اور بوزت بڑا سامنے بنائے ہوئے دوسری  
طرف دیکھنے لگا۔“

عمران پھر اندر آیا۔ جولیا اور شریا گنگو کر رہی تھیں یہ موضوع بحث عمران تھا۔  
جولیا کبہری تھی۔ بچے لقیبی طور پر اسی طرح بے ڈنگے ہو جا رہی گے۔ اگر ان پر زیادہ  
تکیا جائے گی۔۔۔  
”لیکن یہ بچہ تو اب فیڈر کے بھی قابل نہیں رہا۔“ شریا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”اے اے عمران کو اٹھنا ہی پڑا۔ یہ نہیں دیکھیں کہ کسی کو گولی مار دینے کی دھمکی دے رہا تھا  
اور وہ مکی انگریزی میں دی گئی تھی اس لیے جولیا بھی دروازے کے قریب تھک گئی۔“  
”تم کہہ رہے ہو۔“ مارٹن بولی۔  
”گولی ٹانگ میں نہیں لگی۔ تم مطمئن رہو۔“  
”یہ بڑی اچھی دھمکی ہے۔“ بیگم رحمان نے شریا سے کہا  
”کیا گولی بڑے۔“ شریا نے انہیں نظر انداز کر کے عمران سے پوچھا۔  
”کچھ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں۔“ عمران نے کہا اور جولیا سے بولا۔ ”ادھر آؤ۔ ادھر  
سب کے قریب آ جاؤ۔“

جولیا پیچھے ہٹی اور وہ دروازہ کھول کر باہر آیا۔ سب سے پہلے کرنل دوسرے ایک  
بہر نظر پڑی۔ اس کے پیچھے بوزت ہی کی نسل کا ایک آدمی نظر آیا۔ جس نے فوجی  
دور دی بہن رکھی تھی اور مکی کی میٹ سے دور لیا اور بھی لٹکا رکھے تھے۔  
”ہو مانی بوائے۔“ دوسرے ایک اگے بڑھ کر عمران سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔  
”سنا ہے تم زخمی ہو گئے ہو۔ کسی نے گولی مار دی۔ تمہارے باپ سے فون پر گنگو ہوئی  
تھی۔ پتہ نہیں سفا رہنے کے کسی انصر نے تمہارے خلاف رپورٹ درج کرادی تھی۔  
بہر حال میں نے رپورٹ واپس لے لی ہے۔“  
”شکریہ۔ کرنل۔“

عمران ایک جانب کھڑا ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ دفعتاً مارٹن کا نظراس پر پڑی اور جلدی سے بولی: "اسے تو کھڑے ہو۔ چلو چلو... لیٹو..."

"ہاں اور کیا؟" "نہ پڑا اور دین بولی: "اب تڑپ تو رہ گئی ہو مانتا جتانے والی! پنی پلائی اولاد رہا تھا آئی ہے۔"

اس کی عمر زائد سنس پڑیں۔ اور نگہ رحمان غیبیے انداز میں بولیں: "کیا بکواس ہے! زبان چلے جائے گی بس۔"

"اپنی نسل میں اس کے علاوہ اور نہ رکھا ہی کیا ہے اماں بی! عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور بہتر پر بیٹھ گیا۔

"چل اب گھر چل... ورنہ یہیں اتارتی ہوں جوئی سب کے سامنے۔"

"ڈاکٹر سے پوچھ لیجئے۔ اگر اجازت دے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"ارے بازو میں ہی تو گولی لگی ہے" قریب تک کہ بولی: "آپ خواہ مخواہ پیشکش ہوئی جارہی ہیں۔"

"اور کیا؟" عمران سنجیدگی سے سر ہلکا کر بولا۔ "پریشانی کی بات تو تب تھی۔ جب ٹھیک کھوپڑی پر بیٹھی ہوتی۔"

"بکواس بند بھی کرو کہ بنتو؟" بیگم رحمان جھنجھلا کر بولیں۔

کچھ دیر بعد وہ بھی اٹھ کھڑی اور چلتے چلتے بولیں: "میں تیسرے باپ سے کہیں گی کہ ڈاکٹر سے معلوم کریں۔"

"جی۔ بہت اچھا!" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور اٹھ کر انہیں دروازے تک چھوڑنے آیا۔

جوئی نے البتہ دوسری کرسی سنبھال لی تھی۔ مارٹن اسے گھورتی رہی لیکن کچھ بولی نہیں۔

"اب بتاؤ کہ میرے ناخن کیا ہوئے؟" جوئی نے پوچھا۔

"بھلا اللہ میں اچھی گنتی نہیں ہوا۔"

"بکواس مت کرو۔ وہ تمہاری حرکت تھی۔"

"اور وہ کوئی دہر جس نے مجھے سپتال آنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

"میں نے تو دیکھا نہیں۔ اس لیے یقین کیوں کروں؟"

"دیکھ لینے کے بعد شاید میری میت پر بھی آنا پسند نہ کرتیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم نے نہیں دیکھا۔"

"عمران تم باتیں بہت کر رہے ہو۔ اب لیٹ جاؤ۔ مارٹن نے جھنجھلا کر کہا۔ اور جوئی نے فوراً ہی پلٹ کر پوچھا: "تم اسے کب سے جانتی ہو؟"

"تم سے مطلب؟"

"بڑی پڑ پڑی معلوم ہوتی ہو؟" جوئی مسکرائی

"میں انہیوں سے بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتی۔"

"بشخصیکہ وہ عورتیں ہوں؟" جوئی نے چھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آخر یہ کون بدعتیں؟" مارٹن نے عمران سے پوچھا

"اور تم بے تباؤ ہو جوئی نے بھی عمران کو مخاطب کیا: "کہ یہ خوش جہال کیا کس نسل سے تعلق رکھتی ہے؟"

"شٹ اب؟" مارٹن دوبارہ سنی ہو کر چینی۔

جوئی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مارٹن پر چھٹ ہی تو پڑے گی۔ عمران نے یہ نقشہ دیکھا تو اٹھ کر دونوں کے درمیان حائل ہوتا ہوا بولا۔

"اے دیکھو۔ خلو کے لیے... تم لوگ کوئی بڑی مثال نا غم نہ کر بیٹھنا۔"

"بٹوسا منے سے؟" جوئی جھلا کر بولی: "میں دیکھوں گی کہ کتنی مہذب اور باتیز ہے"

"اوہا با کیا مصیبت ہے؟" عمران اسے شانوں سے کھڑے ہوئے کہ کسی کی طرف جھکی ہوئی۔

"اب بتاؤ کہ میرے ناخن کیا ہوئے؟" جوئی نے پوچھا۔

گئی عقیں اور بڑبڑوں کے اجماع پہلے سے نمایاں نظر آنے لگے تھے۔

عمران چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

”مردوں پر کبھی اکتاہدہ نہ کرنا چاہیے۔ وہ بڑبڑائی یہ خواہ وہ کتنے ہی معصوم کیوں نہ نظر آتے ہوں۔“

”مرد آج کل شے ہی کہاں ہیں کہ ان پر اعتماد کرنے یا نہ کرنے کا سوال پیدا ہو۔“  
”مت بولو بھ سے،“ وہ دوسری طرف مڑ گئی۔  
”خشک کی وجہ سے۔“

”تمہاری وجہ سے اس وقت میری توہین ہوئی ہے۔“

”میری وجہ سے کیوں؟“

”بس تمہارا خیال کر کے رہ گئی۔ ورنہ منہ فوج لیتی اس کتیا کی بچی کا۔“

”تب تو غلطی ہوئی تھی۔ خواہ تمہارا درمیان آگیا تھا۔ بتایا کیوں نہیں کہ اس کا منہ فوج لینے کا ارادہ تھا۔“

”میں کبھی موت بولو مجھ سے۔“

”اچھا! عمران نے سعادت ندانہ انداز میں کہا اور مسہری پر لیٹ کر کرانے لگا۔  
مارتھا تھوڑی دیر تک بچولی بیٹھی رہی۔۔۔ پھر عمران کی طرف مڑ کر بولی۔ کیا تکلیف بڑھ گئی ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ شاید بڑھ ہی گئی ہے۔۔۔ ورنہ کراہتا کیوں۔“

”ٹاکڑ کو بلا لاؤں۔؟“

”نہ نہیں۔ ٹیکس بڑھ جائے گا۔“

پھر عمران اسے روکتا ہی رہا لیکن وہ چلی گئی۔ عمران آنکھیں بند کیے لیٹا رہا  
بکھیرا بعد پورنٹ نے آہستہ سے اسے آواز دی۔ اور ایک ذہنیٹ کارڈ  
اس کی طرف بڑھادیا۔ جس پر سر سلطان کا نام تحریر تھا۔

اگر دو عورتیں مرنے مارنے پر تیار نظر آئیں تو توڑ ٹھوکر بک بکنا شروع کر دو۔“

مارتھا خاموش کھڑی تھنے سے کانپ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھی  
تیر رہے تھے۔ جولیا دوبارہ نہیں بیٹھی تھی اور اس نے عمران سے اپنے شانے بھی چھڑا  
لیے تھے۔

”میں جاری ہوں وہ دروازے کی طرف مڑتی ہوئی عمران سے بولی۔ کوشش  
کروں گی کہ تمہیں کسی پرائیویٹ ہسپتال میں رکھا جائے۔“

”کیوں کوشش کرو گی تم۔“ عمران نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

”اپنی مرضی کی حقارتوں اور دوسری بیماریوں کی تہیں دیکھ چکی تھائی۔ جو یہ کہا  
اور باہر نکل گئی۔ عمران نے سستی بجانے کے سے انداز میں پوچھ کر دوسرے اگلا  
کی طرف مڑا جو مسہری کی بچی پر سر لگائے سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔  
”ارے باپ ارے! عمران پیٹ پر ہاتھ چھیرتا ہوا بڑبڑایا۔

عورتوں کو دوا دیکھ کر اس کا رنڈس ہو جانا پرانی کمزوری تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا  
کہ اسے کس طرح چپ کرانے۔ کیا کرے۔ لیکن خاموش رہ جانا بھی بد اخلاقی تھی۔

لہذا وہ بھگانے لگا۔ وہ دیکھو۔ یعنی کرواہ۔۔۔ پھر اردو میں بولا۔ جی نہ  
بھگان کر دو۔ اور جلدی سے انگریزی میں کہنے لگا۔ روئے سے معذہ خراب ہو جانا  
ہے۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔ عجلت بناؤ میں کیا کر سکتا ہوں۔۔۔ اگر کسی مرد نے تمہاری شان  
میں گستاخی کی ہوتی تو گھونے مار مار کر جلیہ لگاڑ دیتا۔“

وہ منہ چھپائے بدستور دوتی رہی۔

اب عمران بھی خاموش ہو گیا تھا! اور اس طرح منہ بنا کھڑا تھا جیسے کوئی  
سر باز اس پت رسید کر کے بھاگ گیا ہو۔!

بڑی دیر بعد رونا تھا اور وہ دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ عمران سامنے  
آکھڑا ہوا۔۔۔ لیکن وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ رونے سے ٹیکس کسی طرح منہ پر ہو



”انہیں اندر بھیج دو“ عمران نے کہا۔ اور سنوان کی موجودگی میں مارنٹا کبھی اُٹھ نہ آنے دینا۔ ہنسی مہانے سے باہر ہی روکے رکھنا۔“  
جو زف باہر چلا گیا اور دوسرے جی لمحے میں سرسلطان رکھائی دیئے۔ عمران نے اٹھنا چاہا۔

”بیٹے دجو۔ بیٹے دجو“ سرسلطان نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔  
وہ مسہری کے قریب والی کرسی پہ بیٹھ گئے۔

”یہ کیسے ہوا۔“ انہوں نے پوچھا اور گمان کو ایک بار پھر وہ قصد و سہرا پڑا۔  
”بہت بڑھ گئے ہیں یہ لوگ“ سرسلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”کیا بتاؤں کوئی غلطی ہوئی نہیں ہے ان لوگوں کے خلاف؟“  
”فکر نہ کیجئے۔“

”جس کے ذریعے ثبوت فراہم کرنے کے مواقع ملنے کی امید تھی اس نے خودکشی کر لی۔“  
عمران کچھ نہ بولا۔

استغ میں باہر سے مارنٹا کی آواز آئی۔ ”جو شاید جو زف کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔“ سرسلطان بھی چونک کر استغیا مہ انداز میں عمران کی طرف دیکھنے لگے۔  
”لل۔ لٹکی۔“ عمران آہستہ سے بولا۔

”وہ۔ وہی۔“ دعا گوئی نرس۔“ سرسلطان نے بھی رازدارانہ ہی لہجے میں پوچھا  
”نرس نہیں سیکڑی۔“ بواؤں۔“  
”ہاں۔“ اُن کی طرح ہے۔“ سرسلطان نے کہا اور شیلے جو زف پر زبان پھیر کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔“

”جو زف؟“ عمران نے ہانک لگا لی۔ ”کون ہے۔“ آنے دو۔“  
”نہیں آنے دوں گا باس۔“ جو زف نے باہر سے عربی میں جواب دیا کیونکہ  
”تم منع کر چکے ہو۔“

”اب کہتا ہوں آنے دو۔“ عمران کی آواز فہمیل تھی۔  
”ہرگز نہ آنے دوں گا باس۔“ کیونکہ اس نے مجھے آنے کا کاندہ نہ تلاش کیا ہے۔“  
”ارے تو جی اسے کھن کا پہاڑ کہہ کر معاف کر دے۔“  
”کیا بات ہے۔“ سرسلطان نے پوچھا

”میرا باڈی گارڈ تنگ کیا ہے۔“ کہتا ہے کہ چونکہ وہاں اس وقت سرسلطان بیٹھے ہیں اس لیے میں کسی کم تر مہر عورت کو اندر نہیں جانے دوں گا۔“  
”ارے نہیں۔ کوئی بات نہیں۔“ سرسلطان نے بڑے غلوس سے کہا اور  
پھر نیچے ہونٹ پر زبان پھیرنے لگے۔

”جو زف کیا مجھے اٹھنا پڑے گا۔“ عمران نے پھر ہانک لگا لی۔  
”اچ۔ چھا۔ باس آ رہی ہے۔“ جو زف نے مردہ سی آواز میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھلا اور مارنٹا اندر داخل ہوئی۔ سرسلطان کو اٹھنا ہی پڑا۔ حالانکہ وہ ایک کم تر مہ لڑکی تھی۔ لیکن اس نسل سے غفلت کرتی  
تھی۔ جس میں عورت کا احترام بطور فیشن رائج ہے اس لیے وہ بیٹھے کیوں نہ پڑتے۔  
”آپ۔“ عمران نے سرسلطان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”غٹری آف  
فادرن ایفیرنس سیکڑی ہیں۔“

مارنٹا پرکا بکا رہ گئی۔ پھر عمران نے مارنٹا کی شان میں قصیدہ شروع کیا۔ ”میں  
مارنٹا۔۔۔۔۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں ڈومیسٹک ایفیرنٹی کی گچھر تھیں۔۔۔ آج کل  
ڈاکٹر دعا گرسے نفسیات پڑھ رہی ہیں۔“

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“ سرسلطان نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا  
اور وہ مارنٹا کا کپکپا ہوا ہاتھ دیکھ دیکھ سنبلے رہے۔ وہ بہت زیادہ عروپ  
ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کے ملک میں دناؤوں کے سیکڑی دزیوں سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی

”بیٹھے“ سر سلطان نے کسی کی طرف اشارہ کیا۔

”جی... جی... ہاں...“ شکرہ جناب!، مارنٹھا کی سانس پھول رہی تھی۔

”کہا وہ دل کا بھی تعارف آپ کے اسٹیشن سے“ عمران نے اردو میں پوچھا۔

”مت بکواس کرو“ سر سلطان نے آہستہ سے کہا۔ اور مارنٹھا سے انگریزی میں

پوچھا۔ ”وہ آپ لوگوں کو یہاں ہسپتال میں کوئی تکلیف تو نہیں ہے“

”نہیں جناب یہاں کے لوگ بڑے اچھے ہیں“

”شکرہ یہ!“ سر سلطان مسکرائے اور عمران کی منہ بولی سانس لے کر بولے کہ

”سنا ہے ڈاکٹر دعا گو بڑے بالکل آدمی ہیں“ سر سلطان نے پوچھا۔

”جی ہاں۔ وہ ایک اچھے ماہر نفسیات ہیں“

”کبھی ملوں گا۔“

”میرا خیال ہے کہ اب آپ ان سے مل سکیں گے۔ ڈاکٹر نے اجازت دیدی ہے

”یہاں نہیں“ سر سلطان نے کہا اور عمران کی طرف ہاتھ بڑھا کر اردو میں بولے

”اچھا بخیر داراب میں چلا۔ بہت محتاط رہو“

”اس لڑکی سے۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”گدھے پر نہ کہ تین سو دقت نہ کیا کرو“ مصافحہ کر کے وہ رخصت ہو گئے مارنٹھا

باہر تک انہیں چھوڑنے لگئی۔ لیکن عمران بدستور لیٹا رہا۔

والہا پر مارنٹھا نے ہانپتے ہوئے اس سے کہا۔ ”اتنے بڑے بڑے لوگ تم

سے ملنے آتے ہیں مگر تم نے میرے متعلق ایک غلط بات کیوں کہہ دی تھی۔ ارے میں تو

اکسٹروورڈ کی شکل بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔“

”فانن ایف زے ٹیوکی چیئر ڈیپٹیکم ایف زے ہو سکتے ہیں اس لیے کہہ دیا تھا۔ ان حضرات

کے ڈیپٹیکم ایف زے بہت ہوتے ہیں۔ تمہیں دیکھ کر خوش ہو گئے ہوں گے“

”تم ہر ایک کا مضحکہ اڑانے لگتے ہو“ مارنٹھا نے بلا درنگ کہا۔

بڑا لٹکا لٹکتے ہوئے کہا۔ ”ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اسے پانی کے ساتھ دید و سوزش کم ہو جائیگی“

”میں ڈاکٹر دعا گو سے مل چاہتا ہوں“

”میں مل چکی ہوں۔ اچھے ہیں... تمہارے متعلق بتایا تھا انوس کر رہے تھے۔

تمہارے لیے خصوصی طور پر تاکید کی ہے کہ اچھی طرح دیکھ بھال کروں“

”تو بچہ کرنا“ عمران کرایا

”تم مجھے بتاؤ کہ وہ کتنا کون تھی“

”سویش قسم کی ناکس ٹیریز۔“ انٹی ٹائین ٹین فیشن، ٹائین... میں کیا کروں...

”میری لڑکیاں چند قسم کے آدمیوں میں بڑی دلچسپی لیتی ہیں بشرطیکہ وہ ان کے شہر میں“

”کتنی لڑکیوں سے دوستی ہے تمہاری“

”وہ سنی تو کسی سے نہیں ہے۔“

”پھر کیوں دوڑتی آتی ہیں تمہیں دیکھنے۔“

”وہ سن سکتے ہیں کہ انہیں کوئی دوسرا چھند دستیاب کرنے میں دشواری پیش آتی ہو!“

”جنیدگی سے گفتگو کرو۔ میں سنجیدہ ہوں۔ میری تو آنکھ تک کسی سے ایسی دوستی

ہوئی جیسی تم سے ہے۔“

”بھڑھ سے۔“ عمران بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر بازو دبا تے ہوئے ”سی سی“ کے تائیک

من جھٹکا چلا گیا۔

”ایا ہوا کیا ہوا؟“ وہ گھبرا کر دوڑ پڑی۔ ”بڑے بے احتیاط ہو... خدا کی قسم بے لاپرواہ“

”اے سیدھا کرنے کی کرکشن کرنے لگی۔“

”تھک اسی وقت ہمزوف بھی اندر داخل ہو کر دوڑنے لگا۔“ ہاں میں اسے برداشت نہیں

”تھا۔“

”اگر جاؤ۔ باہر نکلو... شرمیت چھاؤ۔“ مارنٹھا اس کی طرف شر سے بغیر بولی۔

تمہارے باپ نے مجھے ٹیلیفون پر گالیاں دی ہیں۔



عمولان نے اسے گھور کر دیکھا پھر چند لمبے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے رہنے کے بعد بولا۔ ”خواہ مخواہ گالیاں دکی ہیں“  
”میں بھی اس کی گتھا کیوں دلوں ایسے آدمی سے مجھے اپنی اولاد بھی پڑاؤ نہ ہو۔“

”اوشب دجور کے بچے۔ بات کیا تھی“  
”کہنے لگے تو دم عاقل ہے۔ اپنے بس کو غڈ کو دی سکھاتا ہے۔ میرے

رہوالوروں کے لاشیں ضبط کر لیے جا رہے گئے۔“  
”جھاگ جاؤ۔“ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔

”مل۔۔۔ لیکن پاس۔ رہوالوروں کے لاشیں۔ میں تو بے موت مر جاؤں گا۔“  
”آج تک خالی ہاتھ نہیں رہا۔ میرے پاس رہوالوروں ہو تو بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے میں بیوہ ہو گیا ہوں۔“

”بس جاؤ۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”اللہ نے چاہا تو تمہارا سہاگ قائم رہے گا۔“

بوزف باہر چلا گیا اور مارتا پنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ”لیٹو۔ لیٹو۔ تم اٹھ کھڑو“  
”میں اگر لیٹی رہا تو اس کا سہاگ برقرار رہ سکے گا۔“ عمران کراہا۔  
”جوہنم میں جانے۔ میں کہتی ہوں تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔“

”جے تو۔“ عمران مردہ سی آواز میں بولا۔ ”لیکن لوگ آرام کہاں کرنے دیتے ہیں۔ یہ تمہارے دماغ کا صاحب کوئی ایسا بھی عمل جانتے ہیں جس میں درد میں کمی واقع ہو سکے۔“  
”میرا خیال ہے کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ چند ماہ گزارنے ایک مریض آیا جو کئی دن سے شدید قسم کے درد میں مبتلا تھا اس وقت وہ کراہ رہا تھا جب ڈاکٹر نے اسے دیکھا تھا پھر وہ اسے ایک مخصوص کمرے میں لے گئے اور آدھے گھنٹے بعد جب وہ مریض ان کے ساتھ واپس آیا تو ایسا لگ رہا تھا جیسے ان کی شخصیت ہی بدل گئی ہو۔ ہونٹوں پر مسرت آمیز چمک تھی۔ اس نے اپنے سامعی سے ہچکا۔ ”انہا میں کچھ کچھ تھا کہ درد حیرت انگیز طور پر دفن ہو چکا ہے۔“  
”کیا واقعی ڈاکٹر جاؤ گے۔“ عمران حیرت سے بولا۔  
”ہتہ نہیں۔۔۔“

”خواس نے کیا کیا ہو گا۔“

خدا جانے۔ وہ کہ ساؤنڈ پروف ہے۔ آوازیں باہر نہیں آسکتیں۔“  
عمران کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”مجھے ڈاکٹر کے پاس

دیر بڑی تکلیف محسوس کر رہا ہوں شاید وہ کچھ کر سکیں۔“

”اچھا۔“ وہ سختی ہوئی بولی۔ ”میں پوچھ آؤں۔“

اس کے جانے کے بعد عمران بھی باہر آیا۔ اور بوزف سے بولا۔ ”اپنا ایک

دار بجھے دے دو۔“

بوزف نے رہوالوروں پر ہل سے نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ”سارے

بوزف میرے ہوتے ہیں۔“

عمران پھر واپس آکر لیٹ گیا۔ رہوالوروں کی حبیب میں ڈال دیا تھا۔  
ارتھانے اطلاع دی۔ کہ ڈاکٹر دعا گو اس سے ایک گھنٹے کے بعد مل سکے۔



”کیوں ابھی کیوں نہیں؟“ عمران نے پوچھا۔

”اس کے کچھ متقدیرین بیٹھے ہیں۔“

”ادھر تو یہ لوگ بیچارے ڈاکٹر کو ہسپتال میں بھی چین نہ لینے دیں گے۔“

”ڈاکٹر کو اس بات پر افسوس ہے کہ اس حادثہ کی خبر اخبارات میں بھی آگئی۔ ایسا نہ ہونا چاہیے تھا۔“

”اکثر جو ہی جاتا ہے“ عمران نے مایہ سارہ انداز میں کہا۔

”لیکن تمہارے ملک کے لوگ بھی حیرت انگیز ہیں۔“

”یقیناً۔ یقیناً۔ لیکن راتھا تو یہ بھی اس سوئی کے متعلق بھی سوچا تو تمہارے بازو میں پیوست ہو گئی تھی۔“

”بہت سوچا ہے۔“

”کیا سوچا۔“

”کئی خاص بات نہیں سوچی۔ بس یہی سوچتی رہی ہوں کہ آخر سوئی پھینکنے والے کون تھے اور کیا جانتے تھے۔“

”بڑی عجیب بات ہے، لیکن یہ بھی ہے کہ کئی شخص اپنے دشمنوں سے واقف نہ ہوتے۔“

”یقین کر عمران میں نہیں جانتی۔ نہ ہاں کسی سے میری دوستی ہے اور نہ دشمنی۔“

”میں تو ہمیشہ سے الگ تھلک زندگی گزارنے کی عادی رہی ہوں۔ یہاں نہ کوئی میری

گرل فرینڈ ہے اور نہ بوائے فرینڈ۔ پھر جب کسی سے دوستی ہی نہیں تو دشمنی کا

سوال ہی نہیں کیوں کہ دوستیاں ہی دشمنی میں تبدیل ہو جایا کرتی ہیں۔“

”اچھا یہ بتاؤ میری دوست ہو یا دشمن۔“

”تم کسی گنتی میں ہو نہ راتھا ہنس پڑی۔“

”نہیں۔ سنجیدگی اختیار کرو!“ عمران جید سنجیدہ ہو کر بولا۔ ”میں سوچ رہا ہوں کہ

وہ سوئی بھی میرے ہی لیے تھی تو غلطی سے تمہارے بازو میں لگی۔“

”نہیں۔“ مارٹھا اچھل پڑی۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔

”کوئی ایسا ہے تو نہیں چاہتا کہ میں تمہارے ساتھ رہوں۔“

”عمران یقین کر دو ڈیڑھ۔ میری کسی سے بھی دوستی نہیں۔ اس نے ہکھلائے ہوئے لیجے میں کہا اور خاموش ہو گئی۔ پھر پرتشوٹس کے گہرے سائے نظر آ رہے تھے۔“

کچھ دیر بعد بولی۔ ”ہاں حالات ایسے ہی ہیں۔ میں تمہیں کسی طرح بھی یقین نہ دلا سکوں گی کہ آخر کوئی تم پر حملہ کیوں کر رہا ہے۔ یہ گولی جو تمہارے بازو میں لگی ہے اتفاقیہ تو نہیں ہو سکتی۔“

”مت سوچو۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ذہن کو مت تھکاؤ۔“

”لیکن میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔“

”مجھے یقین دلانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

مارٹھا اسے پھیل پھیل آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر آنکھیں دھندلا گئیں اور دو

سے موٹے قطرے رخساروں پر ٹھک آئے۔

عمران بظاہر تشرلوں میں ان انداز میں دوسری طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس سے

بے علم نہیں تھا کہ وہ رو رہی ہے۔

افتحہ وہ اس کی طرف مڑا اور ملحق سے ایک تیز آواز نکالی پھر بولا۔ ”اے

ہاتھوں نے کیا کہہ دیا ہے جو اس طرح رو رہی ہو۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ لیکن اب سسکیاں بھی آنسوؤں کا ساتھ دینے لگی تھیں دونوں

فوں سے منہ چھپا کر وہ مہری کی پٹی پر جھک گئی۔

”جب کوئی عورت دوسرے لکھی ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے ہمدردی

ظاہر کروں یا دوچار ہاتھ مار کر چہرہ سیلنگ سمائے دوڑتا چلا جاؤں۔  
مارتھا کی سسکیاں اور تیز ہو گئیں۔

”اور جب کوئی عورت روئے نہ لگتی ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کی عورتوں کو قتل کر دوں۔“

اتنے میں جوزف پھر اندر گھس آیا۔

”تم بالکل گدھے ہو، عمران نے جھلکار مچائی کہ جب کہیں اسحقوں کا پورا جوڑا موجود ہو تو آواز دے کر آیا کرتے ہیں۔“

جوزف نے دانت نکال دیئے اور بولا ”میں جانتا ہوں بالکل کہ تم اس معاملے میں عیدم اٹھاؤ۔ اس لیے ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ لیکن یہ سفید بندہ یاد رکھیں کہ یہی ہے۔“

”بکواس بند کرو۔ اور نکل جاؤ۔“

”میں صرف یہ پوچھنے آیا تھا باس کر کیا پھر کوئی خطہ محسوس کر رہے ہو؟“

”کیوں؟“

”ریو اور لی تھا ابھی۔“

”اُدھ۔ وہ کچھ نہیں بس احتیاط۔ جاؤ دفع ہو جاؤ۔“

جوزف مارٹھا پر جانتی سی نظر ڈال کر باہر نکل گیا۔ مارٹھا اب خاموش تھی آنسو خشک کر بیٹے تھے اور مزہ چھلائے بیٹھی تھی پلکیں بھی کسی قدر متروک نظر آنے لگی تھیں اور ناک کے نچھنے سرخ ہو گئے تھے۔

عمران اس سے کچھ نہ بولا۔ فی الحال جھپٹنا نہیں چاہتا تھا چپ چاپ لیٹ کر ہولے ہولے لگا ہونے لگا لیکن مارٹھا اس کی طرف متوجہ نہ ہوئی۔

عمران کا ذہن اب پھر ڈاکٹر دھاگو اور اس کی پراسرار شخصیت میں الجھ کر رہ گیا تھا

کچھ دیر بعد مارٹھا نے فون پر بیگ سے آئینہ نکالا اور پاؤ ڈرائنگ سے گالوں پر ہلکی ہلکی تھپکیاں دیتی رہی۔ آنسوؤں نے میک اپ تباہ کر دیا تھا۔

جب وہ باہر جانے لگی تو عمران صرف کھنکھار کر رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ دھاگو کے ہی پاس جا رہی ہے۔

والیسی میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا ”اب تم چل سکتے ہو۔“

عمران نے اٹھ کر کوٹ پہنا، زخمی بازو والی آستین مارٹھا نے بڑی احتیاط سے شانے تک چڑھائی تھی۔ لیکن اس دوران میں کچھ بولی نہیں تھی، انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ عمران سے خفا ہو گئی ہو۔

عمران باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر کے کمرے تک مارٹھا ہی نے رہنمائی بھی کی۔ لیکن وہ اندر نہیں گئی۔

ڈاکٹر آرام کر سی پر نیم دروازہ اخبار دیکھ رہا تھا۔ عمران کو دیکھ کر اخبار ایک طرف ڈالتا ہوا سیدھا چڑھیا۔ ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

”میں اٹھ کر تم سے مصافحہ نہیں کر دوں گا۔ اس نے کہا۔ بس بیٹھ جاؤ۔ ادھر اپنی خیریت بناؤ۔“

”سب خیریت جی جے ڈاکٹر۔“ عمران طویل سانس لے کر بولا اور سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”مجھے آنسو ہے میرے بچے۔ میری دھڑ سے تمہیں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔“

”آپ کی دھڑ سے؟“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”یاں میری دھڑ سے۔ اور تم بھی خواہ مخواہ ہٹنے کی کوشش نہ کرو۔ جھلا تم پر اندھیرے میں غائر کئے جانے کا کیا مطلب تھا۔“

”ہل... لیکن —“

”کچھ نہیں پوری بات سنو! مجھے دراصل سزا مل رہی ہے — کیونکہ میں نے ایک نامعلوم آدمی کا گناہ ماننے سے انکار کر دیا تھا — کوئی نامعلوم آدمی مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ میں اس کے لئے جاسوسی کروں! اُس نے مجھے ایک خط لکھا تھا جس میں اس کے کہنا تھا کہ میں حکمران خارجہ کی سرافرسانی بڑی آسانی سے کر سکتا ہوں۔ کیونکہ اس نکلے کے بڑے بڑے آفیسر میرے معتقد ہیں۔ میں ان سے اس کے مطلب کی بہت سی باتیں معلوم کر سکتا ہوں — اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر میں اس پر آمادہ ہو سکوں تو اسے خط لکھ کر ایک مخصوص جگہ پر رکھ دو، جہاں سے وہ اس تک پہنچ جائے گا۔ میں نے نہ صرف انکار لکھ دیا بلکہ دھکی بھی دی کہ اگر اس نے اُشدہ مجھے کوئی خط لکھا تو وہ پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔“

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا: ”آخر آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتانا چاہتے ہیں؟“

”ڈاکٹر دعا گو کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ آئی اور پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا: ”بہر حال تمہیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ تم ڈپٹی سیکریٹری کی موت کا ذمہ دار مجھے سمجھتے ہو۔“

”ارے تو بہ تو بہ!“ عمران منہ پٹتا ہوا بولا: ”میں آپ کو کیوں؟“

”جو کچھ تمہارا پیشہ یہ ہے اس لئے تم ہر چیز کو اسی عینک سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہو۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”کیا تم پولیس کے لئے کام نہیں کرتے؟“

”کرتا تو ہوں —“

”پھر —؟“

”لیکن میں آپ کے معاملے میں اس کی گنجائش کہاں؟“ عمران نے کہا۔

”ہو یا نہ ہو۔ لیکن تم جیسے لوگ گنجائش پیدا ہی کر لیتے ہیں۔“ ڈاکٹر دعا گو بائیں اٹکھ دیا کر مسکرایا۔

”ہر گاہ —“ عمران لا پرواہی سے شانے سکڑ کر ڈھیلے چھوڑنا ہوا بولا: ”میں تو آپ سے اپنی نمی کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا کہ ڈپٹی سیکریٹری کی خودکشی لپٹا لٹے اٹکی۔ ورنہ یہاں کیا جان سکتا کہ ڈپٹی سیکریٹری تم کے لوگ بھی دعا تو عید کے قابل ہو سکیں۔“

”کچھ بھی ہے —“ تم خطرے میں ہو —“ دد نہر لی سوئیں سے بچ جانے کے بعد دوا لور کا شکار بالا خر ہو ہی گئے۔“

”ارے تو کیا وہ سوئیاں بھی میرے ہی لئے تھیں؟“

”مطلقاً نہیں۔“

”آپ کیسے کہہ سکتے ہیں جناب؟“

”بیرامضیٰ شعور۔“ ڈاکٹر داسنی کپٹی پر انگلی رکھ کر بولا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ فحاشا سے داد طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد عمران نے کہا: ”لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر ان سوئیوں کا مقصد کیا تھا جب کہ دشکاروں میں سے ایک بھی نہ مر سکا۔ لیکن کیا اندھیرے میں چلائی جانے والی گولی ہی مجھے بخشنی دی — یہ تو شخص اتفاق تھا کہ وہ بازو ہی نہیں لگی ورنہ تھوڑی سی اور ہٹ باقی تو براہ راست وہی میں میں سوراخ ہوتا۔“

”اگر یہ بات قابل غور ہے؟“ ڈاکٹر دعا گو کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا: ”اگر میرا معاملہ ہوتا تو میں سوچتا کہ شاید وہ لوگ اس طرح مجھے اپنی خدمت پر آمادہ بنا رہے ہیں۔ خوفزدہ کر کے مجھے مجبور کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا کام کرنے پر تیار ہو جاؤں۔“



سنے میں آیا۔ یہ سنا ہے کہ اس وقت یہ کہاں کی شہر کے بچے بچے کی زبان پر ہے۔  
 ”اچھا ایک بات اور“ عمران لگا انھوں میں دیکھتا ہوا بولا ”وہ بلی کیسی تھی  
 جس کے پیچھے خوشخوار ملا اندر آیا تھا۔“

”ایک ہی جھلک دیکھ سکا تھا۔ غالباً سیاحی تھی۔ رنگ مہا تھا۔“  
 ”نجانے کیوں عمران کو ایسا محسوس ہوا جیسے قریب ہی کہیں کوئی تیسرا آدمی بھی  
 موجود ہو۔ وہ اٹھ کر تیزی سے کھڑکی کے قریب پہنچا اور سر باہر نکال کر ادھر ادھر  
 دیکھنے لگا۔ اس کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں اور یہ عقبی لان کی طرف  
 لگتی تھی۔“

دور دور تک کوئی نظر نہ آیا۔ وہ پھر اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ ڈاکٹر دعا کو  
 اسے ٹھونسنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے نظر ہٹنے ہی عمران تھوڑا سا  
 ہلکا ہوا اور پھر بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ ڈاکٹر نے پوچھا۔  
 ”کچھ نہیں اب اپنے سائے سے مجھے بھڑکنے لگا ہوں۔“  
 ”تم جیسے لوگوں کے لئے اچھی بھی بات ہے؟“ ڈاکٹر دعا کوٹہ بائیں آنکھ دبا کر کہا  
 پھر وہ دونوں ہی کچھ سوچنے لگے۔

”اب تم کیا کر سکتے؟“ ڈاکٹر نے پوچھا۔  
 ”آپ کو مشورہ دوں گا کہ ان لوگوں سے ضرور رابطہ قائم کیجیے۔“  
 ”لیکن اگر میں کسی مصیبت میں پھنس گیا تو۔۔۔“ ہوا سکتا ہے کہ۔۔۔ وہ جملہ  
 دلا کرنے سے قبل ہی خاموش ہو گیا۔

عمران اُسے ٹھونسنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ نہ بولا۔  
 دفعتاً کسی نے دروازے پر بہت ہی زوردار قسم کی دنگ لگی اور ڈاکٹر کھینچا

اور میرے ساتھ خوشامدیدی بڑھا ہے مجھے یقین ہے کہ بلی کے بچے زبردست تھے۔ لیکن زبردست  
 مہلک نہیں تھا۔ صحت کچھ دنوں کے لئے جہانی نظام معطل کر دینے کے لئے کوئی بچے  
 قسم کا زبردست تھا کہ زندہ تو رہیں لیکن ان لوگوں سے مرعوب ہو جائوں اور وہ مجھ  
 سے جو کام چاہیں لے سکیں۔“

”لیکن وہ سونیاں۔۔۔“ عمران نے پھر اپنا سوال دہرایا۔  
 ”خدا جانے۔“ ڈاکٹر اگائے کے لئے بچے میں بولا۔ اور اپنی پیشانی رکھنے لگا  
 ”غیر ماریے گولی اے عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ اب  
 اگر آپ ان کا کام کرنے پر آمادگی ظاہر کرنا چاہیں تو کسی طرح کریں گے۔“  
 ”مختصر سیولن ایبلٹ ناٹ پرفون کرے۔“ ڈاکٹر دعا کوٹہ آواز میں بولا  
 ”تو پھر آپ نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کی سطح پر تک گن ڈالی ہوں گی۔“  
 ”قدرتی بات ہے۔“  
 ”وہ کس کا نمبر ہے؟“  
 ”اپنے میاں کے حکمدار سر اسرمانی کے ایک انسپٹر کا۔“ ڈاکٹر نے تشریح کرنا  
 کن لہجے میں کہا۔

”پھر آپ نے کیا کیا۔۔۔“  
 ”میں یہ کہہ چکی اس نمبر کو آزمانے کی کوشش نہیں کی۔“  
 ”ہوں۔“ عمران متفکرانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ اب کیا ارادہ  
 ”دسمتھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔“  
 ”دو ڈورنگ سے آپ کے کیسے تعاقبات ہیں۔“

”کبھی اس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ نام اکثر سننے میں آیا ہے۔ پھر  
 جب اس کی لڑکی خدا ارے ساتھ چاہتے وقت زبردستی سونی کا شکار ہوئی تو بہت زبردستی

کر چیجا؟ کون ہے؟

”باس!“ باہر سے جوزف کی غراہٹ سنائی دی۔ وہ سفید پٹیا پہنوش ہو گئی ہے اور اس کے منہ سے کثرت رال بہہ رہی ہے۔“

یادوسی جھپک رہی تھی۔

”کک کیوں کیا بات ہے؟“ ڈاکٹر دعاگو نے ہلکا کر پوچھا۔

”اس بار قطعی امید نہیں ہے۔“

”نہیں۔“ دعاگو نے تفریباً بیچ بڑا۔ پھر اگر عمران اسے بڑھ کر دایں بازو کا سہارا دے دیتا تو شاید جیکر اگر کمر ہی کیا ہوتا۔

”لیکن۔“ لیڈی ڈاکٹر آہستہ سے بولی۔ ”اگر ایک منٹ کیلئے بھی ہوش آ گیا تو شاید اسے بچا جاسکے۔!“

”کیا زہر ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”بہت ہی مہلک۔“ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ ”لیکن اللہ کی ذات سے یابوس نہ ہونا چاہئے۔“

وہ پھر اندر چلی گئی۔

”عمران۔“ ڈاکٹر دعاگو عیسائی سوئی آواز میں بولا۔ ”ما رخصا بڑی اچھی لڑکی ہے۔ مہری کوئی اولاد نہیں۔۔۔ میں نے اسے ہمیشہ اپنی بیٹی کی طرح چاہا ہے۔“

”وہ مر گئی تو کیا ہوگا؟“ مہری زندگی کا وہ خلا دس طرح بڑھ ہوگا۔“

”حوصلہ رکھو ڈاکٹر۔ وہ واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔“

”دیکھو۔ اس کے خالص ہی کا اثر ہے کہ یہاں کا عملہ کتنی جلدی اس

کا مالوس ہو گیا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ غصوڑی دیر بعد لیڈی ڈاکٹر پھر دکھائی دی۔ اب اس نے پہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

”ہوش آگیا ہے۔ لیکن۔ لیکن۔“

”لیکن کیا؟“ ڈاکٹر بول بھلا کر کھڑا ہو گیا۔ جلدی کہہ دی۔

عمران کے ساتھ ہی ڈاکٹر دعاگو بھی دوڑ پڑھا۔ حالانکہ ڈاکٹر نے اسے کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

وہ اس وقت کمرے کے قریب پہنچے جب بیہوش مار تھا ڈاکٹر پھر بڑا ڈال کر آپریشن تھیلر کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔

عمران نے بھی اس کے منہ سے رطوبت ہتی دیکھی۔ اس پر پھر کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر اور دو نرسیں بھی تھیں۔ عمران کے استفسار پر لیڈی ڈاکٹر نے کہا: ”یہ علامت بھی زہر ہی کے ہیں۔“

وہ اسے آپریشن تھیلر میں لے گئیں۔ عمران اور ڈاکٹر دعاگو باہر ہی رک گئے تھے۔

”یر کیا مصیبت ہے۔“ عمران بڑبڑایا۔

”مصیبت ہے میری۔“ ڈاکٹر دعاگو پیشانی پر ہاتھ مار کر لولا۔ ”وہ مرد وہ بیہوش تھا۔ چاہتا ہے کہ میں وقت چاہے مجھے یا میرے متعلقین کو ختم کر سکتا ہے اور اس کا بال بھی بیکار نہ ہوگا۔!“

عمران کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں میں گہرے فکر کے آثار تھے۔

”تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد لیڈی ڈاکٹر واپس آئی۔ اس کی آنکھوں سے

”خون کتے ہوئی ہے۔ جن میں خون کے لئے بھی شامل ہیں۔ وہ آپ دونوں کو دیکھنا چاہتی ہے“

”چلو چلو... ڈاکٹر کا منتی ہوئی سی آواز میں بولا: ”عران مجھے سہارا دو۔“

میری آنکھوں میں اندھیرا چھا رہا ہے۔

وہ دونوں آپریشن ختہ میں آئے۔ مار تھا مینز ریجٹ پٹری ختی... ویران ویران

سی آنکھیں چھت کی طرف نگراں ختیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی بیٹائی کی کھوپڑی ہو۔

”مار تھا: ڈاکٹر مضطر یا انداز میں مین کی طرف بھٹا۔

”ڈاکٹر! وہ چھت سے نظر ہٹائے بغیر آہستہ سے بولی: ”عران کہاں ہے؟“

”وہ بھی ہے۔ تم کہی ہو۔“

”عران — تم ادھر آؤ بائیں جانب۔“ مار تھانے کہا اور عران پیچھا

قریب چلا گیا۔

”تم چپ کیوں ہو عران —“ اس نے اپنا بائیں ہاتھ اس کی طرف بٹھاتے

ہوئے کہا: ”میرا ہاتھ کھڑو — تم بھی ڈاکٹر۔“

دائیں ہاتھ ڈاکٹر کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن آنکھیں اب بھی چھت ہی پر تھیں۔

”تم دونوں میرے ہاتھ کھڑو۔ مجھے روک دو۔ میں مرنا نہیں چاہتی...“

ڈاکٹر اپنا من آواز دے کر مجھے بچا لو۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔

”تم زندہ نہ ہو گی بے بی۔ یہ منت سوچو۔“ ڈاکٹر جھڑپی ہوئی آواز میں بولا: اس

کی آنکھوں سے موٹے موٹے نظریے ڈھلک کر ڈاکٹر کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔

”عران بولو۔ تم چپ کیوں ہو... مجھے سننا ڈاکٹر۔“

عران صوف ختوگ نکل کر رہ گیا اس کا حسی ختہک سو گیا تھا اسچہ میں نہیں آ رہا تھا

مار سے کیا کہنا چاہئے اس کے لئے قطعی ٹی سچویشن ختی۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ مار تھا شاید ہی رنج سکے چہرے پر مردنی چھانگنی ختی اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بہت نمایاں ہو گئے تھے۔

”عم میں نے اکثر ٹری سخت باتیں کہیں کہہ دی ختیں۔ مجھے معاف کر دو عران!“

”تم ابھی سو جاؤ گی۔ بے بی۔ مطمئن رہو۔“

”مجھے یقین نہیں۔“ مار تھانے گہری سانس لی ویلکھ کر جا رہا ہے۔ ایسا عروس

رہا ہے جیسے سینہ جہنم کن گیا ہو۔ کیسی جلن ہے۔ خدا رحم کر۔ اسے خدا رحم کر۔

دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔ جتنی جلدی ممکن ہو۔ میں نے صراحت سے پانی پیا

”عم اس کا ہاتھ چھو کر کر دو وار سے کی طرف بھٹا۔

مار تھانے کر کے سے سانسے جو زوت اب بھی موجود تھا۔

”اس کے بعد سے کوئی اندر تو نہیں گیا۔“ عران نے اس سے پوچھا۔

”نہیں باس!،“ جو زوت بولا: ”وہ اب کیسی ہے“

عران جواب دینے لگا: ”کس گیا۔ سب سے پہلے صراحی پر نظر پڑی۔

مڑی میں پانی بھی موجود تھا۔ عران نے جو زوت کو آواز دی، اور اس سے کہا: ”تم

پانی مشرو۔ کہہ اندر سے بند کر لینا۔ میں ابھی آیا“

چہرہ نشینت پر کھٹنے والی کھڑکی پر نظر ڈالی جو بند ختی اور پختہ ختی بھی چڑھی ہوئی

”کیا بات ہے باس؟“ جو زوت نے تشویش کن لہجہ میں پوچھا۔

”وہ مرد ہی ہے جو زوت۔ اس بار اسے پانی میں زہر دیا گیا ہے“

”پانی میں۔“ جو زوت نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔



”اس صراہی کپانی دہر ہلا ہے؟“ عمران نے صراہی کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا۔“ جوزف حلقہ چبھا کر چیخا۔

”شہر مت چھاؤ۔ یہ سہنپالی ہے۔“ عمران نے ناخوشگوار لہجے میں کہا

”ارے اب میں بھی مرجاؤں گا؟“ جوزف خوفزدہ آواز میں بولا۔ ”تم کہتے ہو شور نہ مچاؤ۔“

”کیوں تو کیوں مرجائے گا۔“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”ابھی ابھی تو پیاتے ہیں اس میں سے پانی۔“ وہ پیٹ پر ہاتھ

چھیڑنا ہوتا بولا۔ اب کیا ہو گا۔ ارے میں مرجاؤں گا؟ میں یہیں رہیں۔ نہیں باس۔

”جھے بچا لو۔“

پھر وہ کمرے میں کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔ چاروں طرف ناچتا پھرتا تھا

عمران اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ وہ فتنہ جو زف رک کر دبا ڈرا۔ نعمت

تمہاری تہذیب اور تمدن پر۔ جان بچانے کے لئے مجھے ایک کھسی بھی نہیں

مل رہی ہے؟

”دکھی۔؟ کھسی کیا کرے گا؟“

”کھاؤں گا۔!“

عمران کو تنہی آنکھیں دیے وہ سمجھ گیا تھا کہ جوزف نے کمرنا چاہتا ہے

پھر وہ اسے ساتھ لے کر کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ پولیس انسپکٹر

مڈ چھڑ ہو گئی۔ جو اسی طرف آ رہا تھا۔

”آپ لوگ براہ کرم ہمارے سوالہ کر دیجئے۔“ اس نے عمران سے کہا۔

”صراہی کا تھیال رکھئے گا۔“ عمران بولا۔ ”یہ بھی اس میں سے پانی پی چکا ہے“

اب وہ جوزف کا ہاتھ پکڑ کر کنسٹنٹ روم کی طرف گھیسٹے لئے جا رہا تھا۔

کئی ڈاکٹروں نے جوزف کا معائنہ کر کے استغرافیہ دوایں دیں۔ اور

تیسرے ڈور کے بعد جوزف کو تہہ ہونی چاہیے کہ میا دی تجزیہ کے لئے محفوظ کر لیا گیا

کچھ انجکشن بھی دیئے گئے اور عمران کو پہلی بار معلوم ہوا کہ جوزف خود جانے

کتے فیروز کے گھاؤ سہ چکا ہو گا۔ انجکشن سے بھی ڈرتا ہے۔ انجکشن گھٹنے سے قبل

اس کے منہ پر ہوا میٹاں اڑنے لگتی تھیں۔ اور جب سوئی باز پر رکھی جاتی تو وہ

دوسری طرف منہ پھیر کر آنکھیں بند کر لیتا تھا اور پٹلا ہونٹ بھی دانتوں میں دبالتا تھا

بہر حال وہ کافی دیر تک نہ مر سکا۔ دوسری طرف عمران کو مار تھاکی موت کی

اطلاع ملی اور یہی غموم نظر آئے لگا۔ ڈاکٹر دعاگو تو بچا ڈراں کھا رہا تھا۔ بالکل

کسی ننھے سے بچے کی طرح چھوٹ چھوٹ کر رہا تھا۔

کئی گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی جوزف نہ مرا۔ اُدھر اس کی تہہ اور صراہی

کپانی کا تجزیہ بھی ہو چکا تھا۔ دونوں میں زہر کا شائبہ بھی نہ ملا۔

اسی شام کیپٹن فیاض پھر عمران کا دماغ چاٹ رہا تھا۔

”پھر وہ کیسے مری؟“ اس نے کہا۔

”زہر سے۔ لیکن وہ صراہی کے پانی میں ہرگز نہیں تھا۔“

”پانی بدلا بھی جا سکتا ہے۔“

”وہ ناممکن۔ جوزف دروازے سے ہلا بھی نہیں تھا۔“

”جوزف؟“ کیپٹن فیاض غرایا۔ ”کیا وجہ ہے کہ میں اسی پر تہہ نہ کروں؟“

”شہ نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ سوچو؟“

”وہ نہیں سمجھتا تھا۔“ فیاض کہے کچھ سوچنا ہوا بولا۔ ”اس لئے مار تھاکا

جو درداشت نہ کر سکا کیونکہ وہ شاید تمہیں پہلے لگی تھی۔“

”اس فادمولے کے تحت تو تمہیں بہت پیٹلہ ہی اپنی بیوی کے ہاتھوں قتل ہو

جانا چاہئے تھا۔ کیونکہ تم بھی مجھے بہت چاہتے ہو۔ چاہتے ہو؟  
 عمران سنجیدہ ہو جاؤ۔ دلدل میں جھپٹیں گئے ہو تم؟  
 ”اور تم بھنڈو میں جکڑا رہے ہو۔“  
 ”مجھے جوڑت کو حراست میں لینا پڑے گا۔“  
 ”مزور کو کشش کرو۔ میں خود ہی یہی چاہتا ہوں کہ کچھ دنوں کے لئے اس سے پیچھا چھوٹ جائے۔“  
 فیاض کچھ نہ بولا۔

وہ ہسپتال کے اسی کمرے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے جہاں ماد تھا مقیم تھی۔  
 ”بڑی اچھی لڑکی تھی۔“ فیاض نے تھوڑی دیر بعد کہا۔  
 ”جی! عمران چونک پڑا۔ تھوڑی دیر تک فیاض کو گھورتا رہا پھر بولا جی ہاں!  
 ”اور شاید اس کی موت کا باعث بھی تم ہی بنے ہو۔“  
 ”اجی میری دہرے تو سڑتی مہینوال، سپرد رانجھا، بیل جمنوں، ساقم طائی  
 وغیرہ سب ہی مر گئے تھے۔“

”تم سے زیادہ شقی القلب آدمی میری نظر سے ابھی تک نہیں گذرا۔“  
 ”ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے بچے ہو!“  
 ”کام کی بات کرو۔“ فیاض سمجھنا لگا۔ ”مجھے جوڑت کو گرفتار کرنا ہی پڑا۔“  
 ”میں نے کب منع کیا ہے۔ مزور کرو۔“  
 ”اور تمہاری پوزیشن بھی صاف دھوکہ۔“  
 ”پہلے ہی کب دہی ہے۔“

انتے میں جوڑت نے اندر آ کر کسی کا ملاقاتی کارڈ دیا۔  
 ”آئے دو۔“ عمران نے طویل سانس لی اور فیاض سے بولا۔ ”کرنل ڈوہرنگ۔“

دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھلا اور کرنل ڈوہرنگ اندر داخل ہوا۔  
 ”آؤ ہو۔“ اس نے فیاض کو مخاطب کر کے کہا۔ ”آپ بھی تشریف فرما ہیں۔“  
 ”ہاں!“

”ہاؤ ڈو بڈو کرنل۔“ فیاض نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرنے ہوئے کہا  
 ”شکریہ۔“ ٹھیک ہوں!“ کرنل نے کہا اور عمران کا شانہ ٹھیکنا ہوا بولا۔  
 ”شکریہ! غنیمت ہوں۔“

”میں نے سنا ہے کہ وہ لڑکی جو تمہارے ساتھ تھی زہر خوردانی کا شکار ہو گئی۔“  
 ”ہاں۔“ عمران نے طویل سانس لی۔ اور احمقانہ انداز میں اس کی  
 طرف سے دیکھتا رہا۔

”مجھے افسوس ہے!“ ڈوہرنگ نے کہا۔ ”کیا تم دونوں گہرے دوست تھے۔“  
 ”جی نہیں! ایک گہرے بھی نہیں! بس جان پہچان تھی۔ میرے گولی لگی تو یہاں  
 ٹریٹ وارڈ میں کوئی گہرہ خالی نہیں تھا۔ اس نے اپنا کمرہ پیش کر دیا۔“  
 ”خیر۔ خیر۔ وہ یقیناً کوئی نیک نفس لڑکی تھی۔“

”کلاؤ کا کیا حال ہے!“ عمران نے پوچھا۔  
 ”ٹھیک ہے۔ کیا تم اس سے نہیں ملے۔ یہیں تو ہے۔“  
 ”موقع ہی نہیں مل سکا۔ اب طوں گا۔“  
 ”میں نے تباہ تھا تمہارے شعلے۔ اسے افسوس ہے۔“  
 ”شکریہ!“

دفعہ باہر سے شور کی آواز آئی۔ جوڑت کسی سے جھکڑا کر رہا تھا! دوسری  
 پہچانی نہ جاسکی۔

”کیا مصیبت ہے؟“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”باہر ڈوہرنگ کے باڈی گارڈنگوٹا اور جوڑت کے درمیان کالیوں کا تبادلہ ہو رہا تھا! اور دونوں ایک دوسرے کو مار ڈالنے پر آمادہ نظر آ رہے تھے جوڑت تو خصوصیت سے کسی بگڑے ہوئے باغی کی مثال پیش کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خون خرابہ ہوئے بغیر ان میں سے کوئی خاموش نہ ہو سکے گا۔“

”کیا ہو رہا ہے؟“ عمران نے جوڑت کو دیکھا۔

”تم دخل مت دو باس۔ اور اگر یہ مرے تو اپنے باس کو بھی دخل انداز سے باز رکھنے کا۔“

”کیا قصہ ہے گھوٹا؟“ ڈوہرنگ غراہا۔

”کچھ نہیں باس، گھوٹا سنس کہ بولا، بیبرامی وطن ہے اور پرانا تھا اسے اس وقت کچھ پرانی باتیں یاد دلا دی تھیں۔ بس آپ سے باہر ہو گیا۔“

”کیوں یاد دلا دی تھیں پرانی باتیں؟“

”بس یاد آگئی تھیں باس، گھوٹا ڈھٹائی سے ہنستا رہا۔“

”اچھا بس خاموش۔“ ورنہ ٹھوکر دے گا۔ ڈوہرنگ نے

”جوڑت۔“ کو اس نندا، عمران ماتھا اٹھا کر بولا۔

بدقت نام وہ دونوں خاموش ہوئے۔

”فیاض نے عمران سے پوچھا۔“ اسے کتنی تنخواہ دے رہے ہو؟“

”تنخواہ۔“ عمران نے میجرانہ لہجے میں دہرایا۔ ”ارے یہ تو ولی عہد سے اپنا

راج پاٹ اسے ہی تو سنو بیٹا ہے۔“

ڈوہرنگ عمران کی طرف ماتھا بٹھا کر بولا، ”اچھا لڑکے۔ میں اب جاؤں گا۔“

عمران نے مصافحہ کر کے اسے رخصت کر دیا۔ وہ حقیقتاً بہت مصلحت تھا۔ مارتھا

توت نے اسے گہرا حد سے پیچھا پیچھا۔ وہ پیچاری خواہ مخواہ ماری گئی۔ سوچتا

نفسی سانس لے کر رہ جاتا۔

اس وقت فیاض کی موجودگی جید گراں گذر رہی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو وہ بے قائل

ان کو حکم دیتا کہ اسے اٹھا کر سڑک پر پھینک دے۔

فیاض نے بھی گویا لے کر دیا تھا کہ بیٹھا ہی رہے گا۔ خواہ خاموش ہی کیوں

بیٹھا بیٹھے۔

”پوسٹ مارٹر کی رپورٹ کب ملے گی؟“ عمران نے پوچھا۔

”مل ہی جائے گی کبھی نہ کبھی۔ لیکن برخوردار یہ بتاؤ کہ آج یہاں اس

میں کون کون آیا تھا؟“

”فہرست اس وقت بھی تمہاری حبیب ہی میں موجود ہوگی؟“ عمران نے تلخ لہجے میں کہا

”کیا مطلب۔“

”میں اٹھا نہیں ہوں فیاض صاحب۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ کے بعض

تیری عمرانی فراموش ہیں۔“

”میں مجبور ہوں؟“ فیاض نے طویل سانس لی، ”سب کچھ رحمان صاحب کے حکم

پر رہا ہے۔“

”بہر حال فہرست آپ کی حبیب میں موجود ہے۔“

”ہے تو۔“ فیاض اس کی کھجور میں دیکھتا ہوا مسکرایا، ”مجھ پر تنقید کی انتہاء

بولا، میرے پاس معقول ذبحہ موجود ہیں کہ اس سلسلے میں اس لڑکی کو

کیا جائے جو آج یہاں آئی تھی اور کچھ بات چیت ہمارے ساتھ ٹیپ ٹاپ میں تھی؟“

”جو بات معلوم کرنا پسند کروں گا۔“

”وہ رقابت کی بنا پر مارتھا کو زہر دے سکتی تھی؟“



عمران ہنس پڑا۔ دیر تک ہنستا رہا۔ پھر لولا، "جی خوش کر دیا تم نے۔ اس  
ہم جیسوں کے لئے بھی اب شہر میں قتل ہوا کریں گے۔ زندہ باد"  
"ہوں!" فیاض غرایا، "تم ہو کس خیال میں۔ وہ اب تک حراست میں لا  
چکی ہو گی۔"

"دیس باس"  
"تم جانتے ہو ڈوبہ رنگ کی بڑی کس کرے میں ہے۔"  
"نہیں باس"  
"معلوم کر کے مجھے بتاؤ"

"تمہیں بتاؤں؟ جو زلف نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔  
"ہاں کیوں؟" عمران نے بھی آنکھیں نکالیں۔  
"ابھی ایک بڑی کاسختر دیکھ چکے ہو باس — اب دوسری بھی!"  
"کیا بکتا ہے!"

"جو عورت تم سے قریب ہونے کی کوشش کرے گی اسی طرح مرجائیگی"  
"کیوں — ہاں — اے کیوں؟"  
"تم پر زولی ٹپا کا سایہ ہے"  
"زولی ٹپا — عمران بوکھلا کر بولا، "یہ کیا ہوتا ہے؟"

"جو پی ہے — ہوس کی دیوی — بہت بڑی ملعونہ ہے... جس مرد پر اس  
کا سایہ ہو جائے اس سے تعلق رکھنے والی کوئی بھی عورت زیادہ دنوں تک  
زندہ نہیں رہ سکتی"  
"تو مار تھا — کو اسی نے ختم کیا —"

"یقیناً باس —"

"اچھا —" عمران مردہ سی آوازیں بولا، "اپنی جگہ پر واپس جاؤ"  
وہ باہر جا ہی رہا تھا کہ فیاض آنکھوں اور طوفان کی طرح دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔

عمران بوڑھے مینیجے کیپٹن فیاض کو گھورے حصار کا تھا... کچھ دیر بعد آہستہ  
بولا، "اگر وہ حراست میں لے لی گئی تو آج سے خود کو دنیا کا مالکا کہہ سکتی ہیں آدمی تو  
گا۔ مانی ڈیرے ڈیٹن کیا حق —"  
"کیا مطلب؟"

"تم اسے حراست میں نہ لے سکو گے"  
"ہو نہ ہو!" فیاض کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا، "اس وقت وہ کوئی  
کی حالات میں ہو گی؟"

"دو چہرے تمہارا؟" عمران مسکرایا، "وہ لے اگر میری بات پر یقین نہ ہو تو —  
فن کر کے معلوم کر لو، اپنے اسی ماتحت سے جسے اس کا مرہم لگایا تھا"  
فیاض کی آنکھوں میں اضطراب کے آثار نظر آئے اور وہ سچ اٹھ کر کمرے  
سے باہر نکل گیا۔

اگر اس کے آدمی عمران کی نگرانی کرتے رہتے تھے تو پھر جھلا ایکس ٹوکے آدمی  
نے خود اس کے آدمیوں کی نگرانی کیوں نہ کی ہو گی۔ عمران نے اسی وقت سے فیاض  
اس کے ماتحتوں کی نگرانی شروع کر دی تھی جب ایک عین علی گڑھ رستہ کے بعض افراد

جو زف باہر نکل گیا تھا۔ لیکن فیاض کو اس طرح گھونٹا گیا تھا۔ جیسے عمران کے کسی اشارے کا منتظر ہو۔

”تم سنے اچھا نہیں کیا؟“ فیاض دانت پٹینا ہوا ہوا۔

”کیا بات ہے؟“ عمران نے پھولیں سے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔ میں تمہیں دیکھ لوں گا۔“ فیاض پھر دروازے کی طرف مڑا ہوا ہوا۔

”یہ نوٹسے ہی جاؤ کہ مارا تھا نرولی بیٹا کا شکار ہوئی تھی؟“

”کیا مطلب —“

”جو زف سے پوچھنا۔ ابھی مجھ سے کہہ رہا تھا۔“

فیاض باہر نکل گیا۔ عمران کی آنکھوں میں تشویش کے آثار تھے۔

پھر وہ جو زف اور فیاض کی آوازیں سنتا رہا۔ جو شاید کسی اختلافی

مسلے پر مہمبت ہی زور دار قسم کی بحث کر رہے تھے۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور فیاض اندر گھستا ہوا غصیلے لہجے میں بولا۔ میں نہیں

سمجھ سکتا کہ یہ دماغاش کیا بک رہا ہے؟“

”نرولی مٹی! —“ عمران نے جلدی جلدی ملیں جھپکا تے ہوئے کہا۔

”عمران میں کتنا ہوں کہ بڑے خسارے میں رہو گے؟“ فیاض اسے گھونٹ

دکھاتے ہوئے بولا۔

”گٹ آؤٹ!“ عمران آنکھیں بند کر کے دباڑا۔

فیاض کی روانگی کا اعلان دروازے بند ہونے کی گونجی آواز سے کیا۔

عمران کو اطلاع مل چکی تھی کہ ڈاکٹر دھوکا بھی ہسپتال سے فارغ العلاج

کر دیا گیا ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ یہاں سے جا بھی چکا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ برآمدے میں نکل آیا۔ بازو کی تکلیف کم ہو گئی تھی۔

دفعتاً ایک کاریڈور کے سرے پر سرسلطان کا بوڑھا اسٹینڈنٹ نظر آیا۔ شاید

ادارہ کی غیرت دریافت کرنے آیا تھا۔

عمران کو دیکھ کر اسی کی طرف چلا آیا۔

”کہئے حضرت!“ اس نے قریب پہنچ کر جھپٹے ہوئے طنز پر لہجے میں کہا۔

”شکریہ! آپ اپنی فرمائش! عجوبہ و لوازم کے مزاج اقدس...!“

”اب جا رہا ہوں؟“ وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔ پھر بائیں آنکھ و باکر بولا۔ اب

دوسرے ہی معاملات ہیں؟“

”خدا حافظ —“ عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔

وہ چلا گیا۔ عمران پھر بیٹھنے لگا۔ وہ دراصل اس کرے کی نگرانی کر رہا تھا

جہاں فون تھا۔ موقع کا منتظر تھا کہ کب فون خالی ہوا دکرے میں بھی کوئی

کچھ دیر بعد موقع مل ہی گیا۔ اس نے ساری احتیاطوں کو بالائے طاق رکھ

کر ایک زبردستی سے فون اٹھایا۔ ادھر دیکھ کر متعلق رپورٹ طلب کی۔ بلیک زیرو

نے بتایا کہ حکمہ سرا غرضانی کے متعدد بولوں سے بروقت آگاہی ہو جانے پر جو بولیا

نے رپورٹ منشی اختیار کر لی ہے۔

عمران نے اطمینان کی سانس لی اور ریسپورڈ دیکھ کر اپنے کمرے میں واپس آگیا۔

وہ رات تو سوکن سے ہی گزری تھی لیکن دوسرے دن صبح ہی صبح حکمہ

سرا غرضانی کا ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آدھکا۔ غالباً فیاض نے ہی سوچا تھا کہ پرنے

تعلقات کی بناء پر وہ عمران پر سختی نہ کر سکے گا لہذا کسی دوسرے ہی کو یہ کام سونپا جائے۔

”آپ ہی مصلحتی عمران ہیں!“ اس نے ڈگریوں کے سے انداز میں پوچھا۔ لیجیے

کا اکھڑ پٹ بہت نمایاں تھا۔

”جناب —“

”مجھے مرس جو لیانا فطر وائر کا پتہ چاہئے؟“

”عمران نے اسے پتہ بتایا۔“

”اس پتہ پر تودہ موجود نہیں ہے۔ مکان بالکل خالی ملا ہے۔“

”علاوہ دہلی اور کوئی سامان نہیں۔“

”یہ کوئی ایسی تشویشناک بات نہیں! دوسرا سامان بھی مہیا کیا جاسکتا ہے۔“

”ہوں، ڈی ایس پی اسے گھورتا مہاراجا یہ میں ابھی حال ہی میں

کسی دوسرے شہر سے بنا دلہہ پر آیا ہوں۔ مجھے علم نہیں کہ آپ رحمان صاحب

کے صاحبزادے ہیں۔ کیا سمجھے۔ جناب!“

”ملا جواب آئیڈیا ہے؟“ عمران نے اسے متوجہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا

”مجھے کچھ خیال ہے۔ آپ سیدھی طرح گفتگو کریں گے یا نہیں۔“

”دو بہتر سے تم اپنے ڈائریکٹر جنرل صاحب ہی سے پوچھ لو کہ میں کتنی سیدھی

طرح گفتگو کرتا ہوں۔“

”مجھے سے نہیں چلے گی؟“ ڈی ایس پی تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”غالباً میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے!“ عمران نے کلائی کی گھڑی دیکھ کر

”مرے عمران آپ میں کس خیال میں! آپ اس طرح کی کا پتہ بتانا ہی بڑے گا۔“

”بھرت۔“ عمران نے طنز آواز سے پکارا۔ اور دوسرے ہی لمحے میں بھرت

اندھ تھا۔ عمران نے اسے عربی میں سمجھانے کی کوشش کی کہ سامنے بیٹھا ہوا آدمی

ناخود ارادہ مہمان کی طرح سر پر مسلط ہو گیا ہے لہذا وہ کسی تدبیر سے اسے چلتا کرے۔

”مسٹر۔“ بھرت نے ڈی ایس پی کو مٹی طلب کر کے دانٹ نکالے چند لمحے خاموش

رہا۔ پھر بولا یہ آج موسم بڑا اچھا ہے۔ ہماری طرف ایک مثل کی جاتی ہے کہ ایسے وقت

میں دوسروں کو بھرت کرنے والے یا تو سید خدا رسیدہ ہوتے ہیں یا بالکل احمق۔۔۔“

”کیا کمواس ہے۔ ڈی ایس پی عمران کو گھورتا ہوا غرا یا۔“

”اسے علم نہیں ہے کہ آپ ڈی ایس پی ایس آئی ڈی ہیں اور کچھ تو میں بھی مہول عالم ہیں۔“

”اب میں تمہیں سچ سچ دیکھ لوں گا۔“

”دیکھ کسی وقت۔ اس وقت تو چلے ہی جاؤ۔ ورنہ۔“ عمران نے جھک کر پورا

نہیں کیا۔

”ابھی بات ہے۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا ”مختصر ڈی ویر بعد ایک ایمرولس

تہیں پولیس ہسپتال لے جائے گی۔“ خود کو زبردہ راست تصور کرو۔“

”جائے ہو یا میں کسی خوبصورت سی فرس کو بلاؤں۔“

”اچھا۔ اچھا۔“ دیکھوں گا!“ ڈی ایس پی یہ سچٹا ہوا باہر نکل گیا بھرت

نے اس کی پشت پر پھینکا نہ قسم کے اشارے کے اور طرح طرح کے منہ بنا کر سہنار ہوا۔

”نکل جاؤ۔“ عمران نے اسے بھی لٹکارا۔

”معاملات اچھے گئے تھے۔ اسے سنجیدگی سے سوچنا تھا۔ کوئی راہ نکالنی تھی۔ جو ایسا

کی پوزیشن خراب ہوئے تھی۔ پھر حال ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا جو اصل کام میں رکاوٹ

بھی پیدا کر سکتا تھا۔

”ہو سکتا تھا کہ ڈی ایس پی اپنی دھکی کر علی جامہ بھی پہنا دیتا۔ اسلئے جلد ہی

کچھ کرنا چاہئے تھا!“

”وہ پھر فون والے کرے کی طرف روانہ ہو گیا، اہلیک زبرد سے رابطہ قائم کر کے

کچھ ہدایات دیں اور بھرت کے قریب آکر آہستہ سے بولا: ”ایک ٹیکسی لاؤ اور غصتی

پارک میں اسے روکے رکھنا۔“



جوزف چلا گیا! سہیلیاں سے نکل بھاگنا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن وہ تہیہ کر چکا تھا کہ اب یہاں نہیں رہے گا۔  
 کچھ دیر بعد اندازہ کے مطابق اس نے فرض کر لیا کہ جوزف کی المی ہوئی شعلی عقیقہ پارک میں پہنچ گئی ہوگی۔  
 وہ شعلے کے سے اندر میں باہر نکلا اور ٹھٹھا ہی چلا گیا۔ اندازہ درست تھا جوزف ٹیکسی سمیت وہاں موجود تھا۔  
 ”بیٹھ جاؤ۔“ عمران نے اگلی نشست کی طرف اشارہ کیا اور جوزف نے چپ چاپ تعمیل کی۔  
 عمران نے کچھ لمبی نشست پر بیٹھتے ہوئے... ڈیڑھ گھنٹہ تک صابح کی کوٹھی کا پتہ بتایا۔

کچھ دیر بعد جب ٹیکسی کوٹھی کی کپڑا ٹھٹھا میں داخل ہوئی تو ٹوٹ پھوٹ گیا، کیونکہ تھوڑے صبح کے دھوپ کے لئے لٹان ہی پر موجود تھیں۔ عمران کی عمر نادمہنوں نے تو ٹیکسی ہی کی بلایوں کو شروع کر دی تھیں... پھر ایک نے دروازہ کھول کر عمران کو اپنے بازو کا سہارا پیش کیا۔ ”نریا البتہ دھوکہ کھڑی اسے اس طرح گھور رہی تھی۔ جیسے کچا ہی چبا جائے گی۔“ اور جوزف قریب ہی ”اچن شیں“ نظر آ رہا تھا۔

اور عمران نے بعد ازاں اب المائی کی یہ خوشخبری سنائی کہ اب وہ وہیں ہے گا! ”کیوں؟ کیا ہے بازو؟“ انہوں نے پوچھا۔ پھر جلدی سے بولیں ”چلو اندر چلو“ اور اس کی ایک چچا نادمہن سے بولیں ”جاؤ۔ جلدی سے بستر درست کرو“ ”اب بستر کی ضرورت نہیں!“ عمران سر ہلا کر لہو لہو کہہ دینا کہ شاید تھوڑی دیر بعد گرفتار کر لیا جاؤں۔ ڈیڑھ ہی میں ہیں یا دفتر کئے؟“  
 ”ہیں۔“ لیکن تو گرفتار نہ کیوں کر لیا جائے گا؟

”وہ لڑکی مارتھا مرگئی نا کسی نے زبردستی دیا تھا۔ ڈیڑھ کی ڈیڑھ پانچ گھنٹہ کو شہر سے کہ یہ حرکت جو لیا کی ہے... ادھر وہ کہ بخت جو لیا اپنی خالہ جان سے ملنے سوئے لڑکین چلی گئی ہے۔ اب وہ سب مجھ سے پتہ پوچھ رہے ہیں اس کا۔“ عیلا میں کیا جانو کہ اس کی خالہ جان کہاں جاتی ہیں۔  
 ”ارے آپ کو اپنی خلیا ساس کا پتہ نہیں معلوم۔“ نریا بولی۔  
 ”خ خ خلیا ساس۔“ میں نے کبھی نہیں جکھی... اُدھ تم شاید تو میٹر ساس کہنا چاہتی تھیں۔“

”بکواس بند کرو۔“ اندر جاؤ۔ تمہارے ڈیڑھ لائبریری میں ہونگے۔“  
 بیگ رحمان نے کہا۔ اور عمران نے جوزف کو کٹا کر دیشہ کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔  
 رحمان صاحب لائبریری ہی میں ملے۔ حیرت سے عمران کو دیکھا اور کھکا کر لہو لے کر ہسپتال سے کیوں چلے آئے۔“  
 ”یہاں اس کو کھٹی سے گرفتاری میرے لئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔“ اخبارات بڑی شاندار سرچشماں جا رہے تھے۔  
 ”اُدھ سمجھا۔“ رحمان صاحب غرے لے ”بیٹھ جاؤ۔“ بناؤ وہ لڑکی فطر دائرہ کہاں ہے؟

”میں نہیں جانتا۔ قسم لے لیجئے۔“  
 ”ہوں۔“ لیکن تم بھی تو شہر سے بالآخر نہیں ہو“  
 ”میں تو کہتے کے پہلے سے بھی بالآخر نہیں ہوں۔“ لیکن۔“  
 ”بکواس مت کرو۔“ تم میرے لئے بذنامی کا باعث بن رہے ہو  
 کیا کسی دوسرے شہر میں جا کر نہیں کر سکتے؟  
 ”بجوری ہے۔“ یہاں تو آپ ہی رحم کھا کر کفن و دفن کا انتظام کر دیجئے۔

و بارغیر میں مبتلا کی بھی خرابی ہو جائے گی۔“

”جاؤ۔ نکلو میاں سے“ وہ جھلکا کر کھڑے ہو گئے۔

”کوٹھلی سے؟“ عمران نے بڑے عجیبوں سے پوچھا۔

”نہیں! اس کمرے سے۔“

”ویسے بڑی ضروری باتیں کہنی نہیں“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”آخر ڈپٹی سیکرٹری نے اس وقت خود کشی کیوں کی جب آپ کا حکم اس میں دلچسپی لینے لگا تھا؟“

”دیں کئی جانوں!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خشک لہجے میں بولے  
”کیا ممکن نہیں کہ اسے اس نگرانی کا علم ہو گیا ہو؟“

”ممکن ہے۔۔۔ چہر۔۔۔؟“

”اور یہ کہ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ وہ معاملہ براہ راست وزارت خارجہ

سے تعلق رکھتا ہے۔ اور آپ نے یہ بھی اکثر سنا ہو گا کہ میں عہدہ خارجہ کی سیکرٹ

سروس کے لئے اکثر کام کرنا رہتا ہوں۔“

”ہوں؟“ رحمن صاحب اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

”اور اگر اس کام میں خلل پڑا تو۔۔۔۔۔“

”جی ہاں۔۔۔ میں جانتا ہوں آپ خاموش رہیں!“ رحمان صاحب نے

زہرے لہجے میں کہا، ”لیکن یہ تو فرما دیجئے آخر آپ نے ڈاکٹر دعا کو کبوں تاک لیا ہے؟“

”نہ ٹانگنا تو اتنے کام کی بات بہتر نہ معلوم نہ ہوتی۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”کوئی نامعلوم آدمی اسے عہدہ خارجہ کے خلاف سراغ رسانی پر مجبور کرتا

رہا ہے اس کا کہنا ہے چونکہ عہدہ خارجہ کے اکثر انیسر تمہارے زیر علاج ہیں

یہ لئے تم ان سے بہت کچھ معلوم کر سکو گے۔“

”یہ کب کی اطلاع ہے؟“

”مارتھا پرنسپل کے اثرات ظاہر ہونے سے کچھ دیر قبل اس نے مجھے یہ بات بتائی تھی“

رحمان صاحب نے قون کی طرف ہاتھ ڈھکیا یہی تھا کہ عمران بول پڑا، ”تھہرے!“

”کیوں؟“ رحمان صاحب ہاتھ روک کر مڑائے۔

”کیا آپ اسے موت کے منہ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔۔۔“

”کیوں؟“ وہ میز پر ہاتھ مار کر بولے، ”جلدی بناؤ نا میرے پاس وقت نہیں ہے“

عمران نے وہ گفتگو من وعن دہرا دی جو ان دنوں کے درمیان ہوئی تھی۔

رحمان صاحب کسی نگر میں پڑ گئے، عمران میٹھا اٹھنا نماز میں ادھر ادھر

بکھتا رہا۔ پھر اٹھا اور ہاتھ جھیلنا ہوا باہر چلا آیا۔

اس کی دونوں عمر زاد برآمد کے میں شاید اسی کی منتظر تھیں۔

”ہائے چھانی جان!“ ان میں سے ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

”یہ رنگت کیسی کھیر آئی ہے تمہاری؟“

”رہا بلیٹ آئین استعمال کر رہا ہوں آجکل۔۔۔“

”یہ کون سا آئین ہے اور دوسری نے پوچھا۔“

”ارے تم نے انتہا رہ نہیں دیکھا اخباروں میں! ہر روز ٹی سمری کے ساتھ

شائع ہوتا ہے۔ آج کے اخباروں میں سمری جاتی تھی۔ شاید یہی کیوں نہ ہوئی؟“

کالی تھی۔ لیکن صرف ہندو دن کا پاپٹ آئین استعمال کرنے کے بعد وہ شادیاں

ہو گئیں۔ اور پھر نکوٹاریاں منوں آئین کھا گئیں۔ لیکن وہی کالی۔ کالی

۔۔۔ ناس جائے۔۔۔ ہاں نہیں تو۔۔۔“

عمران نے خاموش ہو کر کسی جگہ نئی شوہر شوہر کی طرح گردن جھکی۔

”چھوٹا صاحب... وہ آپ کو پوچھتا۔“ چوکیہ ارٹنے قریب پہنچ کر عمران نے کہا۔

”کیا پوچھتا۔“

”ملاقات چاہتا... جناب“

”بلا لاؤ۔“

”نہیں۔“ ”تیرا جھلا کر بولی؟“ آپ خود کشر لیتے چاہئے“

”اچھا“ عمران نے طویل سانس لی اور چوکیہ ار کے ساتھ چل پڑا۔

جیسے ہی چھٹا کے قریب پہنچا لیفٹننٹ نے اڑیاں بجا کر اسے سیلوٹ کیا۔

”دیہ خط ہے جناب!“ لیفٹننٹ نے ایک لفافہ عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

عمران نے لفافہ لے کر جاک کیا! خط اسی کے نام تھا۔ لیورڈ کینٹنر یا پھر اسے

کر کے حبیب میں رکھتا ہوا بولا: ”کیا آپ کچھ دیر ڈرائنگ روم میں انتظار کریں

میں دیر اٹھ کر تھک کر ڈرائنگ روم میں جا رہا تھا“

”کیا ہسپتال چاہیں گے۔“

”نہیں۔ یہیں گھر پر۔“ عمران نے کہا اور اسے اپنے ساتھ ڈرائنگ

روم میں لایا۔

اسے بٹھا کر پھر لائبریری میں آیا اور رحمان صاحب کی موجودگی ہی میں ایک تیرہ

بڑے ڈرائنگ کے ماڈتھیں میں بولا: ”میں عمران ہوں۔ کیا تمہارے علاوہ

کوئی اور کو بھی علم ہے کہ کہاں ہسپتال سے کوئی پہنچ گیا ہوں۔ نہیں۔ ٹھیک....

مطری کی میکسٹروس دالوں کو بھی اس کا علم نہیں ہو سکتا؟ ہوں... اچھا....

پھر تھری ایٹکس پر رنگ کے دوائی سے پوچھ کر عمران کی طبی کے لئے کوئی

خط لکھنا نہیں چھوٹا گیا؟۔ اور معلوم کر کے فوراً ہی مجھے فائونڈیشن ڈبل تھری سکس پر

”اؤہ... جیانی جان آپ نے نوکانی ترقی کر لی ہے! کسی عربیہ ہوا  
سے ٹریننگ لی ہے شاید۔“

”میں خود کسی بیوہ سے کم ہوں۔!“

”ہائے! آپ تو زندگی کے جی نہ ہوئے! دوسری نے غناک بھی میں کہا۔

”جیانی جان زندگی کا بیوہ ہے؟“ پہلی نے پوچھا۔

”یہ بیچارہ یتیم سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ کیونکہ یتیم کے سر پر ہاتھ دھرنے والا

تو بہتر سے پیدا ہو جاتا ہے لیکن اس بیچارے کو کوئی نہیں پوچھتا“

”کیوں دماغ خواب کر رہی ہو تم لوگ اپنا پشت سے تیرا کھکھرائی“

”وہاں۔ ہاں۔ جاؤ۔ جا کر لگائی کھائی کرو۔“ عمران سر ہلا کر فرمایا: ”جنت

میں محل تعمیر ہو جائے گا تمہارے لئے“

انٹے میں جھانک سے ہار کی آواز آئی۔ ایک بہت بڑا ملٹری ٹرک

کر رہا تھا جس پر مسلح سپاہی تھے۔ عمران نے ایک لیفٹننٹ کو نیچے اترتے

دیکھا ہر چوکیہ ار کے قریب پہنچ کر اس سے کچھ کہنے لگا تھا۔

عمران نے طویل سانس لی۔ اور خوفزدہ انداز میں لوگوں کی طرف

دیکھنے لگا۔!



لوہاں بھی متحیرانہ انداز میں ایک دوسری کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

”اب خدا ہی ڈیڈی کی عزت و آبرو بچائے۔“ تیرا بڑ بڑائی۔

چوکیہ ار بآدمی کی طرف آ رہا تھا لیکن لیفٹننٹ چھٹا کے سر پر کر گیا تھا



مطلع کرو۔ جلدی۔ ”عمران نے دیکھ کر کہہ کر کھینچوں سے رحمان صاحب کی طرف دیکھا جو اسے مسلسل گھور رہا ہے تھے!

”کیا قصہ ہے۔“ انہوں نے پوچھا۔

”مجھے اسٹیشن کی ٹکڑ کے آفس میں طلب کیا گیا ہے۔“

”کیوں طلب کیا گیا ہے؟“

”مختلر جانے۔ ایک سیکرٹریٹ میں ڈائریکٹنگ روم میں میرا منتظر ہے اور ٹرک

پھاٹک پر کھڑا ہے۔“

”کیا کرتے پھر رہے ہو تم؟“ رحمان صاحب اٹھتے ہوئے غرائے۔

”بیٹھے۔ بیٹھے۔۔۔ جواب مل جائے تو یہی اس کا جواب دے سکوں گا۔“

عمران نے فون کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”فون پر کون تھا؟“

”میرا ایک شناسا۔“ عمران نے جواب دیا لیکن رحمان صاحب کی آنکھوں میں

بے اعتباری صاف نظر آئی جیسا کہ سختی تھی۔

پھر وہ دونوں ہی فون کی طرف گھورتے رہے۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ عمران نے لیس فور اٹھایا۔ دوسری طرف سے بولنے

والے کی باتوں پر ہوں کرتا رہا۔ پھر بولا: ”وائی سی کو پھر فون کرو۔“ بناؤ کہ ایک

ٹرک مسٹر رحمان کے پھاٹک پر موجود ہے اور مختلر لانے والا سیکرٹریٹ میں ڈائریکٹ

روم میں عمران کا انتظار کر رہا ہے۔“

عمران نے پھر سلسلہ منقطع کر دیا اور رحمان صاحب بولے: ”اگر تم نے مجھے

دیر تک اٹھائے رکھا تو میں۔۔۔۔!“

”ٹھہریئے۔“ بناؤ کہ اب عمران ہاتھ اٹھا کر بولا: ”وہ لوگ دراصل مجھے قتل

رہنا چاہتے ہیں۔“

”کون لوگ۔“

”وہی جن کی نگرانی آپ کا عہدہ کرتا رہا ہے۔“

”کرنل ڈومبرنگ وغیرہ۔“

”جی ہاں۔“

”لیکن ابھی تک میں ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں مل سکا ہے۔“

”جی ہاں جس کے ذریعہ واضح ثبوت مل جانے کی توقع تھی وہ تو خود کشی کر بیٹھا۔“

”تمہارا خیال درست ہے۔“

”تو پھر آپ کا عہدہ اس معاملے کو اسی جگہ ختم کر دے گا؟“

”مجبوری ہے۔“

”میں دوسرا ذریعہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔“

”کیسی۔“

”آپ کو اطلاع مل ہی چکی ہوگی کہ سر سلطان کا نیا اسٹینو بھی ان لوگوں سے ملتا ہے۔“

”ابھی حال ہی میں یہ بات بھی سنا ہے۔“

”لیکن میرا خیال ہے کہ اب وہ مختلر ہو جائیں گے۔ شاید ہی اسٹینو والی چال

باب ہو سکے۔ کیونکہ وہ ویسے بھی نہایت غلط قسم کا لگتا ہے۔“

رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے پھر بولے: ”آپ یہ فرمائیے کہ جہل شاہ کے

لے سے آپ کو کیا سروکار رہا میں جانتا ہوں کہ والی سی اس کے ایک مخصوص سیکشن

میں ہے۔“

”اور آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ والی سی عہدہ خالصتہً بھی کسی حد تک تعلق رکھتا

۔۔۔ اور اب یہ بتانا سیکرٹریٹ کو کہ میں عہدہ خارج کی سیکرٹریٹ میں اس کا ایک انفارمیشن

”میں جانتا ہوں!“ رحمان صاحب تلخ لمبے میں بولے۔ ”اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ایک انفاذ کی حیثیت سے تصرف سیکرٹ سروس سے سی رابطہ قائم کر سکتے ہو! براہ راست وائی سی سے نہیں! اس کا عجیب اثر سیکرٹ سروس کا چیف ہی ہو سکتا ہے۔“

”پتہ نہیں کیوں یہ لوگ ٹھیکہ راستے میں رہ گئے ہیں کہ میں بعض حالات میں براہ راست وزیر خارجہ سے بھی رابطہ قائم کر سکتا ہوں۔“

رحمان صاحب اسے خاموشی سے گھورتے رہے۔

کچھ دیر بعد پیر فون کی گھنٹی بجی اور دوسری طرف سے بلیک زیرو نے اطلاع دی کہ وہ اس کے احکامات کی تعمیل کر چکا ہے۔ عمران کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

”اب۔“ وہ تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”شاید ایک شاندار کھیل شروع ہو جائے۔ یہ لوگ جو ابھی کڑے جاہل گئے شاندار ان کے خلاف کریں۔“

واقعہ شہرت فراہم کر سکیں۔

رحمان صاحب کچھ نہ بولے، بدستور اسے گھورتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد کسی گوشے سے ایک شواہی چیخ ابھری۔ عمران اور رحمان صاحب جھپک کر آواز کی جانب دوڑے۔ ٹورانگ روم میں چاروں خواتین کھڑی کا نپ رہی تھیں اور لیفٹیننٹ نے ان کی جانب ریپولوزمان کھتا۔

”لاہور دار۔“ اس نے ان دونوں کو دیکھتے ہی لگا کر یہ چپ چاپ کھڑے ہو اور نہ ”ارے۔ ارے!“ عمران پوچھ لائے ہوئے انداز میں بولا۔ یہ کیا کر رہے ہو جانی صاحب۔“

”مجھے باہر نکلنے کا راستہ بتاؤ۔“ ورنہ ایک آدھ کو ضرور قتل کر دوں گا۔“

”باہر نکلنے کا راستہ؟“ عمران نے حیرت سے کہا۔ ”آپ پچھلاک ہی سے تو گذر کر نرسر ایف لائے تھے۔“ جہانی صاحب۔ اب راستہ تو چھپ رہے ہیں!“

”طرطی والوں نے کو مٹی گھیر لی ہے!“

”ارے تو نکلتا نا باہر دیکھیں گے کہ وہ تمہیں کیسے سیلوٹ کرتے ہیں!“

”میں سوچ سوچ ناز کر دوں گا۔ ورنہ مجھے کسی ایسے راستے سے باہر نکال دو۔“

بدھ طرطی ترسوا۔“

”کیا پتہ تم کیا کر رہے ہو۔“ جھلا تمہیں طرطی سے کیا خوف جب کہ خود بھی ایک طرطی آفیسر ہو!“

”میں سوچ رہا ہوں۔“

”آؤ۔“ اس نے۔ ”عمران جلدی سے بول پڑا۔“

اور جیسے ہی لیفٹیننٹ نے موکر ورنے کی طرف دیکھا۔ عمران نے اس پر پھلانگ لگا دی۔ عورتیں چیخیں لگیں۔ رحمان صاحب نے انہیں ڈانٹا۔ عمران اور لیفٹیننٹ ان پر پڑے ہوئے تھے، عمران نے دباؤ بٹھاتے ہوئے ریپولور دالا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور دبی بائیں بازو سے اس کے دوسرے ہاتھ کو ناقابل استعمال بنائے رکھنے کی کوشش بھی جاری تھی۔

رحمان صاحب اس کی مدد کو چھپے۔ اور دوسرے ہی لمحے میں ریپولور ان کے پیچھے میں تھا۔ اتنے میں ایک طرطی آفیسر بھی آوازیں دیتا ہوا اندر گھس آیا۔

تھوڑی دیر بعد پہلے آنے والا لیفٹیننٹ جھپکڑیوں سمیت نظر آیا۔

عمران تو دار و آفیسر کو الگ لے جا کر آہستہ سے بولا۔ اسے وائی سی کے سپرد کرنا ہے۔“

”بہت بہتر حجاب۔“ دیے میں وائی سی ہی کی طرف سے آیا ہوں۔“

جہلی لیفٹیننٹ کے دوسرے دس ساتھی بھی گزرتا کر لے گئے جو باہر ٹرک میں موجود تھے۔

عمران کے بازو کے زخم سے خون بہہ رہا تھا! اور بیگم رحمان ہلکے ہوئے انداز میں چیخ مری تھیں ”ارے ڈاکٹر کو فون کرو۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“  
 ”ان کی لیاقت سے ماں باپ کا کچھ غصہ نہ ہو رہا ہے!“ فریڈ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔  
 ”کیا بلوچ پھر کو اردو میں لیاقت کہتے ہیں؟“ عمران نے بڑے جھلپ سے کہا۔  
 ”جو اس بندہ کو تم لوگ — عمران — تم میرے ساتھ چلو“ رحمان صاحب غلے وہ اسے اپنے ساتھ غسل خانے میں لائے اور بازو کی چٹی کھولتے لگے پھر ایک ملازم کو آواز دے کر فرسٹ ایڈ کا بس لائے کہا ”پھر عمران سے بولے“ میرا حکم خواہ خواہ اس معاملے میں کوہ پڑا جب کہ خود حکم دھا رہے ہیں ہی سے غصا تھا۔  
 ”بالکل — بالکل —“ اپنے حکم کو اس سے الگ ہی دیکھیں۔ یہیں یہی عرض کرنے والا تھا۔

”لیکن تم؟“

”ارے میں بیچارہ کیا۔“

”مطلب یہ کہ تم بدستور دشواریوں میں مبتلا رہو گے“

”آخر کیوں۔“

”مارتھا کی زہر خورانی۔“

”ارے صاحب تو کیا میں نے؟“

”وہ بڑی جولیانا فشر واٹر کہاں غائب ہو گئی؟“

”یقین کیجئے — ڈیڑی —“

”مجھے یقین دلانے کی کوشش نہ کرو۔ اس کا پتہ تم ہی سے پوچھا جائے گا کہ پتہ نہ دے نہیں دیکھنے والی گئی تھی“

”بھلا بتائیے — میں اس کا پتہ کیسے بنا سکوں گا“

”اگر وہ خود ہی مجرم نہیں تھی تو روپوش کیوں ہو گئی؟“  
 ”لوگ غلط سمجھتے ہیں ڈیڑی! میرے کبھی کسی عورت سے ایسے تعلقات نہیں رہے کہ وہ کسی دوسری ملنے والی کو قتل کر سکے۔“  
 ”جو موت — مجھے اس کا پتہ چاہئے۔“  
 ”وہ اب آج میں بعد نماز عشاء و خطبہ پڑھ کر سوؤں گا، شاید کوئی موبل خواب میں اس کا پتہ بتا جائے۔“

”میں کتنا ہوں خاموش رہو۔“

فرسٹ ایڈ کس آگیا تھا! اور اب رحمان صاحب بازو کا زخم دیکھ رہے تھے۔

”ننداری حقائق سے میں تنگ آگیا ہوں“ وہ بڑبڑائے ”وہ بارہ آپریشن کرنا پڑے شاید زخم چھٹ گیا ہے اور اس میں کچھ مواد بھی معلوم ہوتا ہے۔“

عمران کچھ نہ بولا۔

ٹھہر چکا تو ہو گئی لیکن رحمان صاحب نے لائبریری میں اگر رسول سرحد کو

فون کیا! پھر فون رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بجی — انہوں نے ریسور اٹھا لیا اور ماؤتھ

پیس میں بولے ”لیس رحمان اسپتالک — اوہ —“ پیشانی پر ٹیکسٹس پڑ گئیں

وہ سستے رہے اور سہوں ہوں کرتے رہے پھر بولے ”ٹھیک ہے کوئی بات نہیں“

ریسیور رکھ کر وہ عمران کی طرف مڑے اور بولے ”حکمہ خرابہ سے

ہدایت ملی ہے کہ میرا حکم ان معاملات سے دستکش ہو جائے“

”نہایت معقول مشورہ ہے“ عمران خوش ہو کر بولا ”لیکن میرے

وارنٹ کا کیا ہو گا؟“

”میری وائسٹ میں اس کا کیس سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک عورت

ادھر سے ہلاک ہوئی دوسری نے روپوشی کی۔ ہم اس پر شبہ کر رہے ہیں اور ایک



ایسے آدمی کو جانتے ہیں جو اس کا پتہ یقینی طور پر جانتا ہو گا۔“

”اور اس آدمی کا ڈاکٹر کٹر جنرل صاحب سے کیا رشتہ ہے؟“

”کچھ بھی نہیں! رحمان صاحب اسے گھورتے ہوئے بولے ”مجھے دورہ برابر بھی پروا نہ ہوگی! اگر تم یہیں سے گرفتار کئے جاؤ“

”تب تو پھر مرنے کو بہت جگہ ہیں ہیں“

”تمہاری مرضی۔“ رحمان صاحب نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش

دی ”لیکن سول سرجن کے معائنے کے بعد“

”اس کی بھی کیا ضرورت ہے؟“

”یوں اس نہیں“

”سول سرجن کے علم میں لانے کی کیا ضرورت ہے کہ میں یہاں آیا تھا“

کیا رحمان صاحب کی بدنامی نہ ہوگی کہ انہوں نے ایک ہاتھ آئے ہوئے بلڈ مرک

منسل جلانے دیا۔“

”نہ مگر نہ کرو۔“ وہ ہاتھ جھٹک کر بولے ”اور اب خاموش بیٹھو۔“

کچھ دیر بعد سول سرجن بھی آ پہنچا، لیکن اس نے جتن کھانڈ نہیں کی، اور یہ پوچھا

تھا کہ کوئی کب لگی تھی اور ہیپلا آہریشن کب ہوا تھا۔

”بہتر ہے کہ آپ انہیں اسپتال میں داخل کرادیں“ سول سرجن نے

رحمان صاحب سے کہا۔

”بعض دشواریوں کی بنا پر ممکن نہیں“ رحمان صاحب نے جواب دیا۔

”تو پھر یہیں دیکھا جائے گا“

رحمان صاحب نے عمران کے فلیٹ کا پتہ بتا کر کہا ”میری دانست میں

تو وہیں مناسب ہو گا“

”جہاں آپ دریا ہیں۔ وہاں پہنچانے کے بعد مجھے مطلع کر دیجئے گا“

”شکریہ! رحمان صاحب نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اور

اس کے رخصت ہو جانے کے بعد عمران سے بولے ”تم میرے لئے ہمیشہ دشواریاں

بنا کرتے رہو گے۔ یہی مجبور ہوں فی الحال تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتا“

عمران کچھ نہ بولا۔

پھر جب یگم رحمان کو یہ معلوم ہوا کہ عمران واپس بھی جا رہے تو انہوں نے

حق سرباٹھالی اور رحمان صاحب انہیں اپنی سچ بچھانے کے سلسلے میں خاصے

تق نظر آنے لگے۔

بمشکل تمام حالات قابو میں آئے۔ اور عمران کو وہاں سے رخصت کر دیا گیا

فلپٹ میں پہنچ کر عمران نے بلیک ڈریو کو پھر فرن کیا اور اسے ہدایت کی

کارے ماتحت اس کے فلیٹ کی نگرانی کریں۔

جو رت اور سلیمان میں جھڑپ ہو گئی! سلیمان کہہ رہا تھا کہ آخر اس نے

اس حادثہ کی اطلاع کیوں نہیں دی تھی! جو رت کہہ رہا تھا کہ وہ صرف

ببا دہچی ہے لہذا اسے ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہ ہونی چاہئے۔ یہ تو

منت و خون کا معاملہ تھا۔ جس کے لئے اس جیسے سوریما کی ضرورت تھی۔

”سارے جیب جی چلے کشتی زدہ کر دیجئے“ سلیمان نے اسے لٹکایا۔

اور جب عمران نے ”سارے کھانڈو انگریزی میں کیا تو جو رت آپلے سے باہر

لایا۔ کہنے لگا یہ زندہ نہ چھوڑوں گا۔ جب میری کوئی بہن ہی نہیں تھی تو یہ مجھے

لو کیسے کہہ رہا ہے۔۔۔ نہیں باس تم دخل نہ دو۔ یہ عزت و آبرو کا معاملہ ہے

پہنچ کر کوئی بہن ہوئی تو دوسری بات تھی۔ میں بالکل خفا نہ ہوتا۔“

بمشکل تمام یہ معاملہ بھی دفع دفع ہوا۔ اور عمران نے جو رت سے کہا کہ وہ نیچے سول

سرحین اور مانجوں کا انتظار کرے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر جوزف یا خود اس نے ان کا استقبال نہ کیا تو اس کے ماتحت انہیں غلیظ میں برگزیدہ داخل ہونے دیں گے۔ جوزف کو نتیجہ بھیج کر وہ بیٹھا ہی تھا کہ فن کی گھنٹی بجی — دوسری طرف سے ڈاکٹر دعا گو بول رہا تھا۔

”کیا تم سعدی عران — میں نے ہسپتال میں فن کیا تھا! معلوم ہوا کہ تم وہاں نہیں ہو۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تمہارا زخم ٹھیک نہ ہوا ہوگا — پھر کیوں چلے آئے“

”جی اگلیا تھا،“ عران نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے!“ ڈاکٹر کی آواز عیسائی ہوئی، ”جس کے میں تمہارے ختمے وہ تواب کاٹنے کو دوڑتا ہوگا — میں مارتھا کو کبھی نہ بھلا سکوں گا — کتنی اچھی لڑکی تھی۔ تمہیں کس قدر چاہتے لگی تھی — جانتے ہو کیوں؟“

”میں نہیں جانتا۔“

”محض اس لئے کہ تمہارے گھر والے تمہاری پروا نہیں کرتے۔ اس کی عبت کا عرک دراصل جذبہ بے ہودہ دی ہوا تھا۔ کیا میں تمہارے غلیظ میں آسکتا ہوں۔۔۔ تم سے اس کی بابتیں کر کے جی ہلکا کر دوں گا۔“

”آجاؤ — ڈاکٹر — میں بھی بہت مغموم ہوں ڈاکٹر!“ عران نے کہا اور دوا

طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

لیکن اس کے آنے سے قبل ہی سول سرحین اپنے دو اسسٹنٹوں اور ایک نرس کے ساتھ وہاں پہنچ گیا! آلات جراثیمی کو پکانے کے لئے اسٹو وپریائی رکھ دیا گیا۔ نرس قبول صورت اور کم عمر تھی! تھی تو ویسی ہی لیکن آدھ بھی انگریزی لہجے میں بولنے کی کوشش کرتی تھی۔

پھر جب عران آپریشن کے لئے طری میز پر لیٹ رہا تھا! سیلان نے ڈاکٹر دعا گو

کی آمد کی اطلاع دی۔

”انہیں نشست کے کمرے میں بٹھاؤ“ عران نے کہا۔

آپریشن شروع ہوا۔ الجھا دے والے کسک نہیں تھا اس لئے زیادہ دیر نہیں لگی۔

”آپ مکمل طور پر آرام کیجئے۔ کم از کم دو دن“ سول سرحین نے عران سے کہا۔ اس بات کو اگر زیادہ جوش نہ دی جائے تو بہتر ہو گا۔“

ٹھیک اسی وقت نشست کے کمرے سے کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔

وہ سب اُدھر بھیڑے! عران بھی پیچھے تھا! نشست کے کمرے میں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ ڈاکٹر دعا گو جینٹا ہوا آدھ رفت کے دروازے کی طرف بھاگ رہا ہے وہ دروازے سے گذر کر برآمدے میں پہنچا اور اسی طرح دوڑتا ہوا زینے طے کرنے لگا۔ عران وینہر جہاں تھے وہیں رہے۔

انہوں نے دھڑکی سے دیکھا کہ دعا گو بالکل اسی انداز میں شرک پر بھی دوڑا جا رہا ہے۔ حالانکہ اس کی کار وہیں کھڑی تھی۔



عران کھڑکی سے سر نکال کر جینٹا ”پکڑو — پکڑو —!“

”اے جناب — آپ براہ کرم بیٹھو — سول سرحین نے اس کا دابنا بازو پکڑ کر خود ابگاہ کی طرف گھبٹتے ہوئے کہا۔ ”یہ کون تھا۔ کیوں بھاگا اس طرح!“

”ایک مظلوم آدمی — عران نے ٹھنڈی سانس لی۔۔۔ مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ کھڑکی سے سر نکال کر چیخنے کا مطلب یہی تھا کہ اس کے ماتحت ڈاکٹر دعا گو کی طرف صرف متوجہ ہو جائیں بلکہ ان میں سے کوئی اس کا تعاقب بھی کرے۔“

سول سرحن اسے بیڈروم میں لایا اور خود ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بیڑیا  
 ”یاد نہیں پڑتا کہ اسے کہاں دیکھا تھا“  
 ”اے آپ شہر کی اس مشہور زنجیریستی کو نہیں جانتے! عمران کاؤ  
 بننے سے ٹیک لگتا ہوا کہ ابا بیڑیا کڑ دھاگو تھا“  
 سول سرحن نے بڑا سامنے بنا کر سر کو جھکا دیا اور دفتر آمیز لہجے میں بولا: ”جگلا“  
 ”م۔ مگر جناب۔ پبلک توفیق باب ہو رہی ہے“  
 ”تو ہم پرستوں کے جنگل میں اور کیا ہو گا؟“  
 ”مجھے تو بھی میرت ہے۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔  
 ”اؤ تو بار بار لوگوں کو میں اس میں یقین نہیں رکھتا کہ زیادہ تر جھپٹانی  
 اہل نفس کی وجہ ذہنی ہوتی ہے۔ اور انہیں محض اپنی قوت ارادی کی مدد سے یا خود کو  
 دوسروں کی قوت ارادی کے حوالے کر کے دھوکا دیا جاسکتا ہے“  
 ”وہ تو ثابت کر دیتا ہے جناب۔“  
 ”زبانی یا عملی طور پر۔“  
 ”زبانی ہی سہی۔ لیکن یہ بھی مشکل کام ہے۔“  
 ”کیا آپ نے اس کا کوئی کیس کامیاب ہونے دیکھا ہے؟“ سول سرحن نے پوچھا۔  
 ”مجھے ہی دیکھ لیجئے! ہندوؤں کی آواز سن کر چار بان کی کے نیچے دیک جانا تھا  
 اب دیکھئے کہ بازو پر دیوالوری کی گولی کا ترخم لے بیٹھا ہوں!“  
 ”یہ تو کوئی بات نہ ہوتی۔ آپ کے ہاتھ میں بھی دیوالوری ہوتا تو بات  
 بھی حتمی!“ سول سرحن ہنس کر بولا: ”اچھا جناب میں پھر عرض کروں گا کہ براہ کرم  
 احتیاط برتنے ورنہ زحمت میں پڑ جائیے گا۔ کم از کم ایک ہفتہ اور آرام کیجئے!“  
 ”یقیناً۔ یقیناً۔ عمران سر ہلا کر بولا۔“

”آپ کی دیکھ بھال کون کرے گا؟“ سول سرحن نے چاروں طرف دیکھتے  
 ہوئے پوچھا۔  
 ”وہ تو میں خود ہی کر لیتا ہوں۔ جی ہاں!“ عمران کے چہرے پر حقائق بکھر گئی  
 ”بگ صاحب کہاں ہیں۔“  
 ”انہوں نے تو نہ آنے کی قسم کھا رکھی ہے۔“  
 ”مائی کے میں ہیں۔“  
 ”جی ابھی تو مائی کے میں بھی نہیں ہیں۔“  
 ”ابھی شادی نہیں ہوئی سہرا؟“ ترس نے ہنس کر کہا۔  
 ”خیر۔ خیر۔ تم ان کی دیکھ بھال کرو گی!“ سول سرحن اٹھتا ہوا بولا  
 ”اوسے سہرا؟“ ترس نے کہا۔  
 سول سرحن کے کہانے کے بعد عمران بڑی دیر تک غیالات میں کھویا رہا۔  
 ہاتھ دھاگوں میں بھاگا تھا اس طرح؟ اس پر کیا گذری ہوگی؟ کیا اس کے  
 ماتحت اس کا شاہ سپر کر دھاگو کا تاقب کر سکے ہوں گے؟  
 دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور ترس کرسی سے اٹھ کر فون کی طرف چھٹی۔  
 ”یہ فون ادھر اٹھا دو۔“ عمران نے اس سے کہا۔  
 فون پر دیک کر زبرد تھا۔ نہ جانے کیوں اسوقت اس نے ایکس ٹو والے  
 مخصوص فون پر رابطہ نہیں قائم کیا تھا۔  
 ”ہلو۔“ عمران نے مانتہ نہیں میں کہا: ”کیوں؟ اس نمبر پر کیوں؟“  
 ”میں نے کہا... ممکن ہے...“  
 ”کچھ نہیں۔ محتاط رہو۔ اگر کوئی ضروری بات ہو تو۔“  
 دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور عمران دوسرے کمرے میں جانے



کے لئے بلیک سے اترنے لگا۔

”دیکھئے۔ جناب!“ نرس اٹھتی ہوئی بولی یہ زیادتی ہے۔  
 ”ایک منٹ!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا میں ابھی آیا۔ تم یہیں بٹھرو۔  
 وہ ایک منٹ کے قریب کے رہے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ کھنٹی بجی۔  
 دوسری طرف سے بلیک زیر و بول رہا تھا۔ صفدر نے اطلاع دی ہے کہ  
 کچھ دیر پہلے ڈاکٹر دعا گو آپ سے غلیٹ سے سخت بیمار ہوا تھا اور ایک طرف  
 دوڑا تھا کیا تھا۔ صفدر اور چوہان اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔  
 ”تمہیں کس سے اطلاع ملی ہے؟“ عمران نے پوچھا۔  
 ”ساجد جی نے“

”کیا اس کی کاراب بھی غلیٹ کے سامنے موجود ہے؟“

”جی ہاں!“ دوسری طرف سے جواب ملا۔ تنویر اور خاور اس کی دیکھ

بھال کر رہے ہیں۔

”متھوڑے متھوڑے وقفے سے مجھ سے رابطہ قائم کرو۔“ عمران نے کہا اور  
 سلسلہ منقطع کر دیا۔

کمرے میں واپس آیا تو نرس بولی ”دیکھئے جناب! آپ کتنی جلدی ڈاکٹر کی  
 ہدایات بھول گئے۔“

”سب یاد ہیں۔“ عمران احتجاجاً انداز میں بولا۔

”پھر آپ ان پر عمل کیوں نہیں کرتے۔“

”آپ کب تک رہیں گی یہاں!“ عمران نے مغوم سے پوچھا۔

”جب تک سول سرجن صاحب چاہیں گے۔“ نرس نے جواب دیا۔

یہ ایک نو عمر اور شوخ قسم کی لڑکی تھی۔ انکھوں سے چھپنا لپکتا تھا۔ جب

بات کرتی تو آنکھوں میں کچھ اسی قسم کی چمک پیدا ہو جاتی جیسے مخاطب کا منہ  
 اڑا رہی ہو۔

عمران مسہری بریٹ گیا کچھ دیر بعد اس نے نرس سے کہا ”ریڈیو پر کٹرل  
 نرس سننا چاہتو تھی کہ کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ حالانکہ اشتہارات سننے کے  
 ثبوت ہیں مجھے خواہ مخواہ تا تک شکر اور نور جہاں وغیرہ کو بھی معہم کرنا پڑتا ہے۔“

”معہم کرنا پڑتا ہے؟“ نرس نے حیرت سے کہا۔

”اور کیا لگانا نہ سوتو وہ اشتہارات بھی نہیں سناتے۔“

”کیا لٹا اور نور جہاں آپ کو پسند نہیں؟“

”وہ تو بہت پسند ہیں لیکن گاتی کیوں ہیں!“ عمران نے غیصے لہجے میں کہا

”ارے واہ۔ بھلا آپ کو کیوں برا لگتا ہے؟“

”معمول صورت عورتوں کو گاتے دیکھ کر بیدار ہوتا ہے مجھے۔“

”آہ کیوں؟“

”پتہ نہیں! خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔“

نرس نے ہنس کر ریڈیو کھول دیا۔ ذرا دیر بعد آواز آئی ”گرم سالہ ہانڈیوں  
 زینت ہے... مولوی داؤد علی اینڈ کمپنی کا گرم سالہ سرنگھوٹوں میں خریدیے۔“

”اور اس کے بعد“ نہ چھڑا سکو گے دامن....؟“

”لاحول ولا قوۃ۔“ عمران کا دل میں انگلیاں مٹوش کر چینا۔ تقریباً چھ

بچے یہ عورت دامن پکڑے ہوئے ہے... چچا ہی نہیں چھوڑتی کسی طرح....

”الہ آباد تو موت ہی دے دے... ہر ٹکڑوں میں... شادی بیاہ کے موقعوں پر...“

”اپر... جہاں دیکھو دامن پکڑے کھڑی ہے۔ کہاں جاؤں میرے معبود۔!“

عمران دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگا۔

”ارے ارے —“ ترس ہوا کھل کر اس کی طرف جھپٹی ”یہ... یہ... کیا...“

ارے میں ریڈر پونڈ کئے دیتی ہوں —“

”نہیں —“ عمران گلگڑاوازیں بولا ”اشتہارات بھی تو ہونے ہیں۔ ابھی

میرالینڈ یہ اشتہار تو ہوا ہی نہیں —“

”کون سا —“

نرس نے مختصر انداز میں پلکیں جھپکائی ہیں۔

”یہ میرا باورچی ہے۔ ایم ایس سی ٹی ایس سی آکسن — لیکن اسے اپنے فن

سے پیار ہے... فن کی خدمت کے لئے یہ اتنی لمبی لمبی ڈوگریوں پر لات مار کر جواب

دیتی کر رہا ہے — کیا تو رہ پکا تلبے ظالم... ایک بار تو منگ کی دال کے

رستے کھلا دیئے تھے مجھے — اب تک کئی قسم کے سالن ایجاد کر چکا ہے۔ آجے

وہ کون سی ماٹری ہوئی ہے جس میں ساری ترکاریاں میٹین اور گوبر سمیت

ڈالتی ہیں“

”جی دیوانی مان رہا ہے —“ سلیمان نے جڑی شائستگی سے جواب دیا۔

”یہ تو کوئی نئی چیز نہیں!“ ترس بولی۔

”اور کوفتوں میں مسور کی دال —“

”بیتہ نہیں —“

”اگر یہ چاول میں شوربہ لگا دیتا ہے“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا ”اور

ہنسے کر جرمی میں یہ ڈوش بھاپک ڈوشا کھلاتی ہے“

”کیا واقعی — یہ سائینس کے ڈاکٹر ہیں“

”بالکل بالکل — شوقیہ کھانا پکاتا ہے... یہاں کھانا پکانے کے بعد

پورسٹی میں کلاسز بھی لیتا ہے — دہاں پارٹ ٹائم ٹیچر لگا ہوا ہے“

”نہیں —“ وہ ہنس جڑی ”آپ مذاق کر رہے ہیں!“

”انبالہ سویٹ میٹ والا... رستہ چلوہ والا... ٹیکو فلاتند والا... اور

شیمس ملانی والا... سنٹوش حبشی حلوہ والا... اور... اور... جلیبی...

جلیبی... جلیبی والا بھی تو کچھ تھا!“

ترس ہنستی رہی... اور جب عمران چپ ہوا تو وہ بولی ”آپ تو بہت دلچپ

آدی ہیں!“

”ہوں نہیں بلکہ کبھی تھا — جب سے یہ حبشی باڈی کا رڈ بنا ہے دن کو کبھی

ہنسی نہیں آتی —“

”کیوں دن کو کیوں؟“

”رات کو انتہائی درجہ روشنی میں بھی وہ مجھے نظر نہیں آتا“

”آپ کرتے کیا ہیں —“

”گولیاں کھا کر آرام کرتا ہوں —“

”میں گالیاں سمجھتی تھی —“

”سمجھنے کو تو آپ سبایاں بھی سمجھ سکتی ہیں —“

”شادی کیوں نہیں ہوئی“

”مدیٹرک پاس کئے بغیر کیسے ہو جاتی“ عمران رو دینے کے سے انداز میں بولا۔

”تو وہ ایم ایس سی ٹی ایس سی صاحب کون ہیں جن کی نیم پلیٹ دروازے

”کیوں ہے۔“ عمران نے سلیمان کو لکھارا۔

”ان کا کھانا بھی کچے کا۔“ سلیمان نے دانت دبے۔

”ان کا... نہیں ان کے لئے بھی۔“ عمران نے متاسفانہ لہجے میں کہا  
”انگریزی میں سائینس پڑھنے کی وجہ سے تیری اردو کمزور ہو گئی... خیر مولوی  
تفضل علی سے مدد لیں گے“

”پکاؤں کیا؟“

”یہ علت بُری ہے۔“ عمران نے نرمی کی طرح دیکھ کر کہا ”تانا مجھے ہی  
پڑتا ہے کہ یہ پکائے کیا۔ یہاں اس کی ساری سائینس دھری رہ جاتی ہے! اسی خوف  
سے آپ تک شادی نہیں کی تھی کہ بیوی صبح ہی صبح بھاتی پرسوار ہو کر کہہ پھاؤں  
کاغذ لگا کر دے گی۔ لیکن یہ کہ سخت تو بیوی سے بھی بدتر نکلا“

”یک بیک وہ جو اس کرتے کرتے ہونک پڑا۔“ سلیمان کو اشارہ کیا کہ فون  
والی میز منہ ہری کے قریب کھسکا لائے۔

فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے۔ اور ماؤ تھ پیس میں لولا پیٹ می آن ٹولان  
سی ایس... بھینکس۔“ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر لولا بھوکرن لڈو ڈو لڈو  
لیکن وہ میٹھی ہوئی سی آواز میں بولا تھا۔ ویسی ہی جیسی ایکس ٹو کارول ادا کرتے وقت  
حلق سے نکالتا تھا۔

”ہوں“ وہ کنارہ مارا ”اُس آدمی نے کیا بتایا۔ میں اس جعلی لیٹینٹ کے  
متعلق پوچھ رہا ہوں جو کچھ دیر پہلے تمہاری تحریل میں دیا گیا ہے“

”ابھی اس نے کچھ بھی نہیں بتایا، دوسری طرف سے آواز آئی۔  
”ٹرک میں کتنے آدمی تھے“

”وس ایکن وہ کچھ نہیں جانتے! مزدور ہیں۔ وس رہبر فی کس دے کر وردی ہوتا  
”وس ایکن وہ کچھ نہیں جانتے! مزدور ہیں۔ وس رہبر فی کس دے کر وردی ہوتا

ای گئی تھی جس جگہ کی نشاندہی انہوں نے کی تھی وہاں چھاپہ مارا گیا لیکن عمارت  
خالی ملی۔ مالک مکان نے بتایا کہ عرصہ سے خالی پڑی ہے اور تینا زعفر ہے  
سی دوسرے دعویدار سے اُسی عمارت کے سلسلے میں مقدمہ بازی بھی ہو  
ہی ہے۔ لیکن وہ اس مزدوری پر انہیں آمادہ کرنے والوں کی نشاندہی نہیں کر  
سکتا۔ بیان کے مطابق وہ قین تھے!“

”وہ قینوں انہیں کہاں ملے تھے!“ عمران نے پوچھا۔

”ارے وہ دراصل عمارتی کام کرنے والے مزدور ہیں! اُن کے ایک اوٹے  
انہیں پکڑا گیا تھا“

”کیا وہ ان قینوں کے حلیے بھی نہیں بنا سکے!“

”اس سے زیادہ نہیں کہ وہ قینوں بچان تھے اور اُن کی گھٹی اور چٹھی  
بھی بچھنی تھیں۔ قینوں نے کہاں قسم کے لباس پہن رکھے تھے۔  
”لیٹینٹ کے ہارے میں کیا کہتے ہیں!“

”وہ انہیں اُسی عمارت میں پہلے سے موجود ملا تھا!“

”اچھا! اسے تم دانش منزل بھی یاد۔!“

”مہبت بہتر۔ اور کچھ؟“

”نہیں شکریہ۔“ عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا  
”اس آواز بدل کر گفتگو کرنے کی وجہ ضرور پوچھے گی! لہذا وہ سلیمان سے بھی  
بھی سوئی آواز میں گفتگو کرنے لگا۔

”یہ آپ کی آواز کو یک بیک کیا ہو گیا؟“ نرمس نے پوچھا۔  
”تھک گئی ہے۔“ عمران ٹڑٹڑایا۔

”یک بیک۔ اس طرح کلام بیٹھتے نہیں دیکھا“



”بیان تمہیں ہر چیز عجیب ملے گی؟“  
 پھر دوسرے کمرے سے ایس ٹو والے فون کی گھنٹی کی آواز آئی۔ اور عمران  
 اٹھنے لگا۔  
 ”ٹھہریے میں دیکھ لیتی ہوں! پچیس تو دن رکھ چھوڑے ہیں آپ نے“

نرس بولی۔  
 ”نہیں۔ شکریہ۔“ عمران نے مسہری سے چھلانگ لگائی اور  
 نرس بے اعتبار سیخ اٹھی۔ اسے اس طرح نہیں پچھیں بگاڑیں گے آپ؟  
 عمران جھپٹتا ہوا کمرے میں آیا! قرن پر دوسری طرف ایک زیرو تھا۔!  
 ”کیا خبر ہے؟“  
 ”ڈاکٹر دھاگو دوبارہ ہسپتال پہنچا دیا گیا! وہ اسی طرح دوڑتا ہوا آگیا۔“  
 ”پھر اسے تک آیا تھا اور وہاں جانوروں کے بانی پرینے کے حوص میں چھلانگ  
 لگا دی تھی۔ نکالا گیا تو ہوش تھا؟“  
 ”وہ ہوں۔ شبانہ کھنا کہ ہر شے آنے پر وہ کیا بیان دیتا ہے؟“  
 ”بہت بہتر خواب۔“  
 ”عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔“

”کمرے میں واپس آیا تو سیدیمان نے اطلاع دی کہ ڈرائنگ روم میں  
 کوئی روکی اس کی منتظر ہے۔“  
 ”یورپین معلوم ہوتی ہے؟“ درس نے پُر اشتیاق جیسے میں کہا  
 ”ارے باپ رے؟ عمران پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔  
 ”کیوں کیا بات ہے۔“  
 ”کچھ نہیں۔“

”آپ وہاں نہیں جاسکتے۔ یہیں بیٹھے مسہری پر اور اسے یاد نہیں  
 دلائے۔ یا میں کہے دیتی ہوں کہ مریض کے لئے نقل و حرکت منع ہے۔“  
 عمران سوچ میں ڈر گیا! کون ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ مردہ سی آواز میں بولا۔  
 ”چاہا نہیں لاؤ۔“

اور پھر اس یورپین لڑکی کو دیکھ کر عمران کی آنکھوں میں خون اتر آیا! بیکر وہ  
 لانا خطرہ ڈال رہی تھی! بہت سی معمولی قسم کے میک اپ ہیں۔ ایسا معمولی میک اپ  
 کہ قریب سے جانتے والے یقیناً طور پر پہچان لیتے۔  
 ”تم کیوں آئی ہو؟“ اس نے جھلٹاتے ہوئے بے میں کہا۔  
 ”تمہیں دیکھنے۔ تمہاری خیریت معلوم کرنے۔“ جو لائے منور ہے میں

”چلو۔“ اور اگر فیاض کو تمہاری خیریت معلوم ہو گئی تو۔“  
 ”کیا یہ ممکن ہے کہ وہ مجھے گرفتار کر سکیں؟“  
 ”قطعی۔“ جھلٹاتی ہو کر کہے گا۔“  
 ”کچھ بھی ہو! عموماً مجھے یہ آج نہیں تو نہیں چھین سکتا۔!“  
 ”اے عمو! دفع ہو جاؤ! یہاں سے جلدی۔“ ورنہ اگر اس ایس ٹو کے  
 اطلاع ہو گئی تو۔۔۔“

”کچھ بھی ہو میں تو نہیں جاؤں گی۔ یہیں قیام کروں گی۔ اسی فلیٹ میں  
 بچے تم۔ میں اسے پسند نہیں کرتی کہ تم روکیوں کے چکر میں گولیاں کھاتے پھرو۔“  
 ”تم کیوں کہنے لگتی ہو؟ اس رات ہسپتال میں سب کچھ معلوم کر چکی ہوں۔ مانتا  
 ہے کہ تمہیں بلایا تھا کہ اسے خیریت نہیں آرہی؟“  
 ”عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی۔ سیلیمان باہر سے آگیا

ہی، لیکن شاید یورپین نہیں ہیں۔“

”عمران میں مسجد کے سے کہہ رہا ہوں کہ جو کیا کا پتہ بتا دو۔ ورنہ بڑے  
نصرا سے میں رہو گے۔“

”آپ کے لئے شائے لاؤ۔“ عمران نے سلیمان سے کہا۔

سلیمان کچن کی طرف چلا گیا، فیاض قہر آلود نظروں سے عمران کو گھور رہا تھا  
”بہتر ہوتا کہ آپ لیٹ کر گفتگو کرتے۔“ ترس نے عمران کو لٹکا دیا  
فیاض کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہی تھی۔

”اُوہ۔۔۔ ٹھیک ہے۔ شکر یہ!۔“ عمران تکیے سے ٹپک لگا کر نیم دراز  
ہو گیا۔

فیاض نے سکریٹ سلگائی اور عمران کو پھر گھورنے لگا! لیکن عمران نے  
اسکی طرف دیکھا تک نہیں!

”تم ہسپتال سے کوٹھی کیوں چلے گئے تھے؟“ فیاض نے کچھ دیر بعد پوچھا  
عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا: قبرستان کا راستہ ادھر ہی سے گزرتا ہے  
”دیگر۔۔۔ فیاض سر مل کر بولا: لیکن وہ کیا منگامہ تھا؟“

”شباباش!“ عمران اسے تھبین آئینہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ پوری  
طرح باخبر ہوا! لیکن کیا کل تمہارے بالوں سے تمہک وزارت خارجہ کے اسقامات،  
نہیں پہنچائے؟“

”مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تو ماہ تھا۔۔۔“

”بب۔۔۔ باس۔“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا: ”وہ معاملہ بھی غفریب۔۔۔“  
عمران کا منہ حیرت سے کھل گیا اور وہ جملہ بھی پورا نہ کر سکا۔ کیونکہ جو لیا ارا  
”دیکھ لو۔“ عمران نے ترس کی طرف اشارہ کر کے کہا: ”یہ بھی ہیں تو انٹر وائٹ پاسنی اصلی شکل میں کر رہے ہیں داخل ہو رہی تھی۔“

اور واپسی اطلاع دی کہ کپٹن فیاض ڈرائنگ روم میں اس کا منتظر ہے۔  
”اب بتاؤ۔۔۔؟“ عمران نے جو لیا سے پوچھا۔



جو لیا شرارت آمیز انداز میں مسکرائی، اور بولی: ”تم ٹھکر کر دو۔ مجھے اس سلسلے  
میں اکیس ٹوسے کوئی ہدایت نہیں ملتی تھی۔“ فیاض نے اطلاع دی کہ کپٹن فیاض نے  
سے پوچھ کر کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اس وقت یہ پوشی ہی مناسب سمجھی تھی۔  
لیکن اب۔۔۔“

”لیکن اب کیا۔“

”تم کیوں پورے رہے ہو۔۔۔ یہیں بلاؤ اسے۔“  
”اچھی بات ہے!“ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔ اور سلیمان کو اشارہ  
کیا کہ وہ فیاض کو بلالائے۔

جو لیا چند لمحے کچھ سوچتی رہی اور پھر فیاض کے آئے سے قبل ہی کچھ  
کی طرف چلی گئی! فیاض آیا اور ترس کو گھورتا ہوا ایک کرسی کے بہتے  
ٹپک گیا۔ وہ اب بھی ترس ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔  
”میں نے کہا،“ عمران کھکا کر بولا: ”میرا خیال ہے کہ تم میری عیادت  
آئے ہو!“

”آں۔“ فیاض جو ٹپک ٹپک تھوڑا سا مسکرایا پھر بولا: ”ابھی  
قبل یہاں ایک یورپین لڑکی آئی تھی۔“

”دیکھ لو۔“ عمران نے ترس کی طرف اشارہ کر کے کہا: ”یہ بھی ہیں تو انٹر وائٹ پاسنی اصلی شکل میں کر رہے ہیں داخل ہو رہی تھی۔“

فیاض تو بکھلا کر اٹھ ہی گیا۔

”ہلو۔۔۔ جو لیا پڑ مسرت لمحے میں بولی یہ سہم شاید پھیلے دنوں ٹپ ٹاپ میں ملے تھے۔ اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بھی بڑھا دیا۔

فیاض جس کے چہرے پر سراپا کی گئی کے آثار صاف پڑے جاسکتے تھے اس سے مصافحہ کرنا بڑا بولا۔ ”جی ہاں۔ جی ہاں۔ اس دن آپ بڑے غصے میں تھیں۔“

”وہ تو اس وقت بھی تھی؟“ جو لیا اٹھلائی۔ لیکن...!

”تشریف رکھئے!“ فیاض خالی کرسی کی طرف دوڑتی ہاتھ پھیلا کر قدرے

جھکتا ہوا بولا۔

”شکریہ۔۔۔ جو لیا بڑے دلاویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

عمران احتقانہ انداز میں ملیں جھپکاتا رہا۔ پھر دفعتاً انہیں ان کے حال

پر چھوڑ کر نرس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا۔“ اس نے نرس سے کہا۔ ”ہمارے ملک میں

گھسیاروں کو کچھ کام بہ تعلیم بنا دیا جاتا ہے... اور وہ کم عمر کے بچوں پر غفلت قسم

کے مضامین کی گھنٹوں لادنے چلے جاتے ہیں... ابھی حال ہی میں دوسری حالت

کے ایک بچے سے اس کے تعاب کے متعلق پوچھ بیٹھا تھا... اس نے بتایا کہ وہ

اُردو، انگریزی، سوشل اسٹڈی، ارتھ سائنس، نیچر اسٹڈی، اسلامیات، آرٹ

ایڈ کرافٹ اور ہوائی جہاز وغیرہ وغیرہ پڑھتا ہے... ذرا سوچو تو کیا شہر ہوگا،

اُس کا۔ کیا وہ بچپن ہی سے سو سنی پڑھتی ہیں نہیں مبتلا ہو جائے گا۔ کیا انکا ہٹ

اور مایوسی اس کی زندگی کے اجزاء لازم نہیں بن جائیں گی۔ کیا اس کی تخلیقی

صلاحیتیں کندہ ہو جائیں گی۔ اور پھر کیا مستقبل اسے محض ایک کلرک بنا کر رکھ

دے گا۔“

”آپ شاید کمرشل سروس کا تذکرہ کر رہے تھے؟“ نرس نے اُسے ٹوکا۔

”وہی ہے۔ وہی ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ابھی تک آپ لوگ گانا سن

رہے تھے اب اشتہارات سنئے۔“ قوم کی تعبیر پر ریشہ روت کیا جا رہا ہے...

”چاہتے ہیں کہ ملک میں ایک بھی ان پڑھ نظر نہ آئے۔ سب کے سب منشی تامل

ہو جائیں۔ اس لئے ماہرین تعلیم کی خدمات حاصل کی ہیں جو قوم کے لئے بہت

پھی گات کھیلنے ہیں اور اپنے بچوں کو حصول علم کے لئے عموماً سمندر پار بھیج دیتے

ہیں۔“

اُدھر جو لیا فیاض سے کہہ رہی تھی۔ ”آخر یہاں اس نرس کی کیا ضرورت تھی“

”واقعی فضول بات ہے!“ فیاض سر ہلا کر بڑے خلوص سے بولا تھا۔

”مگر یہ حضرت تو کہہ رہے تھے کہ آپ نے زبردستی ان کے سر منڈھ دی ہے!“

”میں نے۔۔۔“ فیاض نے حیرت سے کہا اور پھر فیصلے انداز میں عمران کی

زبان مڑا۔ عمران نے ان کی گفتگو سن لی تھی اس لئے خود بھی چند سنجیدہ نظر آنے

لگا تھا۔

”کیوں؟ کیا کبوا اس کو ٹائیٹم لگے۔“ فیاض غریبا۔

”ہاں پھر کیا کہتا۔“ عمران اُردو میں گلے لگایا۔ ”ہو گئی تھی سر پر سوار اور

پور کرنے لگی تھی کہ یہاں نرس کی کیا ضرورت۔ میں نے مرعوب کرنے کے لئے تمہارا

نام سے دیا تھا!“

”خیر۔ خیر۔ کوئی بات نہیں!“ فیاض گروں اکڑا کر بولا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ نرس نے رسیوور اٹھا کر کچھ سنا... اور عمران سے

بولی۔ ”کسی کیپٹن فیاض کے لئے ہے؟“



”ادھر لائیے۔“ فیاض نے رسیبور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

تھوڑی دیر تک کچھ سنتا اور ہاں ہاں کرتا رہا پھر رسیبور لکھ کر عمران کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

عمران سمجھ گیا تھا کہ اسے کوئی اہم اطلاع ملی ہے۔ لیکن جب فیاض نے یہاں سے ٹھوکر دھاگوں کے ذرا کا تیز چھٹو دبا تو اسے بڑی ہلکی ہوئی۔

”پڑنی بات ہوئی مانی ڈیڑھ۔“ عمران مغموم لہجے میں بولا یہاں میرا آپریشن ہو رہا ہے وہ آیا اور ڈرائنگ روم میں میٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ پھر سمجھے اس کی جھنجھکیاں سنیں نہیں اور ان لوگوں کی باریاں ہے کہ وہ دھڑک پڑو گتا چلا گیا۔ دیکھ اس کی گاڑی شاید اب بھی نیچے موجود ہے۔“

وہ وہ کیوں چیخا تھا۔“  
عمران ٹھنڈی سانس لے کر کہا: ”دونوں طرف تھی آگ برا بھلا ہوئی۔“  
ادھر میرا آپریشن ہوا ادھر اس کی چیخ نکلی۔۔۔ لا ماشا واللہ“

فیاض نہ جانے کیوں خاموش رہ گیا۔ ورنہ چہرے پر تو تڑپ لے رہی کے

نظر آئے تھے۔“  
”میں آپ سے کسی مسئلے پر کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ جویلیا کی طرف مڑ کر بولا۔

”ہزور۔ ہزور۔“ جویلیا اٹھتی ہوئی بولی ”یہاں تو وہ بہت جھپٹے

چلے ڈرائنگ روم میں چلیں۔“

عمران نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور نرس کی طرف متوجہ ہو کر

”آخر میں کیوں موضوع بحث بن گئی ہوں شباب!“ نرس نے شکایت

لہجے میں پوچھا۔

”اُوہ تم کچھ خیال نہ کرنا۔ یہاں میرے علاوہ ہر شخص پاگل ہے۔

”یہ لڑکی کون ہے“

”لڑکی ہے۔“

”اس نے بھی یہاں میری موجودگی پر اعتراض کیا تھا۔“

”سب جانتا ہے۔“

نرس خاموش ہو گئی۔ اتنے میں سلیمان نے آکر پرائیویٹ فون پر کسی کال کی

اطلاع دی، سلیمان اس معاملے میں مہبت مختار تھا۔ اگر آپریشن فیاض جیسا

کوئی آدمی فلیٹ میں موجود نہ ہوتا تو وہ پرائیویٹ فون کا سسٹم بدل دیتا تھا! اس

تبدیل شدہ سسٹم کے تحت فون پر گھنٹی بجنے کی بجائے باورچی خانے میں لگے ہوئے

بند سے ہلکی سی آواز نکلتی۔

اس وقت بھی جی ہوا تھا۔ عمران نے اس سے کہا کہ وہ ٹکڑ کرے۔ اسکا مطلب

یہی تھا کہ وہ کال رسیبور نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ بعد میں ٹیپ کیا ہوا پیغام سن

لے گا۔

تھوڑی دیر بعد فیاض اور جویلیا واپس آ گئے۔ جویلیا کے ہونٹوں پر ناتواں سی

مسکراہٹ تھی۔ عمران نے اس کی نظر بجا کر فیاض کو آنکھ ماری اور فیاض بھی

مسکرنے لگا۔

جویلیا ٹوٹی چھوٹی آدو میں سلیمان کو ڈانٹ رہی تھی کہ اس نے ابھی تک چائے

کیوں تیار نہیں کی۔

فیاض بالکل خاموش تھا۔ جویلیا ہی جھپک رہی تھی۔ اس نے نرس سے پوچھ چاڑ

کی اور نرس نے اکھڑی اکھڑی انگریزی میں ہلکا کر کہا: ”میں انگریزی سمجھ تو لیتی ہوں

لیکن بول نہیں سکتی۔“

”میرزا خیال ہے کہ اب یہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔“ جو لیلے نے کہا۔

”میں سول سرجن کے حکم کی پابند ہوں۔“

”یہ کیا کہہ رہی ہے۔“ جو لیلے نے عمران سے پوچھا۔

”وہی جو تم سن رہی ہو،“ عمران نے شانے سکڑے۔

”اپنی قسمت پر ناز کرو بیٹے،“ فیاض نے فارسی میں کہا۔

”وہ فارسی میں مشکل ہے،“ عمران نے فارسی ہی میں جواب دیا اور جو لیلے سے

انگریزی میں پوچھ بیٹھا، ”تمہارے چہرے عجائی لگا کیا نام ہے؟“

”میرزا کوئی چھوٹا عجائی نہیں ہے۔“

”اب بتاؤ۔“ عمران نے فیاض کو مخاطب کیا

”کیونکہ اس ہے۔“ فیاض جھینپ کر بولا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر اٹھ

ہوئے کہا، ”اچھا مس فٹر، وائٹراب اجازت دیجئے۔“

”ارے واہ یہ کیسے ممکن ہے۔“ میٹھے چائے آرہی ہے۔“

”نہیں انہیں اب جانے ہی دو،“ عمران بول پڑا، ”اگر چائے کے ساتھ

سموسے بھی کھلا دیئے تو یہ سارے شہر میں مکھڑی کہتے پھریں گے۔“

”میں تمہارا سر توڑ دوں گا،“ فیاض دانستہ پس کر دو میں بولا۔

”عمران پھر نرس کی طرف دیکھنے لگا تھا جو شاید دم مال سے اٹھ جانا چاہتی تھی۔

”تم ذرا میرے ساتھ بیٹھو،“ باورچی کی خبر لے لو۔“ عمران نے اس سے

کہا اور وہ سنتی ہوئی اٹھ گئی۔

”میں سرجن کہتی ہوں۔“ اگر یہ نرس غصہ ڈری دیر اور یہاں رہی تو میں اس

پوری عمارت کو آٹ پلٹ کر رکھ دوں گی۔“ جو لیلے نے کہا۔

”عورت ہو۔“ باورچی نے جبر سے کہا۔

”میں بڑی دیر سے برواشت کر رہی ہوں،“ فیاض بولا، ”تم مستقل طور پر

مس فٹر وائٹراب کی توہین کئے جا رہے ہو۔“

”عمران کچھ نہ بولا۔ وہ سویرج رہا تھا۔ پتہ نہیں جو لیلے اب کیا کر گزری ہے اب کہاں

تو فیاض اسے چھائی پر چڑھا دینا چاہتا تھا اور کہاں اب یہ خوش نغلیاں! وہ

تو سمجھتا تھا کہ جو لیلے پر اس کی نظر پڑے ہی جہاں تجارت شروع ہو جائے گی۔

گھر کے قضا پر خاموشی مسلط تھی۔ اتنے میں چائے آگئی لیکن نرس نہیں

آئی تھی۔ سلیمان ٹرائی دھکیلتا ہوا قریب آیا۔

”عمران بڑی الجھن میں تھا۔ سویرج رہا تھا کہ کہیں جو لیلے نہیں رہ پڑے

پر نہ مل جائے ایسی صورت میں بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔

چائے کے دوران میں اس نے فیاض سے کہا، ”ان مختصر کا وارنٹ کہاں ہے؟“

”وارنٹ۔“ کیا بک رہے ہو؟“ فیاض نے غصیلے لیے میں کہا۔

”وہاں تھا کہ زہر خورانی کے سلسلے میں۔“

”وہاں ہے جھٹی۔“ ارے میں صرت پوچھ کچھ کرنا چاہتا تھا!۔“

”اؤ ہو۔“ عمران سیٹھی مہانے کے سے انداز میں ہونٹ سکڑ کر رہ گیا۔

”کیا قصہ تھا۔“ جو لیلے نے مہال میں چھپ چلائے ہوئے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں!۔“ فیاض جلدی سے بولا، ”میں نے ان سے آپ کے بارے

میں پوچھا یہ حضرت پتہ نہیں کیا سمجھ بیٹھے۔ وارنٹ... لا حول ولا قوۃ۔“

”بکھلا ہٹ میں وہ انگریزی جملے کے اختتام پر عربی ہی بول گیا تھا۔

عمران نے طویل سانس لی اور سلیمان سے نرس کے متعلق پوچھا۔ اس نے

بتایا کہ وہ باورچی خانے ہی میں چائے پئے گی۔

چلنے کی فیاض رخصت ہو گیا۔ اور جو لیلے بے تماشا تہمت لگاتے تھے

کر دیئے۔ کچھ کہے بغیر منہ ہی چلی گئی۔ پھر لولی بے سچ میں نہیں آتا اس گھسے کو پیر ٹنڈٹ کس نے بنا دیا ہے؟  
 ”اے تم میرے ملنے میرے کسی دوست کی تو بہن نہیں کر سکتیں؟“  
 ”تمہارے سارے دوست تم سے زیادہ گھسے ہیں۔“  
 ”تم بھی دشمن تو نہیں۔“

”مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں نے مادھیا کے گھر میں کوئی غیر معمولی بات تو نہیں دیکھی تھی۔ بالکل اس انداز میں گفتگو کرتا رہا تھا جیسے اسے تمہارے خاندان کی عورتوں پر شبہ ہو! خصوصیت سے نریا کے متعلق“۔  
 ”کہ وہ صراحی کی طرف تو نہیں گئی تھی۔“

”اُسے پوچھنا ہی چاہئے۔ فرض ٹھہرا۔“

”اور تم اسے اپنا دوست کہہ رہے ہو؟“

”وہ تو پھر رحمان صاحب کو باپ بھی نہ کہوں جنہوں نے میری گرفتاری کی نیاریاں مکمل کر رکھی تھیں۔“

”اچھا،“ جولیا نے حیرت سے کہا۔ ”پھر۔“

”دفتر خارجہ سے پٹھان پڑی۔ سیدھے ہو گئے۔“

”وہ دعا گو کا کیا قصہ تھا۔“

”وہی جو تم سن چکی ہو۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا۔“  
 ”فون کی گھنٹی بجی۔“

”عمران نے ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھایا۔ دوسری طرف سے رحمان صاحب بول رہے تھے۔“

”آپریشن کیسے رہا؟“

”ٹھیک ہے جناب!“ عمران نے جواب دیا۔

”اگر تم فلیٹ سے باہر نکلے تو اچھا نہ ہوگا۔“

”جی۔ نہیں نکلوں گا۔“

”تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکو گے!“

”میں جانتا ہوں کہ آپ کا حکم اس وقت میرے فلیٹ میں بہت دلچسپی لے رہا ہے۔“

”ہوں۔ بس!“ دوسری طرف سے رحمان صاحب غرغرائے اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ ریسور کر ڈیل پر ڈال دیا اور جولیا کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”کون تھا؟“ جولیا نے پوچھا۔

”دوسرا ہی دنیا کا باپ۔“

”یعنی تمہارا باپ۔“ جولیا مضحکہ انداز میں ہنس پڑی۔

عمران مایوسی سے سر ہلاتا ہوا لپٹ گیا۔

”یہ زخم کب ٹھیک ہوگا؟“ جولیا نے پوچھا۔

”دمت پور کرو۔“

”وہ روکے مجھے ہمیشہ یاد رہے گی!“ جولیا نے چہیتے ہوئے زہر تلے لہجے میں کہا۔

”کے لئے تم تین بجے رات گولی کھانے گئے تھے۔“

”تم اتنی بے دردیوں ہو جو جولیا۔ میں اس معصوم لڑکی کے لئے سچ پچ

ہوں۔“

”منہ منہ ہو۔ منہ منہ۔“ جولیا ایک دم بھڑک اٹھی۔ ”تم۔“

”بھئی بھئی۔ تم اسے پناہ دے کر بھانا چاہتے تھے۔“

”اور بس۔“



طو کریں ماروں گا۔“

وہ نہیں باکس تم دخل نہ دو۔“ جو زف غصا یا یہ نطفہ حرام مجھے عورت کے سامنے پھینتا ہے۔ مار ڈالوں گا۔“

”نہیں سنا۔“ دیکھ جو زف ہیں اس کی پرہیزگاری نہیں کروں گا کہ زخمی ہوں۔“ جو زف اچھل کر آگاہ ہٹ گیا اور سیمان نے جھپٹ کر بھڑکی کاٹنے والا چھڑا ایک سے نکال لیا۔

”خبردار۔“ اوسیمان۔“ ناہنجار۔!“

”مار ڈالوں گا سارے کو۔“ آپ نہ بولنے۔“

عمران نے آگے بڑھ کر دبانے ہاتھ سے لے دھکا دیا اور وہ میز سے جا ٹکرا۔

”کھال کھینچ لوں گا۔“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

سیمان چھڑا اٹھی میں دبانے کھڑا ہاں تیار ہا۔

عمران نے نمس کو اشارہ کیا کہ وہ بھی کمرے میں جائے۔

جب وہ چل گئی تو عمران نے سیمان کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے کہا ”موقع عمل بھی دیکھا کر۔!“

”بس صاحب جانیئے۔“ مجھے زیادہ بور نہ کیجئے۔ سارے کو اگر کھانے میں

جال گور نہ دیا تو کچھ بھی نہ کیا۔“

”ہاں۔“ اب قاعدے کی بات کی تو نے۔ اگر یہ دیکھو کہ مقابل تم سے ٹکرا

ہے تو ہمیشہ لیٹ چھپ سارے گزیرو۔! جال گور۔“ اب تو نے ظاہر کر کے

اپنی ذہانت۔ بس اب چل چو لے ہانڈی میں۔“

ہمے سمجھا کہ پھر خواب کا وہیں آیا۔ یہاں ترس اور جو لیا ایک دوسرے سے کچھ

کھنکھنے کی کوشش میں مشغول نظر آئیں۔

”چلو سی سہی! کیا میں اپنی اسکیٹیں خیل ہوتے دیکھ کر مغوم نہیں ہو سکتا!

جو لیا کرا سامنے بندے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ پھر ایک بیک بولی! اچھا

اس ترس کو رخصت کرو۔ اس کی موجودگی قطعی ضروری نہیں ہے۔“

”یہ سول سرجن کی طرف سے مجھے پرمسلط کی گئی ہے۔ سول سرجن نہیں بلکہ جملی

صاحب کی طرف سے!“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“

”پھر میری دیکھ بھال کون کرے گا۔“

”دیکھ بھال۔“ دیکھ بھال۔“ سیمان اور جو زف کافی ہیں۔“

”اڈہ تو مرتے وقت بھی اسی ناہنجار حبشی کی شکل سامنے رہے گی۔“

عمران نے بے بسی سے کہا۔

جو لیا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ باورچی خانے سے مختلف قسم کی آوازوں کا طوفان

سامنے پڑا۔ سیمان اور جو زف کی آوازیں۔ اور سریلی سی نسوانی چہنیں بھی اٹھا

ساتھ دے رہی تھیں۔ عمران بوجھلا کر اٹھ بیٹھا۔!



پھر وہ باورچی خانے کی طرف چپٹا۔ جو لیا چھپے تھی۔

باورچی خانے میں خاصی ابتری نظر آئی۔ جو زف سیمان پر چڑھا بیٹھا کھڑا

سے اس کی تواضع کر رہا تھا! سیمان کے حلقے سے آدھوری گالیال جھیل رہی تھیں اور

ترس دوڑکھڑی پیچھے جا رہی تھی۔!

”اے اڈہ۔“ مردود۔“ عمران دبا ہوا یہ کیا ہو رہا ہے۔ چھوڑ اسے وہ

جو زفت پشت کے کرے میں بیٹھا باپ رہا تھا! عران کو دیکھ کر اس نے سر اٹھایا اُسے گھونٹا رہا لیکن کچھ بولا نہیں! —  
 ”اپنی سزا سنو! عران عزایہ ایک ہفتہ تک تم پر اس گھر کا کھانا پانی حرام ہے۔“  
 ”کیوں؟“

”بس میری مرضی۔ اس کے خلاف ہوا تو کھال تار دوں گا! جسے۔ یہاں کا پانی بھی نہ پینا ایک ہفتہ تک!“

”اچھا۔!“ اس نے غصیلی آواز میں کہا اور دوسری طرف منہ پھیر لیا۔  
 بو کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس قسم کی جھڑپیں آٹھ دن ہوتی رہتی تھیں۔  
 عران چہرہ خواہنگاہ میں واپس آیا۔

”یہ تم نے کیوں اپنی مٹی پلید کر رکھی ہے!“ جو لیلے اُس سے کہا۔  
 ”بھڑا روں باہر ہی جگر سن چکا ہوں۔ اب کوئی نئی بات کہو۔“  
 ”یہ نلیٹ قصاب کی دوکان معلوم ہوتا ہے؟“

”بہر حال کچھ معلوم تو ہوتا ہے۔ جو بالکل کچھ معلوم ہونے سے بہتر ہے۔“  
 ”میں اب یہیں رہوں گی۔“

”بس پھر دیکھنا کہ یہ نلیٹ آئندہ کیا معلوم ہوگا۔“  
 ”میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔“

”میں کب غیر سنجیدہ ہوں۔“

”اُدھ۔ براہ کرم آپ لیٹ جائیے جناب!“ نرس نے کہا۔

”شکریہ!“ عران مہربانی پر دلزدہ ہوتا ہوا بولا۔ لیکن وہ پراثریوٹ فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر پر ایک زیرو کا پیغام سننے کے لئے بے چین تھا! سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح یہ عوارض پوری کرے۔

اتنے میں سلیمان نے آکر کہا: ”صاحب! آؤ گئے کی جھٹی دیجئے۔“  
 ”کیوں؟“

”جہاں گولہ بیٹے جا رہا ہوں۔“

”بلے کیوں شامت آئی ہے۔“

”جنہیں صاحب میں تو نہیں مانوں گا۔“

”اچھی بات ہے۔ دفعہ ہوا جو۔“

سلیمان کے جانے کے بعد عران نے جو لیلے سے پوچھا: ”تم کب جاؤ گی؟“  
 ”لیکن میرے جانے کے بعد جو زفت تو موجود ہی رہے گا۔“ جو لیلے نے زہریلے لہجے میں کہا۔ اور معنی نیز نظروں سے نرس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ اس کا مطلب سمجھ رہی تھی اور اس کے کان کی یونین بک سرخ ہو گئی تھیں۔

عران کھلا کر بولا: ”اس کم سخت کو بھی نکال باہر کروں گا۔“

”یہیں نہیں رہوں گی۔“

”مگر وہ کھانا کے مزاج کے خلاف ہوا تو۔“

”میری بچی زندگی میں کوئی بھی فیصل نہیں ہو سکتا!“ جو لیلے جھلا کر بولی۔

”تمہاری مرضی!“ عران نے بے لکھی سے کہا۔ اگر لے ورہ بلا رہی موقوف مل رہا تو وہ اپنے بچی ہی فون پر ایک زیرو سے رابطہ قائم کر کے اُسے سچویشن سے آگاہ کرتے کرتے کہتا کہ وہ ایس ٹو کی آواز میں جویا کو کھانا طب کرے اور اس سے کہے کہ وہ عران کی نلیٹ سے چلی جائے۔

”کیا سوچنے لگے۔“ جو لیلے چھڑا۔

”یہ سوچ رہا ہوں کہ شادی ہی کر لینے میں عافیت ہے۔“

”صرف سوچ ہی سوچ کر کیوں رہ جاتے ہو۔“

”کوئی معقول لڑکی نہیں مل سکی“

”دیکھو لڑکی چاہیئے؟“

”میری پسند کی فہرست طویل ہے۔ مجھلا ایسی لڑکی ہونی چاہئے...!“

”جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی جو عزت احازت طلب کر کے کرے میں گھس آیا۔“

”اب میں کیا کروں؟“ اس نے جاہلی لے کر کہا۔ ”بقیہ تین تو میں بھی گھر ہی

میں رکھی ہیں۔ بیٹوں یا نہ پڑیں۔“

”کیا بکواس کر رہا ہے؟“ سب نے چہرے پر مسکرائیں۔

”میرے علاوہ یہاں اور سب پاگل ہیں!“ عمران چڑخا اور پھر جوزف سے

بولایا۔ ”شراب پر کوئی باندی نہیں ہے!“

”تھینکس باکس!“ اس نے ایڑیاں میاں میں اور ڈرائنگ روم کی طرف

مڑ گیا۔

اسی وقت فرن کی گھنٹی بجی۔ عمران نے ریسپورڈ اٹھا یا دوسری طرف سے

کوئی نیا ملک۔ ”مشرعران، مشرعران“ کی ہانک لگائے جا رہا تھا۔

”عمران اسپیکنگ!“ عمران نے ناک میحوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ شاید وہ

آواز پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

”وڈو ہرنگ۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”تو باڈو ڈو باڈو۔“

”اؤکے۔“ بولے۔ ”ابھی تمہارے باپ سے تمہارا فیہ معلوم کیا تھا! کیسے

ہو؟ تمہارے باپ نے تباہ کر دیا کہ آپریشن ہوا ہے۔“ مہبت لاپرواہ ہوئی۔

”آرام کرو۔“

”دشکریم! میں آرام ہی کر رہا ہوں۔“

”کھلا راقم سے ملنا چاہتی ہے۔“

”ارے باپ رے!“ عمران نے ترس اور جو سب کی طرف دیکھتے ہوئے اردو

میں کہا۔

”کیا کہا۔“ دہراؤ۔

”کچھ نہیں چھپکا آنے والی تھی۔“

”کھلا راجھی ٹھیک ہے۔ تم اپنی رہائش گاہ کا محل وقوع بتاؤ۔ کھلا راجھی آئے

گی۔ وہ تمہیں مہبت پسند کرنے لگی ہے۔“

عمران اسے اپنے فلیٹ کا محل وقوع سمجھانے لگا!

”چہرہ دہ ریسپورڈ کہہ کر ایسے اغمازیں کر رہا جیسے ہم ہی تو نکل رہا ہو۔“

”کیوں کیا بات۔“ ترس نے پوچھا کہ پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“

”ترجمہ میں سبکدوش تو نہیں۔“

”نہیں۔“

”کوئی آ رہا ہے کیا۔“ چیلر نے پوچھا۔ ”نہ کسی کو گھر کا پتہ بتا رہے تھے۔“

”کھلا راجو ہرنگ مزاج پر سی کے ملے آ رہی ہے۔“

”کیوں آ رہی ہے۔“ میرا خیال ہے کہ تمہاری اس سے ملاقات محض اتفاقاً تھی!“

”حق تو اتفاقاً ہی۔“ لیکن دوسرے اتفاقات بھی پیش آ سکتے ہیں۔“

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو!“

”میں تو آرام کر رہا ہوں۔“ عمران نے بڑی معصومیت سے کہا۔

”جو سب خاموش رہ کر ہر کسے گھورنے لگی۔“

”نہ آرام نہیں کر رہے بلکہ آہستہ آہستہ جہنم رسید ہو رہے ہو۔“ وہ کچھ دیر بعد



غزائی۔

”چلو یہی سمجھ لو! جین تو لینے وہ کسی طرح۔“

بولیبا چھوٹی میٹھی رہی۔ چہرہ قسری دیر بعد اٹھی۔ دینٹی بیگ اٹھایا اور کچھ بکے سے بغیر باہر چلی گئی۔

عران نے حالانکہ اطمینان کی سانس لی لیکن حقیقتاً مطمئن نہیں ہو گیا تھا جو اس سے ابھی طرح واقف تھا! کسی مسئلے پر نظر ہر سیر ڈال دینے کے باوجود بھی وہ دائر گھات سے باز نہیں آتی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے جوزف کو آواز دی۔ اور اس کے آنے پر ہولا ”تم دروازے پر بٹھو۔ اگر جو گیا دوبارہ اندر داخل ہونے کی کوشش کرے تو کال لگاؤں و باؤنڈ“

جوزف تعجبی انداز میں سر ہلا کر واپس چلا گیا۔

”یہ کون صاحبہ تھیں۔“ نرس نے عران سے پوچھا۔

”نام معقول تھیں نا۔“ خود عران پوچھ بیٹھا۔

”نوج۔“ جی۔ بھلا میں کیا جانوں؟ وہ منہ پٹری۔

”یہ دنیا بڑی صاحبیت جگہ ہے۔“ عران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اگر

یہاں کسی پر کوئی احسان کرو۔ تو وہ قریبی اسکادہ چکا دینا چاہتا ہے۔ ان

صاحبہ کو کل ہی میں نے مہینت پور کیا تھا لہذا اب وہ مجی۔“

”مہینت بے تکلف معلوم ہوتی ہیں۔“

”معلوم نہیں ہوتیں بلکہ ہیں۔“ عران نے دردناک لہجے میں کہا۔

”وہیے آپ! انہیں منہ نہیں لگانا چاہتے۔ کیوں؟ میں نے یہی محسوس کیا ہے۔“

”تمہارا خیال کسی حد تک درست ہے۔“

”اب کوئی دوسری صاحبہ بھی آ رہی ہیں۔“

”ہاں! کیا تم اس سلسلے میں مگرمند ہو؟“

”نہیں۔ لیکن آخر اس عورت نے میرے ساتھ تو میں آمیز زنا فرمایا کیا تھا۔“

”نہیں تو۔“ عران نے جرات سے کہا۔ ”میں نے نہیں محسوس کیا ورنہ۔“

”آخر وہ مجھے یہاں سے بھگا دینے پر کیوں تل گئی تھی۔“

”بھگا تو نہیں سکی۔ تم نے محسوس نہیں کیا۔۔۔ فن پر جس بڑی کی آمد کی اطلاع

ملی تھی اس کے متعلق بھی تو وہ مہبت کچھ کہتی سنتی رہی تھی۔“

”یہ حیا معلوم ہوتی ہے۔“ میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کی ذرہ برابر بھی پرماء

دہیں ہے۔“

”دیب بالکل بالکل۔“ عران نے کہا اور آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔

”کیا بات ہے۔“

”پراسس گل ہے شائد۔“

”خیر! میں پانی لاتی ہوں۔“ اس نے کہا اور کمرے سے بھیل گئی۔ عران نے

بھیلٹ کر فون پر پیکٹ کر کے فریڈ ایل کئے اور دوسری طرف سے جواب ملنے

پر جلد ہی جلدی کہنے لگا۔

”دیکھو جو گیا کو میرے فلیٹ میں آئے۔“ باز رکھو!۔۔۔ ایس ٹو کی آواز میں منہ بند

کر سکتے ہو۔“ ہاں! وہ اب اپنے فلیٹ ہی میں مل سکے گی۔ ابھی ابھی یہاں

سے اٹھ کر گئی ہے۔“

ریسپور رکھ کر وہ کمرے کی طرف متوجہ ہو گیا جو پانی کا گلاس لئے کمرے میں داخل

ہو رہی تھی۔ اس وقت کال بل کی آواز بھی گونجی۔ عران نے پانی کا گلاس بیتے ہوئے

کہا۔ ”ذرا دیکھنا تو کون ہے۔“

لیکن دوسرے ہی لمحوں میں جوزف کسی کا ملاقاتی کا ڈولے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

”میں آج بہت مغموم ہوں“ استاد نے کہا: ”تو کم کی بد حالی نے مجھے پریشان کر رکھا ہے“

”نرس اچھے کر چلی گئی اور استاد نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ پھر اس طرح چونکے جیسے کوئی خاص بات یاد آتی ہو۔ ادھر ادھر دیکھ کر گرجے جیسے اور اہستہ سے بولے: ”یہ دوسری کب آئی۔“

”آئی جاتی ہی رہتی ہیں!“ عمران نے لا پرواہی سے کہا۔ پھر بولا: ”مگر آپ مغموم کیوں ہیں۔ میرے خیال سے تو قوم میں شیک شکاک ہی ہے“

”نہیں جناب! یہ بے پردگی۔ یہ ڈسے ٹیڈیاں... میں عنقریب چ کرنے چلا جاؤں گا۔“

”ہوا کیا؟ — کوئی خاص حادثہ۔“

”جی ہاں — کل رینو میں موٹی شو دیکھنے چلا گیا تھا۔ دیر ہو گئی تھی کھیل شروع ہو چکا تھا۔ ہلے کیا فلم ہے۔ ڈاکٹر نو دہی آپ نے۔ سالے لوٹہ یا کر چوڑی دار پا جاہر پنا دیتے ہیں۔“

”چوڑی دار پا جاہر نہیں استاد — اُسے جہن کہتے ہیں۔“ عمران نے کہا۔

”چلے جہن ہی سہی... ہاں تو کھیل شروع ہو چکا تھا۔ دوڑ کیوں کے پاس جگہ ملی جس کے ساتھ کوئی مرد نہیں تھا...“

”میرے پاس والی ٹوکی اچھے سے میں چمک رہی تھی۔ اسی معلوم ہوا جیسے میں اسے پہلے ہی کہیں دیکھ چکا ہوں۔ لہذا فلم دیکھنے کی بجائے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ ایک بیک وہ اپنی ساتھی سے بولی دیکھ لو کم بخت بار بار پاگلوں کی طرح گھومنے لگتا ہے۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے تم ادھر جاؤ

یہ بات آتی ادنیٰ آواز میں کہی گئی تھی کہ میں بھی سن سکوں — انظرول میں انہوں نے مجھیں بدل میں — دوسری ٹوکی بڑی تیز نکلی... میری طرف منہ کر کے بیٹھ گئی اور اس

کارڈ پر نظر پڑے ہی اس نے ٹھنڈی سانس لی — کارڈ پر تحریر تھا: ”اما الجاہل“

”قتیل ادب استاد محبوب ترے عالم —

”بلالو —“ عمران کراہا

اور استاد ابھی سچ دیکھ میں نظر آئے کہ عمران آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا شہزادی کی بجائے پتلون وجیکٹ اور شادی میں تھے — کانٹے سے چنے کا ختیلا لٹک رہا تھا۔ ہاتھ میں بیٹن کا ممبر تو — جس میں منہ ڈال کر ”پنا لوگ“ کی آوازیں لگاتے تھے۔

”سنا بے گولی لگ گئی ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”عظیم سنا ہے استاد — نشر لیت رکھیے۔“

لیکن استاد نشر لیت کہاں رکھتے۔ وہ تو کھجیوں سے نرس کو دیکھ کر رہے تھے۔

”میں نے کہا استاد —“

”جی — جی اے!“ استاد چونک کر بولے — ”آج میں از دانش سیدگان کا مقبرہ

مصلوب ہوں —“

عمران نے اس طرح سر ہلایا جیسے پوری بات سمجھ میں آگئی ہو: اکثر استاد پر بڑے

بڑے بڑے ناما نویس الفاظ لے کر دورہ پڑتا تھا اور وہ عمل استعمال کی پروا نہ لیتے

بے مکان اس قسم کے الفاظ لڑھکاتے چلے جاتے تھے — کبھی کبھی نئے الفاظ بھی ڈھالتے

اس قسم کے دورے عموماً اسی وقت پڑتے تھے جب اس پاس کوئی عورت بھی موجود ہو —

”گولی کیسے لگی۔“

”ہم لگ گئی کسی طرح“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا: ”آپ سنا بیٹے کیسی

گزر رہی ہے“

”رات کو کھٹکوں کی وجہ سے نیند نہیں آتی“

”یہاں کھٹکوں کے دھوئے کی وجہ سے نیند نہیں آتی“

طرح نگہ کرنے لگی جیسے چھاڑ ہی تو کھانے کی۔ پھر کہنے لگی۔ مودیکہ لو اچھی طرح تاکہ میں سے قلم تو دیکھ سکے۔ عمران مجھائی میرا تو دم ہی نکل گیا۔ ارے باپ۔ ارے باپ۔  
”مجھے آپ سے جملہ دوسری ہے استاد!“ عمران نے تشہید کی سے کہا۔

اتنے میں ترس پھر واپس آگئی اور استاد بولے ”انسانی تہذیب کی مہذب بائی اور مسکونی مناکحت مہبت ضروری ہے۔ غالب، ذوق، داغ و حیدر نے شرف بائی انھاریت کی تفتیل میں کوئی گہر نہیں اٹھا کھی مٹی لیکن تجھ دی ضابطہ کی اشترا قیت مشرقی اعراب کی سند نہیں“

”واللہ آپ نے نوشہری میں صنعت متول الجھان پیدا کر دی استاد۔  
عمران نے خوش ہو کر کہا۔

”میں غالب کو بھی لگا دے سکتا ہوں“

”بیشک۔ بیشک۔ استاد دلچسپ لڑک تو سنا دو۔“

استاد نے جو تپڑ اٹھا کر منہ سے لگایا اور شروع ہو گئے۔

پی۔ ای۔ سی۔ ایچ کے حسین۔۔۔۔

میرے چھٹے نہیں

بولے مجھائی خیر الدین

پاپٹر ایک آنے کے تین

چینا کر دک۔۔۔

”سناتے رہیے۔۔۔ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ میں ابھی آیا“

وہ چہرہ بیویٹ فون والے کرے میں آیا اور دروازہ بند کر کے ٹیپ رہ بکا رڈ کا سو پچ آئی کر دیا۔ لیکن آواز کا جہ نہیں بڑھایا۔ بلیک ریزرو کی آواز سنائی دی۔ ڈاکٹر دعا گو ہوش میں آگئے۔ اس نے تباہ کر کہ آپ کا جنسی ملازم پھر نکال کر اس پر چٹپٹا تھا پلٹیں

باتا نعدہ رپورٹ درج کر لی ہے۔ اوور اینڈ آل۔۔۔ پھر آواز آئی۔

”جوڑت کو بٹا ہی دیکھئے۔ ورنہ آنکھوں میں اضافہ ہو جائے گا۔“

عمران انتظار کرنا رہا۔ شاید کوئی اور پیغام بھی ہو۔ لیکن صرت فیتے کے سرکنے کی

آواز آئی رہی۔ اس نے ٹیپ رہ بکا رڈ بند کر دیا۔ کمرے میں واپس آیا۔ استاد اسی

پوشش و عروش کے ساتھ ”چالو“ تھے۔ تیس تیس رہی مٹی! کبھی کبھی وہ بھی جو نو پو

ٹھا کر دانت نکال دیتے۔!



آپ کے پریشان سے نظر آرہے ہیں“ ترس نے کہا۔

”ہاں۔ نہیں تو! عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

استاد ابھی تک چنے بیج رہے تھے۔ بمشکل تمام سلسلہ ختم ہوا۔ عمران خاموش کھڑا

کچھ سوچ رہا تھا۔

وگفتا اس نے استاد سے کہا۔ آپ ایک عمدہ سا گرم سوٹ سلوا لیجئے“

استاد نے دانت نکال دیے کچھ کچھ سوچ کر گردن اٹھائی اور بولے ”پانچ

سوٹ کیلے کھا گئے۔ دو ابھی کھا رہے ہیں۔ میرے دادا ج تھے نکھلو کے“

مدیر نکھلو کہاں ہے جناب!“ ترس نے پوچھا۔

”نکھلو والے پیار سے نکھلو کو کہتے ہیں!“ عمران بولا۔

”میرے والد کرنل تھے۔“ استاد دان کی گفتگو پر توجہ دیئے بغیر بولے۔

”عقین مجھائی سب جانتے ہیں“

”میں نے کہا تھا سوٹ سلوا لیجئے۔“



”کہوں؟“

”ہیش کراؤں گا استاد تمہیں“ عمران میرے قلم اٹھا کر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ لکھنا ہوا بولا۔ میرا یہ پرچہ لکھتے وارڈ کلپٹی میں لے جانا۔ وہ ناپ لے کر سوٹ سی دیں گے۔ جس دن کہیں جا کر ٹرائی دے دینا۔ اس کے بعد سوٹ میں منگوا لوں گا۔“

”مجھے کتنا ادا کرنا پڑے گا۔“ استاد نے اکر کر پوچھا۔

”دو ٹکڑے کرو۔ اسی رقم کے چنے چھوڑ دینا مجھے“

”ناکوں!“ نرس نے ہنسی منبٹ کرتے ہوئے کہا اور استاد اسے صف دیکھ کر رہ گئے

”نہیں بھئی! پچھنا میرا فرض تھا!“ استاد نے کہا: ایک بار پچھل صاحب نے کہا تھا

کہ تم صرف بیالیں روپیے بیچ کر لوں تمہاری شادی کرادوں گا“

”پستلے سوٹ سلواؤ۔ شادی بھی بعد میں ہوتی ہے گی۔ اب جاؤ۔“

”وہ یعنی کہ بالکل ابھی چلا جاؤں۔“

”یقیناً۔“ ویرنہ سہوئی چاہیئے۔“

استاد چلے گئے۔ اب عمران نے جوزف کو آواز دی۔ وہ آیا اور اڑیاں

بجا کر اٹھیں شوں ہو گئی۔

عمران نے عربی میں کہا: ”تم نے ڈاکٹر دعا گو پر تھیر نکال لیا تھا!“

”میں نے!“ جوزف کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ پھر وہ ہنسنے لگا۔

”نفاق کرتے ہو یا س۔“

”میں سنجیدہ ہوں۔ اس نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی ہے کہ وہ مجھ سے

ملنے آیا تھا۔ میرے ملازم جوزف نے پھر نکال کر اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”جھوٹا ہے وہ حرامی! میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں تھا اس کی طرف۔“

”لیکن پولیس کو کیسے یقین دلاؤ گے۔“ سرکار پر بھی بہتر سے لوگوں نے اُسے

یہاں سے نکل کر مہل گئے دیکھا ہو گا۔“

”میں کیا بتاؤں باس! پتہ نہیں اُس ولد! انجائٹ نے جھوٹ کیوں بولا“

”اُسے جہنم میں جھونکو۔ یہ بتاؤ! اگر پولیس یہاں آگئی تو۔“

”میں کیا بتاؤں باس! اگر تم رہو جاؤں گا۔“

عمران نے فون پر بلیک زیریو کے نمبر ڈائل کئے اور ماڈر تھیں میں بولا: عمران

سپیکنگ۔ جوزف والا معاملہ معلوم ہوا۔ تم ایک بندہ نو فوراً بھیج دو۔“

ریسیور رکھ کر اُس نے جوزف سے کہا: ”تمہیں ابھی رانا تھوڑا عمل دلائے محل میں جانا ہے“

”بہت اچھا باس! لیکن اگر وہ گرفتار کرنے آئیں تو۔“

”تمہیں اس کی نوبت نہیں آئے گی“ عمران نے کہا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فیاض

پر لیا والا معاملہ ٹیٹ جانے کے بعد اپنے آدمی وہاں سے ہٹائے ہوں گے۔ رہ گیا

ان صاحب کا کوئی آدمی تو اسے اس کے علاوہ اور کسی سے سروکار نہیں ہو سکتا وہ

اس لئے ہو گا کہ خود اس کی نگرانی کرے اس کے متعلق ساری اطلاعات دھان صاحب

پہنچاتا رہے۔!

”جاؤ۔ تیاری کرو۔“ اُنہی نے کچھ دیر بعد جوزف سے کہا۔

فون کی گھنٹی بجی اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے آواز آئی: ”مشر عمران!“

”عمران اسپیکنگ۔“

”میں دعا گو ہوں۔“

”بڑی ابھی بات ہے۔“ فرمایئے۔“

”کیا تمہیں معلوم ہوا۔“

”کیا معلوم ہوا۔“

”میرے متعلق۔“

”تو اب میری طرف سے دل صاف ہو گیا نا۔“

”بالکل بالکل۔“

”دیکھ۔ مجھے تم بے اندازہ محبت ہو گئی ہے۔ کیونکہ تم مار تھکے عجوب نے مار تھا۔۔۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ میرے لئے کیا تھی۔“

”وہ تو شکیب ہے۔ لیکن یہ بتائیے کہ میں کیا کروں۔ وہ لوگ یقینی طور پر زون کو گرفتار کریں گے۔ جو فز جو میرا باڈی گارڈ ہے۔ میں خود زخمی ہوں۔ طوالت کی صورت میں تنہا کیونکر ان کا مقابلہ کر سکوں گا۔“

”اوہ۔ غالباً اسی لئے وہ لوگ جو فز کو تھارے پاس سے ہٹا دینا چاہتے ہیں تاکہ میدان صاف ہو جائے اور جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں بے دھڑک کر گذریں۔“

”اچھی بات ہے جناب!۔“ عمران نے خنڈی سانس لی ”تو پھر اب میں بھی اپنا من چکھوا رکھوں۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔ دعا گو نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔“

پھر کچھ دیر بعد ایک بند گاڑی آئی اور زون کو لے گئی۔

فرس کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف پڑے جا سکتے تھے۔

”مارو جی کہاں گیا واس نے عمران سے پوچھا۔“

”اوہ فکر نہ کرو۔ تمہیں میرے لئے کمانا نہیں پیکنا پڑے گا۔“

”اگر پیکنا نامی پڑے تو کیا؟“ فرس نے لا پر وانی سے شانوں کو جنبش دی۔

”اوہ۔ شکریہ!۔“ عمران نے بڑے غصے سے کہا۔

”ایک بات پوچھوں! آپ جتنا تو نہیں مانیں گے؟“

”تعلیں نہیں۔ ضرور پوچھو۔“

”بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ آپ جیسے ہوئے بھاگے تھے۔ میں نے سوچا کوئی خاص بات نہیں کیونکہ میری کرسیوں میں بھی مشکل کثرت ہیں؟“

”اوہ۔ عمران بچہ کی سے گفتگو کر۔ میں بڑی مشکلات میں پڑ گیا ہوں مجھے اس پر مجبور رہا تھا کہ میں وہ ڈرامہ ایسٹ کر دوں۔“

”وہ میں بالکل نہیں سمجھا ڈاکٹر۔“

”مجھے تمہارے بیگز و ملازم کے خلاف رپورٹ درج کرانی پڑی ہے؟“

”کیسی رپورٹ؟“

”یہی کہ وہ مجھے ہر پچھرا لے کر دوڑا تھا!“

”وہ مافی گڈنس!۔ عمران متیرا انداز میں جیجیاد تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پولیس اسے گرفتار کرے گی۔“

”اوہ۔ سنو تو سہی۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو مجھے شارع عام پر گولی مار دی جاتی۔ اس نے یہی دھمکی دی تھی!۔“

”کس نے؟“

”اوہ۔ تم سمجھتے کیوں نہیں۔“

”ارے تو سمجھا بیٹے نا جلدی سے۔“

”میں نے تم سے کسی نا معلوم آدمی کا تذکرہ کیا تھا۔ یاد ہے؟“

”اچھی طرح یاد ہے۔“

”قرن پر اسی آدمی کی طرف سے مجھے دھمکی ملی کہ اگر میں نے تمہارے سلسلے میں دہی کچھ نہ کیا جس کے لئے کہا جا رہا ہے تو مجھے شارع عام پر گولی مار دی جائے گی۔“

”سمجھا۔“

”بلاؤ! عمران کراہ کر بولا، گھر دیکھ لیا ہے ان لوگوں نے“  
پولیس انسپکٹر جس کے ساتھ دو کانسٹیبل بھی تھے اندر داخل ہوا... اور بیٹھنے سے  
نیل ہی جوت کے متعلق سوال کر بیٹھا۔

”اؤہ — وہ تو اس وقت موجود نہیں ہے“ عمران نے کہا، قریب ہے — کیا  
لام ہے“

”پولیس میٹرو کوارٹر میں اُس کی ضرورت ہے“  
”ایک ہفتے کے بعد ہی ملاقات ہو سکے گی۔“  
”کیوں؟“

”کچھ دیر پہلے ایک ہفتہ کی چھٹی لے کر گیا ہے“  
”کہاں؟“

”میں نے پوچھا ہی نہیں کہ وہ ایک ہفتہ کی چھٹی کیوں لے رہا ہے اور کہیں  
بائے گا؟“

”رہتا کہاں ہے؟“

”یہیں۔“

”بٹے کہاں رہتا تھا؟ سب انسپکٹر کے بچے ہیں بھلا ہٹ تھی۔“

”عالمہ سرخسائی کے سرپرست، ڈسٹرکشن فیاض ہی اس کی کچھلی سکونت بھی بتا  
لیں گے، کیونکہ انہی کی وساطت سے خرید تک وہ پہنچا تھا۔“

”حیرت کی بات ہے کہ آپ اپنے ملازمین سے اس طرح بے خبر رہتے ہیں!“

”اچی کون پڑے ان جیکروں میں — میں تو ان سے کچھ پوچھتا ہی نہیں۔ پوچھتا ہوں،  
بچے ہی جھگڑتا ہے۔ اچھی پچھلے دنوں یہ نا معقول جیسے سیماں کہتے ہیں ڈھائی بجے  
ت کو گھر واپس آیا، میں نے پوچھا کہاں تھا، کہنے لگا گھر میں — اسے

”آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے آپ شے یہاں سے۔“  
”ارے — وہ کچھ نہیں!“ عمران تمام غماخہ جھینپ کر بولا۔  
”اس عین ملکی روٹی نے کہا تھا کہ آپ کسی روٹی کے لئے تین دھے رات کو گولی کھانے  
گئے تھے۔“

”روٹیوں کی باتوں کا کیا اعتبار — وہ کچھ بھی کر سکتی ہیں“  
”گوئی کیسے لگی تھی۔“

”میری توجہ بھی نہیں معلوم — اندھیرے میں کسی قسم کا ہنگامہ بڑا تھا۔ دریافت  
حال کے لئے میں بھی باہر نکلا، بس گولی چھب گئی بازو کو۔“  
”اندھیرے میں لگی تھی؟“

”اور کیا۔“

”دوب تو وہ کسی دوسرے کے لئے بھی برکتی تھی“

”یقیناً — یقیناً — وہ آگے ہوئے لیے ہیں بولا۔“

”سیماں واپس آیا تو عمران نے اسے جوت کے نکل مہانگے کی اطلاع دی۔“

”وہ سمجھتا تھا کہ ضرور انتقام لو گئے — عمران لے کہا۔“

”آپ نے بھگا دیا آگے —“ سیماں گریسا منہ بنا کر بولا ”خیر میں بھی منان

کا بیٹا نہیں اگر اس کی درگت درنا دوں“

”یقیناً — یقیناً — لیکن تم مجھ دیے بھی کسی منان کے بیٹے ہرگز معلوم نہیں رہتے“

”سیماں گریسا منہ نہ لے ہوئے دوسری طرف جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ کال

بل بج اٹھی۔“

”دیکھ — اب کون ہے؟“ عمران پیشانی پر ہاتھ مار کر کراہا۔

”سیماں باہر چلا گیا۔ پھر شاید اٹھے پاؤں واپس آیا اور بولا ایک پولیس انسپکٹر ہے“



بھی دہاں کیا کر رہا تھا! کہنے لگا زبان سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے یہ کہہ کر کہ بخت  
نے سارے کپڑے اتار دیئے اور باجئے لگا۔ مطلب یہ کہ وہاں شراب کے نشے  
میں نہ لگا ہو کر ناچتا رہا تھا۔

”آپ بھی بہک رہے ہیں جناب! میں جوزف کے متعلق پوچھ رہا تھا!“  
”وہ کپڑے پہن کر بیٹھا ہے!“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

”اس نے ڈاکٹر دعاگو پر پتھر کیوں تان لیا تھا۔“

”چھڑا تان لیا تھا!“ عمران متحیرانہ انداز میں اچھل کر ”یہ آپ کیا فرما رہے ہیں!“  
”کیا یہ غلط ہے؟“

”میں نہیں جانتا۔ اودہ تو کیا دعاگو اسی لئے اس طرح بھاگا تھا یہاں سے۔“  
”اس کا جواب آپ ہی دے سکیں گے؟ سب انکپڑے خشک ایسے ہیں کہا۔

”جیسی اس وقت یہاں سول سرجن صاحب بھی موجود تھے!“ عمران نے کچھ سوچتے  
ہوئے کہا ”اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان سے بھی پوچھ گچھ کر لیجئے گا۔“

”یقیناً پوچھوں گا۔ اگر وہ موجود تھے۔“

”ہم سبوں نے کوشش کی تھی کہ دعاگو کے اس طرح بھانسنے کی وجہ معلوم کریں  
لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

”جوزف اس وقت کہاں تھا؟“

”ڈرائنگ روم ہی میں تھا!“

”دعاگو بھی وہیں تھا!“

”جی ہاں!“

”سب انکپڑے تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا یہ آپ مجھے کلمہ کر دے دیجئے  
کہ آپ اُس کے جرم سے ناواقف تھے! اُسے ایک ہفتے کی جھٹی دی ہے اور اس کی موجودہ

جائے قیام سے واقف نہیں۔“

”مہبت اچھا جناب!“ عمران نے کہا اور میز سے پیٹا اٹھا کر اس پر کچھ لکھنے لگا  
کچھ دیر بعد اپنا پڑنے آگے جھک کر دیکھا اور بولا ”ارے آپ تو پورا بیان ہی لکھنے  
بیٹھ گئے۔“

”میری دانست میں یہی مناسب رہے گا! عمران نے کہا یہ اب آپ اس کی  
تصدیق سول سرجن سے بھی کر سکیں گے۔“

”عمران نے تو ایک جانب ڈالتے ہوئے کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا انکپڑے  
ایک بار پھر اسے پڑھا اور تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا ”اگر اس دوران میں وہ  
بھاگے تو ہمیں حضور مطلع کیجئے گا!“

”یقیناً۔ یقیناً۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”اس کے جانے کے بعد کے بعد ترس نے کہا یہ مجھے یقین نہیں کہ آپ آرام  
کر سکیں گے۔“

”یقین تو مجھے بھی نہیں ہے۔ بے بی!“ عمران کہہ کر لیٹا ہوا بولا۔

”کمرے کی نشاپر خاموشی مسلط ہو گئی۔ ترس سچ سچ سلیمان کا ہاتھ بٹائے کچن  
بل چلی گئی تھی۔

”عمران سوچ رہا تھا کہ اسے کس طرح فیصلے سے کھسکائے۔ اس کی موجودگی میں  
اس پلان کو عملی جامہ پہنانا قریب قریب ناممکن تھا جو اس کے ذہن میں تھا۔

”معاملات اچھے جارہے تھے۔ وہ کون تھا؟ وہی شخص جس نے ڈاکٹر دعاگو کو سرفراز  
رہبر کیا تھا! جس نے ڈاکٹر دعاگو پر جوزف کے فرضی حملے کے پروپیگنڈے کی ایسکیم بنائی

تھی۔ غالباً مقصد یہی تھا کہ جوزف جیسے چاق و چوبند باڈی گارڈ کی خدمات سے عمران کو  
براہم کر دے۔ اور اصل مقصد تو تھا ہی عمران کا قتل۔ وہ سرتپتا رہا اور برہم ہوتا رہا پھر

عجیب! آیا کہ اس کے باب کا متعین کردہ ایک آدمی بھی غلیٹ کے آس پاس ہی موجود ہو گا۔ جو سو سکتا ہے کہ رات کو بھی نگرانی جاری رہے۔ ایسی صورت میں وہ کیا کر سکے گا۔  
گھڑی دیر بعد نرس پھر کمرے میں واپس آئی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ عمران اٹھ بیٹھا اور اسے گھڑنا ہوا سخت پیچ میں بولا۔ میں کہتا ہوں۔ کیا تمہارے دیدوں کا پانی بالکل ہی ٹھیک ہے؟  
نرس بکا بکا رہ گئی!

”جی۔ میں نہیں سمجھی۔“

”ارے تم یہاں اکیلے رہو گی دوسرے دووں کے ساتھ۔“

”م۔ میری ڈیوٹی ہے جناب۔!“

”جہنم میں لگی ڈیوٹی۔ آخر شرافت بھی تو کون جیتے ہے۔ چلو جہنم جتنا کڑا کڑا بات نہیں۔ لیکن یہ نرس کا پیشہ۔ لاجل ولاقوہ۔“  
”آپ پتہ نہیں کسی بائیں کمرے ہیں۔“

”بائیں کمرے ہوں۔ ارے خون کے آئندہ رو رہا ہوں۔ یہ جی ہے قوم کی درگت ہو بیٹیاں نا محروم کی مگر سچی کرتی پھر رہی ہیں۔ زمین نہیں بیٹھی۔ آسمان نہیں ٹوٹ پڑتا۔“  
”غرضیکہ عمران کے چلنے پر توڑ بیٹھوں گے اسے انداز میں کچھ ایسا زیر لگا کر کمرے میں گھوڑی سے باہر ہو گئی۔ فوراً ٹیلیفون پر کسی کے ٹرڈا ٹیل کر کے کہنے لگی کہ وہ اب یہاں کسی قیامت پر نہیں ڈرے گا خواہ کچھ ہو جائے۔ خواہ استغنیٰ ہی کیوں نہ دینا پڑے۔“

”اور چھوڑنا فلنگ بیگ سمیٹا لی کھٹ کھٹ کرتی چل ہی گئی تھی۔“  
عمران اب چھت لٹا، اس طرح چھت کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔  
کلاک نے رات کے بارہ بجائے اور منہ پر سے لمحات ہٹا کر اٹھ بیٹھا۔ سیماں دوسرے کمرے میں سو رہا تھا۔

اب عمران ڈر بیٹنگ الماری کے سامنے نظر آیا۔ لباس تبدیل کر رہا تھا۔ بائیں ہاتھ

یہ شدید تکلیف کے باوجود بھی اس نے کسی دس کی طرح چڑھے کا جیکٹ پہنا، پتلون کی جیب میں دیوار ڈال کر آئیٹے پر الرودامی نظر ڈالتا ہوا بڑبڑایا۔ ”اچھا قبلہ والد صاحب! دیکھوں گا کہ آپ کے شکاری کسے کس طرح بوسہ کھاتے ہیں۔“



وہ لباس تبدیل کر چکا تھا! لیکن گھڑی پر نظر ڈال کر پھر کچھ دیر تک وہیں خاموش کھڑا رہا۔

شیک صوابا رہے وہ عمارت کے عقبی زینے کے کمرے میں جا رہا تھا! لیکن عقبی زینے استعمال کرنے کا یہ مطلب برگر نہیں تھا کہ وہ انہیں محفوظ سمجھتا تھا! اس میں بھی لینے والے اتنے احمق نہیں ہو سکتے تھے کہ انہیں نظر انداز کر دیتے۔ اس کے انداز کے مطابق نگران کرنے والے عقبی گلی میں بھی ہو سکتے تھے۔

چلے زینے پر رک کر وہ بائیں جانب والی دیوار سے چپک گیا! اگلی سسٹن انڈری فن... تیر روشن اور دیران۔ اس وقت تو کتے بھی نہیں بھونک رہے تھے۔ عمران نے ریڈیو ڈسٹیل والی گھڑی پر نظر ڈالی۔ بارہ بجکر پچاس منٹ ہوئے تھے وہ اُسی طرح دیوار سے چپکا کھڑا رہا۔

کچھ دیر بعد کسی ذوقی گلاؤں کے انجن کی آواز سنائی دی اور ایک بڑا سا ٹرک نینوں کے دروازے کے قریب ہی آڑا۔ اسکا پچھلا حصہ دروازے سے صرف دو یا ڈھائی فٹ کے فاصلے پر رہا ہو گا۔ اگلی سیٹ سے دو آدمی اترے تھے اور کوئی بھیڑ بیچنے اتاری گئی تھی... پھر چوبہ دوبارہ انجن اشارٹ ہونے کی آواز آئی تو عمران بڑی پھرتی سے آگے بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ ٹرک کے پچھلے حصے میں تھا۔

ٹھنڈا گوشت کا تھنوں میں چپک کر رہ گیا! گوشت کا یہ ٹرک ہر رات عقربی لگی والی گوشت کی دوکان کے لئے گوشت اتار کر لاتا تھا۔۔۔ عران کو علم تھا کہ وہ روزانہ ایک مخصوص وقت پر وہاں پہنچتا ہے۔

وہ بڑی سرد رات تھی۔۔۔ اور کھل نفا اور نیچے ٹھنڈے سے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے تھے۔ عران کو ایسا عکس ہند ہا تھا جسے اس کی سانسیں یک دم بند ہو کر رہ جایش گی۔

ٹرک شہر کی سسنان میں کون پر دوڑتا رہا عران نہیں جانتا تھا کہ وہ اب کہاں رسے گا۔ ویسے گوشت کی خاصی بڑی مقدار اب بھی ٹرک میں موجود تھی جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اب بھی کئی دکانوں پر رسے گا۔

مہر جال کچھ دیر بعد اس کا خیال صیح نکلا۔ جیسے ہی ایک پتلی نئی لگی میں مڑنے کے لئے رتار ہلی ہوئی وہ نیچے کود پڑا۔

ٹرک کھلی میں داخل ہو کر ایک جگہ ٹرک گیا تھا۔ عران سڑک ہی پر کھڑا رہا۔ جگہ سے اس نے نماز لگا لگا کر دافش منزل یہاں سے تقریباً سات میل دور ہو گئی۔ پھر اب کیا چلے۔ ٹرک سسنان پڑی تھی۔ اس وقت یہاں ٹیکسی ملنا بھی محال تھا۔

سردی سے دانت بچھنے لگے تھے اور دانت اسی وقت بچھتے ہیں جب اعصاب قابو ہیں نہ ہوں ظاہر ہے اسی صورت میں ذہن کس طرح کارآمد ہو سکتا ہے۔ کافور ایک اس کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔

انتے میں ایک چائے والا نظر آیا جو سماور اور برتنوں کی چھانی ٹھکانے لگی مین داخل ہو رہا تھا۔

”سشش۔۔۔ اے چائے والے“ عران نے اسے آواز دی۔

وہ مڑا اور مردہ سی جال چلتا ہوا قریب آیا۔ غالباً اسے اب گلاب کی توتھ نہیں تھی اور وہ لحاف کے نیچال میں گن تھا۔

”ایک کپ چائے۔۔۔“ عران نے کہا۔ اور اس نے سماور زمین پر رکھ کر کھجانی سے کپ اور سارے نکالا۔ پھر سماور کی ٹوٹنی کھول کر چائے انڈیلی اور کپ اسکی طرف بڑھتا ہوا بولا ”ٹھپٹ ہے جناب! شاید ابھی دہر ہو کر یہ سردی! پتہ نہیں کہاں سے بھٹ پڑی ہے؟“

دکسس۔۔۔ سردی ہی تھی۔۔۔ عران نے جلدیور کے بغیر پیٹی سنبھال لی۔ پھر دو تین گھونٹے کر بولا ”یار یہاں کہیں آس پاس فون بھی ہوگا؟“

”جی کیوں نہیں مہبت ہیں۔۔۔“

”لیکن اتنی رات کئے۔ شاید یہی کوئی فون کرنے دے؟“ عران نے کہا۔

”ہو سکتا ہے جناب؟“ وہ ایک جانب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اُدھر غیر لاتی زچہ خانہ ہے نا۔۔۔ اسکا دفتر ابھر کھلا رہتا ہے؟“

”اُوہ۔۔۔ ہاں!“ اب عران کو بھی یاد آیا کہ یہاں ایک زچہ خانہ بھی ہے۔ اس نے جلدی سے چائے تھم کی اور اسے پیسے دیتا ہوا بتائی ہوئی ”سست پل پڑا۔“

زچہ خانہ کا دفتر کھلا ہوا تھا۔ فون کرنے بھی اجازت مل گئی۔ کھڑک سے گفتگو کرنے وقت بھی اس نے انیس لونی کی پینس پھنسی آوازیں نکالی تھیں اور اب بلیک نیرو سے فون پر بھی اسی آواز میں گفتگو کر رہا تھا۔ محض اس لئے کہ کھڑک کے سامنے اپنا نام

نہ لکھا پڑے۔ وہ بلیک نیرو سے کہہ رہا تھا۔ نظام پور رسے زچہ خانہ کے سامنے وہیں بیٹھو۔ نہیں تم خود ہی ڈیوڑا ہو کر تو بہتر ہے۔ فوراً۔ تیز زخار سے آؤ۔۔۔“

ریسیور رکھ کر اس نے کھڑک سے کہا ”اگر میں یہاں بیٹھ کر اپنی گاڑی کا انتظار کروں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟“

”جی نہیں۔ قطعی نہیں۔“ کھڑک نے کہا۔



”شکریہ۔“ عمران نے بیٹھے ہوئے حبیب سے جو تکلم کا پکیٹ نکالا اور اُسے  
 بھی پیش کیا جو زبردستی کی سببی کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔  
 تقریباً بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔  
 بلیک زیرو چھوٹی سی سیباہ رنگ کی دین لایا تھا عمران نے ایک بار پھر کلرک کا  
 شکریہ ادا کیا اور ریزن میں جا بیٹھا اور وہ حرکت میں آگئی۔  
 ”آپ کے ترکم کیا حال ہے؟“ بلیک زیرو نے پوچھا۔  
 ”آج ہی دوبارہ آپریشن ہوا ہے۔“  
 ”اور آپ اس طرح...؟“  
 ”اوہ نہ۔ کیا فرق پڑتا ہے؟“ عمران نے کہا چند لمحے خاموش رہا پھر بولا: ”اُس  
 جعلی لیفیٹننٹ نے کیا تباہ کیا۔“  
 ”وہ تو کچھ بولتا ہی نہیں گونگا ہو گیا ہے۔“  
 ”گدھے ہو تو گدھے۔“  
 ”اگر آپ نے حکم دیا ہوتا تو...؟“  
 ”تشدد بھی کرتے۔“ عمران نے طنز یہ لہجے میں کہا۔  
 بلیک زیرو کچھ نہ بولا۔  
 تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر اس نے کہا: ”صفدر نے اطلاع دی تھی کہ کئی  
 مشتبہ آدمی آپ کے طبیٹ کے آس پاس دیکھے گئے ہیں! اس کا خیال ہے کہ نگرانی  
 کرنے والے باقاعدہ طور پر ڈیوٹیاں بدل رہے ہیں۔“  
 ”مجھے علم ہے۔“  
 ”کون ہیں وہ؟“  
 ”کیا پتہ نہیں ہو۔؟“

”کیوں؟“  
 ”بالکل کسی بچے کے سے انداز میں پوچھا تھا تم نے۔ کون ہیں وہ۔ ارے  
 ان کے علاوہ اور کون ہوں گے جو کچھ پرکھنی مار گئے کر چکے ہیں۔ اور پھر ایک  
 اُدھ تیلہ والد صاحب کا متعین کردہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے  
 آپریشن کے بعد میں صرف آرام کروں؟“  
 ”مر میری داستان میں بھی ان کا خیال درست ہے۔“  
 ”درشاد تم باپ کے سامنے عروم ہو چکے ہو۔“  
 ”جی ہاں۔ یہی بات۔“ اس نے کہا اور ہنس پڑا۔  
 ”اسی لئے ہنس رہے ہو۔“  
 کچھ دیر تک پھر خاموشی رہی۔ دین تیزی سے شہر کی جانب جا رہی تھی۔ سڑکیں  
 سنسان پڑی تھیں ابھی کبھی ایک آدھ ٹرک قریب سے گزر جاتا۔  
 ”میں نے جویا کو فون پر نہ ٹالیں کر دی تھی؟“ بلیک زیرو نے کہا۔ لیکن وہ رو  
 ہی تھی۔ سبھی کچھ صاف سنی تھیں میں نے۔ وہ پوچھ رہی تھی کہ کیا وہ اپنا بچہ بھی  
 دشت کر دے گا؟ اس کے گلے کا تھ۔ میں نے کہا یہی بات ہے۔ ارے جناب  
 تو استغنی دیتے پر آدھ تھی۔ میں کہا کہ اس صورت میں اُسے گولی مار دی  
 گئی۔“  
 عمران کچھ نہ بولا۔  
 کچھ دیر بعد دین دانش منزل کی کپاڑا ٹھیں د اخل ہوا۔ چاروں طرف  
 بے رے کی حکمرانی تھی۔  
 ”اب تم جا سکتے ہو۔“ عمران نے بلیک زیرو سے کہا۔  
 ”وہ ساؤنڈ پروف کرے میں بند ہے۔“

”اندر اور کون ہے؟“

”کوئی بھی نہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ اب جاؤ۔“

”میرا خیال ہے کہ مجھے ٹھکنا چاہئے۔ آپ کا بازو بھی زخمی ہے؟“

”شکریہ! سب ٹھیک ہے!“ عمران نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر لولا اُسے

”کھانا دیگا یا نہیں۔“

”نہیں۔“

”کیوں؟“

”شاید اسی طرح اگلے دے؟“

”گدھے ہو تم۔“ اُس نے جھلٹا کر بولے۔ اور اُس کے پیچھے گیا۔

عمران میں داخل ہو کر اُس نے روشنی کی اور ایک ایسے کمرے میں آیا۔

جہاں ایک اُس کا سامان رہتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک صحت مند بوڑھے کی شکل اختیار کر چکا تھا! اونچیں اتنی گھنی پنپیں کر دہانہ چھپ گیا تھا۔ آنکھوں پر ایسی عینک لگائی تھیں جس سے آنکھوں کی ساخت دیکھنے والے کی سمجھ میں نہ آ سکے۔

پھر وہ کہیں میں آیا۔ یہاں ٹوبوں میں پکڑے کھانے کی چیزیں موجود تھیں۔ بجلی کا چرہ لہا کھول کر وہ ایک انڈے زرائے کئے۔ خشک روٹی کے کچھ ٹوسٹ سینکے اور سب کچھ ٹرائی پر رکھ کر ساڈنڈ پروف کر کے کی طرف روانہ ہو گیا۔

ٹرائی باہر ہی رہتے دی۔ اور خود دروازہ کھول کر یہ آہستگی اندر داخل ہوا۔ قیدی سامنے والے صوفے پر بیٹھ کر ٹوسٹ پڑاؤں کھانے لگا تھا۔ عمران پھر واپس آیا اور ٹرائی بھی اندر دھکیل لے گیا۔ اس بار اس طرح دروازہ بند کیا کہ اُس کے علاوہ

اور کوئی نہ کھول سکے۔

اب وہ عینہ آواز میں کھارا اور قیدی اچھل پڑا۔

”کچھ کھائیجئے۔ جناب۔“ عمران نے بڑے ادب سے کہا

”قیدی کچھ نہ بولا۔ صرف اسے گھونٹا رہا۔“

”فی الحال۔ جو کچھ حاضر ہے کھائیے۔ صبح جو کچھ آپ فرمائیں گے خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔“

قیدی اُسے گھونٹا ہی رہا۔ اس کی آنکھوں سے بے یقینی مترشح تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ بڑناؤ اس کے لئے غیر متوقع رہا ہو۔

پھر عمران ٹرائی اس کے قریب لیتا چلا گیا۔ خود ہی انڈے کے سبب ڈورج بنائے اور سارڈین کے بین کھول کر ایک بڑی سی پیٹ میں خالی دیئے۔

”دکھائیئے نا۔“ عمران نے نرم لہجے میں کہا۔

”تم۔ تم۔ بہت اچھے آدمی معلوم ہونے ہو۔“ قیدی نے غصہ مٹا کر

”عمران کچھ نہ بولا۔“

جب اس نے کھانا شروع کر دیا تو وہ بولا: ”مجھے جی افسوس ہے کہ اس وقت

آپ کے لئے نرم روٹی نہ مہیا کر سکوں گا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ قیدی نے کہا اور سارڈین پر ٹوٹ پڑا۔

عمران اسے تفکر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

کچھ دیر بعد قیدی نے سر اٹھا کر کہا۔ ”عطاری میں تجھے شریف آدمی کہاں مونتے ہیں؟“

”عطاری!۔“ عمران نے حیرت سے دہرایا۔

”دیکھو! کیا تمہارا تعلق عطاری سے نہیں ہے؟“

”جی نہیں۔ قطعی نہیں۔ یہ تو کچھ بد معاش قسم کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔“  
 ”کوئی لوگ پتہ دے دے؟“

”وہی لوگ جنہوں نے مجھے یہاں رہنے پر مجبور کر رکھا ہے۔“ عمران نے  
 وردناک لہجہ میں کہا۔ میں بھی قیدی ہوں۔ یہاں قید کیے جانے والوں کی دیکھ  
 بھال کرنا ہوں۔“

”کیا مکمل بھانسنے کی کوئی صورت نہیں؟“  
 ”آپ صرف کیا ڈنڈے میں مکمل کھٹکتے ہیں۔ کیا ڈنڈے سے باہر قدم رکھا اور کسی  
 جانب سے ایک گولی آئی اور کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا؟“

”یہ کیسے معلوم ہوتا نہیں؟“  
 ”وہی لوگ کہتے ہیں! عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا: ”کہتے ہیں کبھی  
 کیا ڈنڈے سے باہر قدم نکال کر دیکھو۔“  
 ”مگر تمہیں پکڑا کیوں تھا؟“

”صاحب! اچھا صلا سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ دو آدمیوں نے آپکڑا۔ ایک نے کہا  
 کہ تم میری جیب کاٹ کر بھاگے ہو۔ دوسرے نے میری جیب میں ہاتھ ڈال  
 کر ایک پرس نکالا جو میرا نہیں تھا۔ پھر زبردستی گھسیٹتے ہوئے بولے چلو قتلے  
 اور قتلے کی بجائے یہاں لا پھینسا۔ میرے پیچھے نہ جانے کیا سوچتے ہوں گے  
 عمران خاموش ہو کر سسکیاں لینے لگا۔

”اوہو۔ چپ رہو۔ چپ رہو! قیدی نے اسے دلا سہ دیا۔

”دکھ تک چپ رہو۔ کہاں تک چپ رہو؟“

”واقعی تم پر برا ظلم ہوا ہے۔ اس وقت اس عمارت میں کتنے آدمی ہیں؟“  
 ”کوئی بھی نہیں۔“

”دکھال ہے!“ قیدی نے حیرت سے کہا۔ اور اس کے باوجود بھی تم خود کو قیدی  
 کہتے ہو!“

”مجبور ہوں۔ اگر کیا ڈنڈے کے باہر کسی انڈیکی رائفل کی گولی!“

”چھوڑو۔“ قیدی ہاتھ ہلا کر بولا: ”خبر نہ کئے بغیر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ایسا  
 ہی جانتا ہے؟“

”خبر کے لیے حیرت نہیں رکھتا جناب۔ وہ لوگ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں کہ  
 کچھ کہیں گے کہ گزریں گے۔“

”تم باہر جانا چاہتے ہو۔“

”کیوں نہیں۔ میرے بال بچے۔“

”میری مدد کرو۔ میں تمہیں باہر لے چلوں گا۔“

”میں تیار ہوں جناب۔“

”یہاں کوئی گاڑی بھی ہوگی۔“

”وہ تین گاڑیاں ہیں گراچ میں اور ان کی کٹیاں بھی بھری ہوگی۔“

”مگر انجن تو مقفل ہوں گے۔“ قیدی بڑبڑایا: ”اوہ۔ پرواہ نہیں...“

”انجن کو غیر مقفل کر سکوں گا۔ بس تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“

”تیار ہی کیسی جناب۔ کیا میں نے کوئی دولت اکٹھی کر رکھی ہے بس یونہی  
 لا چلوں گا۔ لیکن گولی۔“

”چلو اٹھو۔ مجھے باہر لے چلو۔“ اجنبی کھانا چھوڑ کر اٹھ گیا۔

”حصص۔ صاحب پھر سوچ لیجئے۔“

”بڑے بزدل ہو۔ بڑے میاں... اتنی عمر گزار چکنے کے باوجود بھی زندگی  
 آنا بیاہر یا دیکھو صرف وہی لوگ اس طرح مار لئے جاتے۔ جو موت سے



ڈرتے ہیں۔“

”میرے خدایں کیا کروں۔“ عمران نے مہرائی ہوئی آواز میں کہا۔  
”چلو،“ قیدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

وہ ساؤنڈ پر دھڑکتے ہوئے باہر آئے۔

”صاحب پھر سوچ لیجئے۔“ عمران گڑ گڑایا۔

”اچھا تم مجھے صرف گیراج تک لے چلو۔ پھر بحفاظت باہر نکال لے جانا  
میرا کام ہو گا۔ تم قطعی بے فکر رہو“

وہ دونوں گیراج کی طرف چل پڑے۔ کیا ڈنڈا اب بھی سسٹن پڑی  
تھی اور اندھیرا پہلے سے بھی گہرا سوچا تھا کیونکہ مطلع اب آلود تھا۔



پھر وہ دونوں بڑی آہستگی سے گیراج کی طرف بڑھتے رہے۔  
گیراج کے سامنے پہنچ کر عمران نے دھیرے سے کہا: گاڑی اشارت

کر کے باہر نکالنا مناسب نہ ہو گا۔ تم گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ  
کئے بغیر اسے یوورس گیٹ میں ڈالو۔ میں آگے سے دھک لگاتا ہوں۔

اس طرح گاڑی گیراج سے باہر آئی۔ انجن منتقل نہیں تھا۔ ویسے چانی  
لگی ہی ہوئی ملی تھی۔ عمران ہی کی بیخبر پر اسے اسی طرح پچھل تک لایا گیا۔  
انجن اسٹارٹ کئے بغیر۔

پچھلک کے قریب پہنچ کر اسکا راج سڑک کی جانب کر دیا گیا۔

”اب اتنی تیزی سے نکال لے چلو۔۔۔ کک۔۔۔ کک۔۔۔“ عمران جلد

راہ کر سکا۔ جیسی طرح کانپ رہا تھا۔

”بس اب تم چپ چاپ بیٹھو۔“ قیدی اہستہ سے بولا۔ ”بہت خوفزدہ  
علوم ہوئے ہو؟“

”ہو۔ دم نکلا جا رہا ہے۔ مم۔ میرا تو۔“ عمران کا تپتا ہوا بولا۔

پھر انجن اسٹارٹ ہوا، اور کار ڈرائیو بھرتی ہوئی پچھلک سے باہر نکل گئی۔ سامنے  
انسان سڑک پھیل ہی ہوئی تھی۔

قیدی سی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ کچھ دور نکل آنے کے بعد اس نے تہقیر لگایا۔

”وتم تو ڈر کے مارے مرے جا رہے تھے؟“ اس نے کہا۔ ”تھوڑی دیر تک  
موشن رہا پھر بولا۔“ دیکھو پیچھے کوئی گاڑی تو نہیں ہے۔“

عمران نے مڑ کر دیکھا اور کھپکھپاتی ہوئی آوازیں بولیں۔ ”کوئی گاڑی نہیں ہے؟“  
”بارقہ خواہ مخواہ اتنے دیر تک وہاں قید رہے؟“ قیدی نے سنہر کر کہا۔

”مم۔ میں کک کیا بناؤں جناب؟“ عمران سہلکا کر رہ گیا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر عمران ہی بولا: اب ہم کہاں جا رہے ہیں جناب؟  
”نہ نہ کرو۔“

”مم۔ میرے گھر۔ چلئے۔“

”وہ نہیں پہلے میں تمہیں اپنے گھر لے چلوں گا۔“

”وہ جیسی مرضی جناب کی؟“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ وہ محسوس کر  
تھا کہ کار شہری آبادی کو کافی پیچھے چھوڑ چکی ہے۔

کسی نامعلوم منزل کی راہ خاموشی سے طے ہوئی رہی۔ عمران خود بھی زیادہ نہیں  
جانچتا تھا۔

آخر کار گاڑی ایک جگہ رک گئی۔ عمران نے کھڑکی کے باہر نظر دوڑائی، لیکن

اندھیرے کے سوا اور کچھ نہ دکھائی دیا۔

”آؤ۔“ قیدی دروازہ کھول کر نیچے اتار ہوا بلائے تھوڑی دیر آرام کریں  
اُدھ تو سفر لیا بھی ہو سکتا ہے۔ عمران نے سوچا۔  
وہ بھی نیچے اترا یا۔

قیدی کچھ رہا تھا اب اس کاڑھی میں سفر کرنا مناسب نہ ہو گا،  
”کیوں؟“ عمران نے پوچھا کھائے ہوئے لیے ہیں کیا۔

”عقل کے ماضی کو بڑے مبالغہ آلودہ خیال پر مبنی ہے۔ اگر فی الحال ہرچیز ٹھیک آئے ہیں تو تم یہ سمجھو  
ہو کہ بچی پر رہیں گے؟“

عمران کچھ نہ بولا۔ قیدی اس کا دھنا باز دیکھ کر اسے آگے بڑھنا باغھا۔  
وہ ایک دیر لے ہی میں رکے تھے اور یہ راستہ جس پر چل رہے تھے ناچھوٹا سبوتا تھا۔  
”جی تھا اور اس کی دونوں جانب جھاڑیوں کے سلسلے تھے۔“

”بیچو دیکھ کر چلنا“ قیدی اس سے کہہ رہا تھا۔ ”وہ رتہ باغیر توڑ پھوٹ کے اب جاتے وقت میرے ہوش بجاتے اور رتہ وہاں سے رہائی کے وقت۔“  
”تم۔“ وہ قیدی کی طرف مڑا۔

”میرا خیال ہے اب شاید میں بھی وہاں تک نہ پہنچ سکوں یا  
”ہوں۔“ اچھا۔“ اُس نے طویل حائلوں کی اور بولا یہ میں خود اس سلسلے میں کچھ  
نہ کر سکوں گا۔ ہاں۔“ تم نے وہ کاڑھی کہاں چھوڑی ہے؟  
”سڑک پر۔“

”یہی اسے دیکھنا چاہتا ہوں!“  
قیدی عمران کی طرف دیکھ کر بولا ”چلو!“  
”مجھ پر رحم کرو۔“ عمران ناخوش ہو کر گڑ گڑایا ”مجھ میں اب چلنے کی سکت  
نہیں رہ گئی!“

”اطمینان سے تباؤں گا“ قیدی نے کہا۔

”آؤ۔“ دوسرا آدمی راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔  
وہ دونوں چھوڑنے میں داخل ہوئے۔ اور عمران نے اندازہ کر لیا کہ وہاں  
درجہ کجکلات کا کوئی رکھوالا رہتا ہے۔ کچھ اسی قسم کا سامان وہاں نظر آیا تھا۔

چھوڑنے کا مکین صورت سے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پیشانی پر  
نفل کے نشانات تھے۔ جسم کی بناوٹ بنا رہی تھی کہ کڑی عنت کا عادی ہے

لکھوں سے سخت گیری بھی عیال تھی۔ قیدی کو مسلسل گھورے جا رہا تھا۔  
قیدی نے جلدی جلدی اپنی دوستانہ دہرائی اور پُر اشتباہ نظروں سے

دراں کی طرف دیکھا چند لمحے گھورتا رہا۔۔۔ پھر بولا ”کیا تم مجھے اس عمارت تک  
”م۔“ میں۔۔۔ عن نہیں جناب۔ میں نہیں جانتا وہ کہاں ہے نہ تو وہاں

”جانتے وقت میرے ہوش بجاتے اور رتہ وہاں سے رہائی کے وقت۔“  
”تم۔“ وہ قیدی کی طرف مڑا۔

”میرا خیال ہے اب شاید میں بھی وہاں تک نہ پہنچ سکوں یا  
”ہوں۔“ اچھا۔“ اُس نے طویل حائلوں کی اور بولا یہ میں خود اس سلسلے میں کچھ

نہ کر سکوں گا۔ ہاں۔“ تم نے وہ کاڑھی کہاں چھوڑی ہے؟  
”سڑک پر۔“

”یہی اسے دیکھنا چاہتا ہوں!“  
قیدی عمران کی طرف دیکھ کر بولا ”چلو!“

”مجھ پر رحم کرو۔“ عمران ناخوش ہو کر گڑ گڑایا ”مجھ میں اب چلنے کی سکت  
نہیں رہ گئی!“

وہ کان اُدھر ہی لگائے رہا۔ اب وہ حرف ایک ہی اور واضح قسم کی آواز سن رہا تھا جو اس بھوپڑے کے کہیں ہی کی ہو سکتی تھی۔ اندازاً ایسا ہی تھا جیسے ٹرانسپیریکولی بینام نشر کیا جا رہا ہو لیکن جو کچھ بھی کہا جا رہا تھا مخصوص قسم کے کوڑ ورتوں میں کہا جا رہا تھا۔ اس نے مفہوم سمجھ ہی نہ سکا!

عمران خود کو کسی نئے واقعے کے لئے تیار کرنے لگا۔

”اُدھر ایڈل آل“ کہہ کر وہ آدمی خاموش ہو گیا۔ اور دونوں میں پھر سرگوشیاں ہونے لگیں۔

عمران نے تینوں کی حسیب میں پڑا ہوا رولڈ اور پٹولا... اور پھر اس طرح بڑبڑانے لگا جیسے بعض لوگ سوئے میں بڑبڑاتے ہیں۔

قیدی نے اسے آواز دی اور جواب دہا کہ سنئے لگا۔

”بڑا اُلٹے“ دوسرے دیئے کہا۔ عمران کے خراٹے پھر شروع ہو گئے تھے۔

”حیرت ہے“ کچھ دیر بعد اُسی آدمی نے کہا، بڑا اُلٹے بالکل سفید ہے۔ لیکن سر کے بال۔ شاید سر میں ایک بھی سفید بال نہ ہے“

اب تو عمران کو یقین ہو گیا کہ قلعہ کھینے میں دیر نہ لگے گی۔ اس نے دافن منزل میں جو کچھ بھی کیا تھا بہت جلدی میں کیا تھا! بیس بدلتے وقت صرف یہ بات ذہن میں تھی کہ وہ قیدی کی پھر دیاں حاصل کر کے اس سے اس کے متعلق کچھ بھی پتہ نہ ہو سکتا۔ یہ معلوم کر کے گا اور اس کے ساتھ نکل جائے گی تجریر تو اس سے گفتگو کرتے وقت ان لوگوں کے کسی نہ کسی ٹھکانے سے بھی واقف ہو جائے گا۔ اگر یہ ایک سچے

بھوپڑے کے کہیں نے اسے تیز نظروں سے گھورا لیکن کچھ بول نہ نہیں۔ قیدی نے عمران سے کہا: ”اچھا تم ہمیں انتظار کرو“

وہ چلے گئے اور عمران ان کے قدموں کی دور بہتی ہوئی چاہیں سن رہا تھا۔ تیز نظروں سے بھوپڑے کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ اُسے اطمینان تھا کہ کار کے برابر سے وہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکیں گے کیونکہ دافن منزل سے تعلق رکھنے والی ساری ہی گاڑیوں کے ممبر جیل تھے اور ان کا اندراج کہیں بھی نہیں تھا۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر عمران بھوپڑے کی تلاشی ہی لے ڈال لیکن اس نے اسے مناسب نہ سمجھا۔ اس نے سوچا ممکن ہے اسے پاس کوئی اور بھی موجود ہو۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا بیٹھا بھی بیٹھیں۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں واپس آئے۔ شاید تیز چلے تھے! کیونکہ دونوں ہی ہانپ رہے تھے۔

”اُدھو۔ تم اب تک کھڑے ہو!“ قیدی نے عمران سے کہا: ”ہمیں رات یہیں بسر کرنی پڑے گی۔ جمع تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیں گے“

”تم کہاں رہتے ہو؟ دوسرے آدمی نے پوچھا۔

عمران نے آدمی کے کسی غیر معروف عمارت کا نام بتایا... لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ مخاطب اب بھی اسے شبہ کی نظر سے دیکھ رہا ہے“

پہاں کے بستر پر وہ لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد اچنی نے چراغ بھی بجھا دیا۔ عمران اس کے حواس خمسہ پوری طرح سادھے پڑا رہا۔ کچھ دیر بعد خراٹے بھی لینے لگا۔ لیکن اس کے حواس خمسہ پوری طرح سادھے۔ قیدی نے اسے مخاطب کر کے پوچھا بھی تھا کہ کیا وہ سو گیا لیکن عمران ذہن میں گونجی تھی مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ وہ اس طرح کے خراٹے بدستور جاری رہے!

پھر کچھ ہی دیر بعد اس نے دونوں کی کھسکھس سنی لیکن باتیں سچے سچے نہ آئیں۔



تھا کہ ٹرانسٹیٹ پر نشر کئے جانے والے پیغام میں بھی اس نے اسی کے متعلق کسی کو  
کچھ بتایا ہو اور اپنے شبہات کا بھی اظہار کر دیا ہو۔

قوری طور پر کوئی تدبیر نہ بن پڑی اور تن بہ تقدیر بدستور غراٹے لیتا رہا۔  
اور پھر اسے پرواہ نہ تھی۔ وہ تو بے خط و آگ میں کود پڑنے کا قائل تھا اور یہ بعد  
میں سوچتا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ اور فی الحال کچھ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا  
ہو تا تھا کیونکہ جس مقصد کے حصول کے لئے یہ سنگم دور کی تھی اس کا ابھی دور دورہ  
بہک پڑتا تھا۔

دفتراؤہ آجکل پڑا۔ غالباً کان کے قریب ہی فائر ہوا تھا اور ایک کبک بناک سی  
چرخ اندھیرے میں گونجی تھی۔ پھر چھوٹی ٹرے کے کمپن کی گرج سنائی دی۔ پھر کدو ٹرنے  
تم اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا و نہ تمہاری کھوپڑی میں بھی سوراخ ہو جائے گا۔  
عمران اپنے حلق سے ڈری ڈری سی آواز بن نکالنے لگا۔ ویسے جیسے دباؤ اور  
جھکی اٹھ رہا تھا۔ اب پوری بات اس کی سمجھ میں آئی۔ تیزی ہلاک کر دیا گیا تھا۔  
غالباً ٹرانسٹیٹ پر اس نے صرف پیغام نشر نہیں کیا تھا بلکہ کسی کا جوابی بیٹا (رسول بھی  
کی تھا جس کے مطابق تیزی کو ٹھکانے ہی لگا دیا گیا تھا اور خود اس کا مسئلہ ابھی شائد  
زیر غرض تھا۔

دہ بناؤ تم کوں ہو۔۔۔ اندھیرے میں پھر آواز گونجی۔

”م۔ میں۔ یعنی کہیں۔۔۔“ عمران ہلکایا۔

”ہاں۔ تم۔“

”جی ہاں۔۔۔ تصدیق سمجھیں۔۔۔“

”نکواس شد کرو۔۔۔“ ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔۔۔

دو یقین نہ ہو تو وہ شعر سن لیجئے جو ابھی ابھی ہوا ہے۔ زبان کا شعر ہے۔ سنئے۔

کل اغیار میں بیٹھے تھے تم  
”ہاں ہاں کوئی بات بناؤ۔“

”شاید تم بھی اسی طرح مڑنا چاہتے ہو۔۔۔ وہ غراہا۔

عمران چاہتا تو آواز نہ ہی پرنا کر کے اس کا کام تمام کر دیتا۔ لیکن اس نے  
اتنی غصت اس لئے نہیں کی تھی کہ وہ پھر تارنگیوں میں مٹکتا رہ جاتا۔ پہلے ایک  
آدمی ہاتھ لگا جس کے توسط سے مجرم باجیروں تک پہنچنے کی توقع تھی لیکن اب شاید  
اس کی لاش ہی وہاں اندھیرے میں موجود تھی۔۔۔ اور اب دوسرا آدمی یعنی اس تیزی  
کا قاتل گرفت میں تھا اور وہ یقینی طور پر کوئی اہم آدمی تھا ورنہ اس اقدام کی جرأت  
ہرگز نہ کرتا۔

”دہ بناؤ تم کوں ہو۔۔۔ اور اسے کس عمارت میں قید کیا گیا تھا؟ وہ پھر دباؤ۔

”میں اپنا نام اور تخلص آپ کو بتا چکا ہوں۔ مرنے کا شعر بھی پیش کر دیا۔  
رہ گئی وہ عمارت تو وہ اس جھوپڑے سے بہر حال بہتر تھی۔ عمارتیں ٹھائیں تو نہیں  
سنی پڑتی تھی۔“

”شائد تم سچ مڑنا چاہتے ہو۔۔۔“

”دہ بناؤ اندھیرے میں نہ مارنا۔“ عمران گھسٹایا یہ چراغ جلاؤ تو بہتر ہے۔

۔۔۔ اندھیرے میں مرتے وقت دم گھٹنے لگتا ہے اور پڑی الجھن ہوتی ہے۔“

”دیو شامت آئی ہے۔“

”اندھیرے میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ چراغ جلاؤ۔ پھر کو کچھ بھی پوچھو گے  
بتا دوں گا۔“

”اچھا ٹھہرو۔۔۔“

عمران سنبھل کر بیٹھ گیا۔ دیوار پر جب میں ڈال لیا تھا۔۔۔ اور آہستہ آہستہ

اُس نے بیہوش آدمی کے ہاتھ اور پیر باندھے خود اُسکے بازو کا زخم گہری طرح دیکھ رہا تھا۔ اس کے باوجود بھی اس نے کسی نہ کسی طرح بیہوش آدمی کو کشتی پر لا کر قریبی جہازوں میں پیچھا یا اور خود بھی ایک جانب دیک رہا۔ اُسے یقین تھا کہ کوئی ڈکونی وہاں حذر نہ آئے گا۔ چونکہ وہاں سے برآمد ہونے والا ٹرانسمیٹر بیس میل کے اندر اندر ہی کارآمد ہو سکتا تھا اس لئے اس پر بھیجے جانے والے پیغام کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ اس نے قریب ہی کے کسی آدمی کو حالات سے مطلع کیا ہے۔

آدھا گھنٹہ گزر گیا لیکن کسی قسم کی آواز نہ سنا دی۔ ادھر اس کا قیدی بھی سسما نہ لگا۔ حلق سے آوازیں بھی نکالی تھیں۔ شاید وہ پوری طرح ہوش میں آچکا تھا۔ عمران نے اُس کے شانے پر پر اور بال کی نال رکھ رکھتے ہوئے اس کا رخ کرتے ہوئے با پیچ چپ پڑے رہو بیٹھے... اگر ملکی سی آواز بھی نکالی تو سائیلنسز لگا ہوا ٹھکانا نہیں جیسے کہ لئے خاموش کر دے گا۔

پھر وہ ساکت ہی ہو گیا۔ عمران جھوپڑے سے نکلتے وقت دو کبل لانا نہیں بھولا تھا۔ ایک خود اس کے استعمال میں تھا اور دوسرا اس نے اپنے قبندی ڈال دیا تھا۔

دو میں کہاں ہوں؟ قیدی نے کچھ دیر بعد مصحفی سی آواز میں پوچھا۔  
”جھوپڑے سے تھوڑے ہی فاصلے پر جہازوں میں“  
”کیوں؟“

”مجھے ان لوگوں کا انتظار ہے جنہیں تم نے ٹرانسمیٹر پر پیغام بھیجا تھا۔“  
”ڈکونی نہیں آئے گا۔“  
”صرف حکم ملتا تھا کہ اسے گولی مار کر قتل کر دیا جائے۔“

”اچھا فرض کر دو تم نے مجھے گرفتار کر لیا۔ پھر۔۔۔“

اٹھ رہا تھا۔

ادھر جیسے ہی اس نے دیاسلانی کی بجائی اور روشنی ہوئی عمران نے اپنے زخم کی پردا کئے بغیر اس پر جھلاٹک لگا دی۔ مقابل اس کے لئے قلعی تیار نہیں تھا۔ اس لئے اسے سنبھلنے کی مہلت نہ مل سکی۔ لڑکھڑا کر گرا اور عمران اسے دوپہر بیٹھا۔

چراغ جل نہیں سکا تھا۔ دیاسلانی اس کے ہاتھ ہی میں بچھ کر رکھی تھی۔ اور اب وہ عمران کے نیچے دبایا ہوا اُسے اچھا لگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور عمران کی کوشش تھی کہ کسی طرح وہ آسانی سے قابو میں آجائے۔ ایسی جدوجہد کے دوران میں اُس کے سر کے بال عمران کی گرفت میں آئے۔ اس نے انہیں سختی سے معنی میں کھینچ لیا اور دھڑا دھڑا اس کا سر زمین سے ٹکرائے لگا۔ گھٹی گھٹی سی چیخیں اندھیرے میں گونجتی رہیں اور وہ آہستہ آہستہ مست ہوتا گیا۔ پھر بالکل ہی بے حس و حرکت ہو گیا۔

عمران نے اس پر چڑھے چڑھے ہی ٹٹول کر دیاسلانی کی ڈیوٹی تلاش کی اور ایک تین جہاز کا اس کا جائزہ لیا۔ وہ گہری گہری سانس لے رہا تھا۔

حسب اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ وہ واقعی بیہوش ہے تو عمران اسے چھوڑ کر ہٹ گیا اور چراغ روشن کر کے قیدی پر نظر ڈال جو زمین پر اوندھا پڑا تھا گولی اُسکی کھد پڑی پر ماری گئی تھی۔

آس پاس خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ مختصر سی تلاشی کے بعد عمران نے عدد و دائرہ عمل والا ٹرانسمیٹر برآمد کر لیا جو بیڑی سے چلتا تھا۔

پھر اس نے یہی مناسب سمجھا کہ بیہوش آدمی کو جھوپڑے سے ہٹا دے تلاشی کے دوران میں ایک ٹاپرچ بھی ہاتھ لگ گئی تھی۔





کر چکے ہو؟

”تم مجھے عجوبہ نہیں کر سکتے۔“

عمران نے ریپلاور کے دستے سے اُس کے گھٹنے پر ضرب لگائی اور منہ پر ہاتھ جما دیا۔

وہ چمکنے لگا لیکن کراہ کی آواز نہ نکل سکی۔ کیونکہ منہ پر بھی عمران کی گرفت مضبوط تھی۔ اس نے دوسرے گھٹنے پر بھی ضرب لگائی۔ پھر توبے تکان اُس کے دونوں گھٹنوں اور پنڈلیوں کی ٹہریوں پر تکیا منت توڑنا رہا۔

کچھ دیر بعد جب اس نے اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹایا تو وہ دہی دہی سی سسکیاں لے رہا تھا۔ شاید اس پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ عمران نے تپنوں کی جیب سے چیونٹک کا پیکٹ نکالا۔ اور اُس میں سے ایک پیس نکال کر منہ میں ڈال دیا۔

”چیونٹک سے شوق کرو گے؟“ اس نے جب کراس کے کان میں کہا تو اس نے غریب الوطنی میں اس سے زیادہ خاطر نہ کر سکا گا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ پھر جیس و حرکت ہو گیا تھا۔ عمران نے ٹرانسٹیٹ کا سوچج آن کر دیا لیکن آواز کا حجم نہیں بڑھایا۔ کس تھڑی ایٹ کی پکاد برابر ہو رہی تھی۔

اس بار اس نے سوچج آن کے ٹرانسٹیٹ کو قیدی کے چہرے کے قریب رکھ دیا۔

رہنمائی ڈائریکٹری دیکھی جارہی تھی۔ سو کچھ بھی کرنا تھا۔ اجالا پھیلنے سے قبل ہی کر گز رہا تھا۔ اب سوچج آن کا قیدی کو اتنی بیداری سے نہ مارنا چاہئے تھا۔ اب تو اس کے بھی امکانات تھے کہ زبان بند رکھنے کے لئے

وہ ہوش میں آجائے گے یا وہ بھی خود کو بے ہوش ہی پوز کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُسے دو تین چھپکیں آئیں اور وہ آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔ ”مجھے بتاؤ۔ تمہاری قول جھوٹے میں کہاں رکھی ہے؟“ عمران نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم اُس کی ضرورت محسوس کر رہے ہو!“

”ہاں۔ آں۔۔۔“ وہ کراہا۔ ”کٹھڑی کے صندوق میں۔“

عمران تیزی سے جھانپوں کے باہر نکل گیا اور پھر واپسی میں دو منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ برآمدی کی آدھی قول تھی۔

کارک نکال کر اس کے ہونٹوں سے لگادی اور اس وقت تک نہیں ہٹائی جب تک کہ قیدی نے اپنے سر کو جھٹکا نہیں دیا۔

”اب تم حواس میں رہ کر عقلندی کا ثبوت دے سکو گے۔“ عمران غور سے سوچ رہا تھا۔

قیدی کچھ نہ بولا۔ گہری گہری سانس لے رہا تھا۔

”کیا تمہیں یاد ہے۔ میں نے کیا کہا تھا؟“

”ہاں۔“ آواز کسی نرمی جھپٹنے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔

”میں ٹرانسٹیٹ کا سوچج آن کرنے جا رہا ہوں۔ کال ہوئے پر تم دہی ہو گے جو میں کہہ چکا ہوں! سمجھے؟“

قیدی کچھ نہ بولا۔ عمران نے ٹرانسٹیٹ کا سوچج آن کر دیا۔

کچھ دیر بعد پھر کس تھڑی ایٹ کی پکاد ہوئی اور قیدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اٹ اٹ اٹ کس تھڑی ایٹ۔ میں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا برا قیدی ہے۔۔۔ آؤ۔۔۔“

”نرم اُسے وہیں رکھو۔ کچھ دیر بعد انتظام کیا جائے گا۔ آؤ اور بیٹہ آں“

آواز پھر نہیں آئی۔ عمران نے سوچ آف کر کے پوچھا۔ ”اور پیو گئے!“  
 ”عوں۔“ اس نے غصیلی سی آواز حلق سے نکالی۔ عمران نے پھر بول کر اس کے ہونٹوں سے لگا دی۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر عمران نے کہا۔ ”غائب اب کوئی تمہارے قیدی کے لئے آئے گا۔“

وہ خاموش ہی رہا۔

”دیکھا وہ سب تمہیں پہچانتے ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔

”ہاں۔“

”غیر اب تو یہ تباؤ۔“ پھانسی کا چھند پسند کرو گے۔“ پھر اس نے گواہ بنایا۔  
 ”وہیں موت سے نہیں ڈرتا۔“

”شادی سے پہلے میں بھی نہیں ڈرتا تھا۔“ عمران نے کہا۔ ”لیکن شادی کے

بعد سے نہ جوت موت سے ڈرتے لگا ہوں بلکہ شغف تس کے ہدایت نامے  
 بھی پڑھنے لگا ہوں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ تم پھانسی کا چھند کہیں پسند کر دے گے۔“  
 وہ پھر کچھ نہ بولا۔

”میں بھی کیوں نہ تمہاری کھوپڑی میں گولی ہی مار دوں۔“ تھوڑی دیر

بعد عمران نے کہا۔

”جیسے جاؤ۔“ مجھے کسی بات کی بھی پرواہ نہیں ہے۔“

”اوکھچو میں شروع ہو جاؤں۔“ عمران بڑبڑایا۔ ”اس بار تمہارے دانتوں

کی مضبوطی آزمائوں گا۔“

”نہ۔“ نہیں۔“ تیزی سے بکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ”تم ایسا

تمہیں کر سکتے۔“

”مجھے کون روکے گا۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا چاہتے ہو۔“

”سٹیٹ کو آرڈر کا پتہ تباؤ۔“

”میں نہیں جانتا۔ یقین کرو۔“ ہمیشہ ٹرانسمیٹر ہی پر ان سے

نفسگاہ ہوتی ہے۔“

”حکمران حاکمات سے تمہارا کیا تعلق ہے۔“

”وہاں میں ہوں۔“

”مگر تو قریب کچھ آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

”اس ملازمت سے قبل ہی سے میرا ان سے تعلق رہا ہے۔ ان کی ہدایت پر

میں نے یہ ملازمت اختیار کی تھی۔“

”ان کے ساتھ کس طرح پڑے تھے۔“

”میں کہانی ہے۔“

”وہ میں غائب پسند کروں گا۔“

”میں ایک مقامی فرم میں کثیر تھا۔ ایک بار نہ جانے کیسے پچاس ہزار کا گھنٹا

ہو گیا جس کی ایک پائی بھی میری ذات پر صرف نہیں ہوئی تھی۔“ آٹھ پڑے اُسے

چپک کر دیا اور مجھے حیل سمجھا دیئے کی دھکی دی۔ ان دنوں میں جید شریف یاد دہرے

مختلون میں بادل تھا ڈر گیا۔ پھر آڈیٹر سے پہلے پوزیشن کی کہیں ایک گروہ کے لئے

کام کروں جو اسے گناہ کرتا ہے اس طرح یہ کی پوری کر دی جائے گی۔ میں تیار ہو

گیا تھا۔ پھر حیل اچھی طرح دلدل میں پھنس چکا تو معلوم ہوا کہ اسے گناہ نہیں بلکہ

غیر ملکی ایجنٹ تھے اور میں ملک و قوم سے غدار کی کارکردگی ہو رہا ہوں۔ لیکن اب

کیا ہو سکتا تھا۔ پوری طرح ان کی گرفت میں تھا۔“

”بیٹہ کو اڑھ کر کہاں ہے“

”یقین کرو دوست — میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں — ذرا بول اداہر  
بڑھانا —“

”ضرور — ضرور —“ عمران نے بول اس کے ہونٹوں سے لگا دی۔

وہیں گھونٹ لے کر اس نے سر کو جھکا دیا اور عمران نے بول شبلی۔

”تمہارے ذمے کیا کام ہے“

”حکمران شکلات کے ایک آئینہ سے کچھ پیغامات ملتے ہیں۔ جنہیں میں کوٹورڈز  
میں بذریعہ ٹرانسمیٹر میڈ کو اڑھ کر تک پہنچا دیتا ہوں“

”کیا بھی کسی غیر ملکی سے بھی رابطہ برقرار ہے؟“

”کبھی نہیں۔“

”یہ آدمی جسے تم نے گولی مار دی ہے۔ کون تھا؟“

”حکمران شکلات کا وہی آئینہ جس کے پیغامات، بیٹہ کو اڑھ کر تک پہنچاتا تھا؟“

”اور بیٹہ کو اڑھ کر کے پیغامات اُس تک — کیوں؟“

”ہاں —“

”کیا تم جانتے ہو کہ اس نے لیفٹیننٹ بن کر ایک آدمی کے اغوا کا پروگرام

تیار کیا تھا؟“

”اس نے پروگرام نہیں بنایا تھا بلکہ یہ پروگرام میرے توسط سے اسے بیٹہ کو اڑھ

کی طرف سے ملا تھا۔“

”کوٹورڈز کی ٹریننگ تمہاری کہاں سے ملی تھی؟“

”اُمی اسٹریٹس جس نے مجھ پرغبین کا کس کرنے کی دھمکی دی تھی۔“

”وہ اب کہاں مل سکے گا؟“

”اسی قسم ہیں“

”نام بتاؤ۔“

”تم پہلے یہ بتاؤ کہ اب میرا کیا حشر ہوگا؟“

”معتقد ہی سے کام لینے کا وعدہ کرو تو تمہاری گردن بچانے کا وعدہ میں  
بھی کروں گا۔“

”میں تیار ہوں۔“

”ہوں؟“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا یہ کیا مجھے یہاں رک کر بیٹہ کو اڑھ کر کے  
سی آدمی کا انتظار کرنا چاہئے؟“

”مفضل ہے۔“ قیدی نے کہا یہ کوئی نہیں آئے گا۔“

”پھر تم مجھے اب تک کس طرح پہنچاتے۔“

”وہ جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عمران نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اُس  
سی قسم کی آواز سننی تھی — کوئی جھاڑیوں کے باہر چل رہا تھا۔“

عمران نے جھانک کر دیکھا۔ تاروں کی چھاؤں میں ایک دلازدادی نظر آیا۔ جو  
بونیٹرے کی طرف جا رہا تھا۔“

عمران نے آغری بار بھونپڑے کا چرخہ نہیں بھجایا تھا۔

اُس نے اُس آدمی کو بھونپڑے میں داخل ہونے دیکھا اور خود بھی تیزی سے

برٹیک گیا! ریلو اور کا دستہ مقبوضی سے اس کی معطلی میں جکڑا ہوا تھا۔

پھر پڑنے تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ اُس نے دروازے سے جھانکا۔ اُس نے

اس کی پشت اس کی طرف تھی۔ اور وہ قیدی کی لاش پر بھجکا ہوا تھا۔

پھر جیسے ہی وہ سیدھا ہونے لگا عمران تیزی سے پیچھے ہٹ کر پھر زمین پر

بٹ گیا۔



وہ جھپٹے کے باہر آچکا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے آواز دی ”سکس  
تھرٹی ایٹ۔ تم کہاں ہو؟“

لیکن یہ آواز نہ؟ عمران کی کھوپڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ یہ تو کسی عورت  
کی انتہائی سہل آواز تھی۔ اُس نے پھر سکس تھرٹی ایٹ کو پکارا۔ آواز اتنی بلند  
تھی کہ جھاڑیوں تک ضرور پہنچتی ہوگی جہاں سکس تھرٹی ایٹ رسیوں سے جکڑا  
پڑا تھا۔

دفعتاً عمران نے حلق سے بھرائی ہوئی سی آواز نکالی ”اندہ چلو۔ اندہ چلو۔“  
”تم کہاں ہو۔“ پھر پوچھا گیا۔  
”اندہ چلو۔“ عمران نے پھر اسی لہجے میں کہا۔

اور وہ جھپٹے میں چلی گئی۔  
ان لوگوں کے طریق کار کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمران نے سوچا کہ وہ سکس  
تھرٹی ایٹ سے ذاتی طور پر شاید ہی واقف ہو۔ ہو سکتا ہے کبھی اس کی شکل تک  
نہ دیکھی ہو۔

جیسے ہی وہ جھپٹے میں داخل ہوا۔ وہ چونک کر رہی۔  
دراز قد اور غورکش شکل عورت تھی۔ ہاتھ پر خالص مضبوط معلوم ہونے  
والے عمر بھی زیادہ نہیں تھی۔ بشکل کچیس یا پھیس کی رہی ہوگی۔ جیکٹ اور  
چست پنٹوں میں بلبوس تھی۔

”قیدی کہاں ہے؟“ اُس نے پوچھا۔ اور عمران نے اطمینان کی سانس لی۔  
وہ حقیقتاً سکس تھرٹی ایٹ سے واقف نہیں تھی۔

دیورائیڈ ٹیٹی؟ ”عمران نے سخت لہجے میں پوچھا۔  
”نائین سیون فور۔ فار میڈ کو اور ٹر نہ۔“

”فار یا فرام۔“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”فار؟“ وہ اُسے گھورتی ہوئی غرائی۔

”تنہا۔ آئی ہو۔“

”ہاں۔“ قیدی کہاں ہے۔ اسے بیہوش کر کے گاڑی تک پہنچا دو؟“

”وہ۔“ وہاں جھاڑیوں میں پڑا ہے۔ یہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔  
”اُسے یہاں لاؤ۔“

”بہت بہتر۔“ تم میڈ جاؤ۔ عمران نے اسٹول کی طرف اشارہ کیا اور  
دو بائزر نکال گیا۔

وہ جھاڑیوں میں واپس آیا۔ اور قیدی سے بولا ”کوئی عورت آئی ہے۔  
یہی وہ کہیں سے لے جانے کے لئے۔ وہ تمہیں صورت سے نہیں پہچانتی۔ اس لئے  
میں نے خود کو بحیثیت سکس تھرٹی ایٹ پیش کیا ہے اور تمہیں قیدی کی صورت  
میں اُس کے سامنے لے جاؤں گا۔“

”اس سے فائدہ؟“ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ”میرا دعویٰ ہے کہ تم اس طرح  
بھیڈ مارا کرتا کہ ہرگز نہ پہنچ سکو گے۔“

عمران چنکے اس پر عورت نے اپنا ہاتھ بولا یہ پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔  
”میں اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں! انہوں نے مجھے فریب دے کر بھانسا

تھا۔ عرصے خواہش تھی کہ کسی طرح ان کا بیڑہ غرق ہو اور اس میں میرا نمایاں  
حصہ ہو۔ مجھے اپنی جگہ پر پرہیز ہے۔“ اور مجھ سے رابطہ قائم رکھو۔ اس طرح ان

ہوہوں کو ان کے بلوں سے نکالا جا سکے گا۔ اس عورت کو جہاں چاہو لے جاؤ  
جیسے پوچھا جائے گا تو کہہ دوں گا کہ کوئی عورت یہاں سرے سے آئی ہی نہیں۔

باب بوڑھا آدمی تھا جو قیدی کو میڈ کو اور ٹر کے حوالے سے لے گیا۔

”تجربہ معقول ہے۔ لیکن... اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم ہمارا ہی ساتھ دو گے؟“  
”فی الحال میں کسی طرح بھی یقین نہ دلا سکوں گا۔“

”ابھی بات ہے۔ فی الحال میں بھی سوچ کر رہا ہوں مجھے کرنے دو۔“  
”عمران نے اسے اٹھا کر پیٹھ پر لٹا دیا اور بھونپڑے میں لے آیا۔ عورت اٹھتی ہوئی بولی۔“ اُسے گاڑی تک پہنچا دو۔“

”اُس کے ماتم۔“ عمران دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ قیدی اُس کی پشت پر لدا ہوا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ سڑک پر آئے۔ عمو عورت ہی نے دہنٹائی کی تھی لیکن عمران اس راستے سے نہیں آیا تھا۔ کافی وقت حرف ہوا تھا یہاں تک پہنچنے میں۔ گاڑی ایک چوٹی سی دیہی تھی۔ عمران نے عورت سے کہا کہ وہ گاڑی کو اس کی سائیڈ پر بیٹھے وہ پچھلا دروازہ کھول چکا تھا۔ قیدی زمین پر تھا۔ عورت اگلی سیٹ پر جا بیٹھی۔ عمران نے جلدی اس کے ماتھے پر کھول دیسے اور اس طرح دروازہ بند کیا کہ آواز پیدا ہو۔

قیدی آزاد ہو چکا تھا۔ اب عمران تیزی سے آگے بھٹتا اور ڈرائیور کی سیٹ کے برابر والے دوسرا دروازہ کھول کر عورت کے پاس بیٹھ گیا۔  
”کہا مطلب۔“ عورت نے چونک کر کہا۔  
”جی ہاں۔“

”تم۔“ اُس نے حیرت سے کہا یہ مجھ سے یہ نہیں کہا گیا؟

”دیکھو بہن۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا یہ جو چیز تمہاری کمربٹ چھو رہی ہے پینٹا لیس کیکیئر کے ربو اور کی نال ہے۔ لہذا جلد ہر کمربٹ چھپ چاہ چلی جلد۔ ورنہ... یہ خالی بھی نہیں ہے۔“



پھر اس نے سکس مفرٹی ایٹ کو آواز دے کر کہا۔ ”اُس لاش کو اٹھا لاؤ  
مڑ لے جاؤں گا۔“

”تت۔“ تم۔ کون ہو۔“ عورت ہلکائی۔

”اپنا وقت نہ ضائع کرو۔ خاموش بیٹھو۔“ عمران غراہا۔

ربو اور کی نال بدستور عورت کی کمرے لگی ہوئی تھی۔

مٹھوڑی ویر بعد دین کے پچھلے دروازے کے کھلنے اور۔ پھر بند ہونے  
آواز آئی۔

”اگٹ۔“ عمران بلند آواز میں بولا اب اپنا نام بھی بتانے جاؤ۔“

”راہن جو دھری۔“ باہر سے آواز آئی۔

مدگٹ گہرے تنگ۔۔۔ بے بی۔“ عمران نے ربو اور کی نال سے دباؤ ڈال  
رہا۔

انجن اٹارٹ ہوا۔ اور دین چل پڑی۔

عمران اسے خفت سڑکوں پر گاڑی موڑنے کی ہدایت دیتا ہوا سیدھا دانش

بزل لایا۔ اور اسی طرح کمرے ربو اور لگائے ہوئے نیچے اترنے کا حکم دیا۔

کچھ دیر بعد وہ ساؤنڈ پروف کے میں پہنچ چکی تھی۔ لیکن اس کے چہرے

سے ذرا برابری خوف نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔

”میٹھ جاؤ۔“ عمران نے ٹھکانا لے لیا میں کہا اور وہ بڑے پر ڈھانڈا نما میں

پاؤں تھوٹنے کی طرف بڑھی۔

عمران سوچ رہا تھا کہ میں بساط کا یہ مہرہ بھی فضول ہی نہ ثابت ہو۔!

”اب بتاؤ۔؟“ عمران نے کہا۔

”کیا بتاؤں، وہ غصیلے انداز میں غرائی۔“

”تم کس کے لئے کام کر رہی ہو۔“

”کیا مطلب۔“

”تمہیں کس نے بھیجا تھا۔“

”تمہارا دامغ صحیح ہے یا نہیں۔“ اس نے انہیں نکال کر کہا۔

”بھیجا ہے یا تم زبردستی پکڑ لئے ہو۔ میں ایک سنان سرگ سے گذر رہی تھی۔“

”اتھا کر گاڑی رکوائی۔ پھر قریب آئے اور بالور نکال لیا۔ تمہارے ساتھ تین آدمی اور بھی تھے انہوں نے ایک لاش اٹھا رکھی تھی۔ لاش انہوں نے میری

دین میں رکھ دی اور تم بالور کے زور سے میرے قریب بیٹھ گئے۔ اور دیکھو

کرتے پر عبور کرتے ہوئے یہاں تک لائے۔ پتہ نہیں تم کیا چاہتے ہو؟“

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور اتفاقاً انداز میں منچلائے لگا۔ سفید گھٹی فارمیں

تو کبھی کی چہرے سے الگ ہو چکی تھی اور وہ اب اپنی اصلی صورت میں اس کے

ساتھ موجود تھا۔

”میں کہتی ہوں مجھے جانے دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔؟“ وہ دانت

پیس کر بولی۔

”یہ وہی کس کی ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”میری ہے۔ اور کس کی ہوتی۔“

”وہی کام کرتی ہو۔“

”گو اس بند کرو۔ بالکل اچھا معلوم ہونے ہو۔“

”مرد خواتین سے گفتگو کرتے

کا سلیقہ نہیں ہے تمہیں۔“

”کوئی معزز خاتون ہی یہ کی بھی پوری کر اوسے گی۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔

”میں اپنے سوال کا جواب منور چاہوں گا۔“

”کیا میں کوئی گری پٹی عورت ہوں کہ کام کاج کرتی چھروں۔“

”بیر بات بھی معقول ہے۔“ عمران سر ہلکا کر بولا۔

”میں پھر کہتی ہوں مجھے جانے دو۔“

”مرد خواتین کی بے حد عزت کرتا ہوں اس لئے کافی اعزاز و اکرام کے ساتھ

واپس کروں گا۔ مطمئن رہو۔ یہ بتاؤ کہ ان لوگوں کے چکر میں کیسے چلتی ہیں۔“

”میں کہوں کہ؟“

”جی ہاں کہہ سکتی ہو کہ یہ بھلا دینا پڑتا ہے کہ تم ایک معزز خاتون ہو؟“

”تم یقیناً نہیں ہیں۔“

”مرد خواتین کو دیکھ کر بغیر پتے بھی اکثر شبک جاتا ہوں۔ تم اس کی بردا

نہ کرو۔“

”شاید تمہاری شامش ہی اگلی ہے۔ کیا تم نے کبھی سمیعہ رضی الدین کا

نام سنا ہے؟“

”غالباً۔ وہ جو بہت مشہور سوشل ورکر ہیں۔“

”کیا صاحبہ؟“

”میں سمیعہ رضی الدین ہوں؟“

”گڑ۔ تب تو مشکل آسان ہو گئی۔ میں رضی صاحبہ کو فون کر کے یہیں

بلانے لیتا ہوں۔“

”گگ۔ کیا بکواس کر رہے ہو؟“



میں اپنا اطمینان کر لینا چاہتا ہوں عترہ۔“ عوان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا: ”پچھلے دنوں ایک صاحبہ نے خود کو براہِ منسٹر کی بیوی ظاہر کر کے مجھ سے ساٹھ بارہ آنے اینٹھ لئے تھے۔!“

”م۔ میں۔ تمہیں یقین دلائی ہوں۔“

”اگر وہ خود آکر تصدیق کرویں تو کیا برائی ہے۔ میرے خیال سے شہل ور کر ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ آپ بارہ بجے رات کے بعد شہر میں دیں لے پھریں جب کہ خان بہادر صاحب کے پاس بھی بڑی شاندار کاریں بھی موجود ہیں۔ شاید وہی آپ سے پوچھ سکیں کہ وہیں ٹھہرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔“

وہ خاموش ہو گئی۔ نیکیے خدو خال کسی قدر ڈھیلے پڑ گئے تھے کچھ دیر بیٹھنے کی دیدہ دلیری دم توڑتی نظر آ رہی تھی۔

”آپ یہیں مشرعی رکھتے عترہ، عوان دروازے کی طرف بڑھنا ہوا ہوا میں دوسرے کمرے میں جا کر خان بہادر کو فون کروں گا۔ منبر ڈاکٹر کی ہیں دیکھ لوں گا۔“

”عترہ۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

”جلدی کہے جو کچھ کہنا ہو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

عورت تھوک نکل کر رہ گئی۔

عوان استغیا میندا میں اسے دیکھتا رہا۔

”انہوں نے مجھے... ب۔ بلیک میل کیا تھا۔“ وہ کچھ دیر بعد بولی

”جہت پرانی کہانی ہے۔“ عوان نے لاپرواہی سے شانوں کو خنیش دی۔

”پھر مجھے کیا کہنا چاہئے۔ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“ عورت ہجلا گئی۔

”میں یہ قطعی نہیں جانتا چاہتا کہ تمہیں کس سلسلے میں بلیک میل کیا گیا ہے بلیک میل کا نام اور پتہ بتاؤ۔“

”یہی تو میں تمہیں جانتی۔“

”اچھا اُسی کا نام اور پتہ بتاؤ جس کے سلسلے میں بلیک میل کی جاتی رہی ہو؟“

”کیا مطلب۔“ اس نے پھر آنکھیں نکالیں۔

”کسی بوڑھے کی جوان بیوی ہجلا کس سلسلے میں بلیک میل کی جاسکتی ہے؟“

ان نے بڑے عجولے پن سے پوچھا۔

”بدلتیر ہو تم۔“ عورت اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

عوان کے ہونٹوں پر طنز بیسی مسکراہٹ تھی اور وہ اس کی آنکھوں میں جا رہا تھا۔ آخر کار اس نے کہا: ”اسی دل گروے کی ہو تو بلیک میل کیوں کر رہی ہو۔“

وہ پھر بیٹھ گئی۔ اب اس کی نظریں فرش پر تھیں۔

عوان نے کچھ دیر بعد کہا: ”ہر سکتا ہے اس بلیک میلنگ میں اُسی کا ہر جس کے لئے تم بلیک میل کی جا رہی ہو۔!“

”وہ ناممکن ہے! عورت کی زبان سے ایسی ارادی طور پر نکلنا۔“

”کیا عروسی تمہاری؟“

”تم سے مطلب۔“ عورت جہت زیادہ ہجلا گئی۔

”تساخس سال۔“ عوان اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا تھیں

”خوش فہمی میں مبتلا ہو تو میری جہت کی بات نہیں۔ خیر۔ میں تو تم سے

پوچھ رہی ہوں کیا تم اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن ہو۔“

وہ پھر سست نظر آنے لگی۔ نظریں فرش پر جمی ہوئی تھیں اور پھر سے کے آتا رہا چاؤ سے جذباتی کش مکش نمایاں تھی۔

درمیان خیال ہے کہ کوئی بھی شریف انفس انسان خوشی سے وطن دشمنی کو شکار نہیں بنا سکتا۔ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ بڑے آدمی بھی کسی مجبوری ہی کے تحت اس طرح اپنی روح تک فروخت کر دینے پر آمادہ ہوتے ہوں گے!

عورت نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

عمران کہتا رہا: اس بیٹی کو کیا ہو گی جو ان کی عزت کا سودا کر بیٹھے!

”خاموش رہو۔ خدا کے لئے خاموش رہو، وہ رو پڑی۔“

عمران خاموش ہو گیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے ہوئے

سسکیاں لیتی رہی۔

کچھ دیر بعد اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا: تم کون ہو؟

”تم خود ہی اندازہ لگاؤ کہ میں کون ہو سکتا ہوں!“

”وسی۔ آئی۔ ڈی سے تعلق ہے تمہارا۔“

”ہو سکتا ہے۔“

”پھر اب میرا کیا ہو گا۔“

”ہاں یہ مسئلہ قابل غور ہے۔ سمیعہ رضی.... جیسی محب وطن سوشل

ورکر کا مستقبل“

”کیا مجھے کورٹ میں پیش ہونا پڑے گا؟“

”جیسی کچھ ہو سکتا ہے۔“

”بچاؤ کی کوئی صورت نہیں؟“

”ہے کیوں نہیں؟ کیونکہ معاملات ابھی میری ذات سے آگے نہیں بڑھے“

”تو پھر خدا کے لئے مجھے بچاؤ؟“ وہ گلگھساٹی۔

عمران کچھ نہ بولا، خواہ عزرا ایسی صورت بنائے رہا جیسے کسی الجھن میں پڑ گیا ہو۔!

”لو لو۔ کیا کرو گے تم؟“ کچھ دیر بعد عورت نے پوچھا۔

”اگر میں نے تمہیں رہا کر دیا تو تم زندہ نہیں بچو گی۔“ وہ تمہیں ختم کر دیں گے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

”اگر نہ رہا کیا تب بھی تمہارا سے ہی میں رہو گی تمہاری کم شدگی خان بہادر

صاحب کے ماتھے پر کلک کا حیکہ بن جائے گی۔“

”دیر بھی درست ہے۔“ وہ اپنی پیشانی مسلتی ہوئی بولی۔ ”میں کیا کروں؟“

”اگر تم مجھے سب کچھ بتا دو تو میں کوئی تدبیر کرنے کا وعدہ کر سکتا ہوں۔“

”میں بتا دوں گی۔ لیکن یقین کرو کہ میں ان میں سے کسی سے بھی واقف

نہیں ہوں۔ یہ دوسرا آدمی تھا جس سے مجھے دوبارہ ہونا تھا۔ درنہ مجھے تو فون

پر احکامات ملتے ہیں، ایسے کئی بار ایکس چینج سے بھی پتہ لگانے کی کوشش کی لیکن

دوسرے فون کا نمبر مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔“

”ان سے تجھے کیسے پتہ چلیں گی۔؟“

”انہوں نے میرا ایک راز فاش کر دینے کی دھمکی دے کر مجھے اپنا غلام

بنایا تھا۔“

”اُس آدمی کا نام اور پتہ بتاؤ جس سے وہ راز و البتہ ہے؟“

عورت نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا اور عمران بھی خاموشی سے

جواب کا منتظر رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ میرائی ہوئی آواز میں بولی: "اُس کا نام سی ایچ طارق ہے۔ یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس کا لکچرار ہے۔ لیکن میں یقین نہیں کر سکتی کہ اس بلیک میلنگ میں اسی کا ہتھ ہوگا۔"

"سب کچھ ممکن ہے"

وہ پھر خاموش ہو گئے! عورت جیڈ نروس نظر آرہی تھی! ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پل بھر میں اس کی شخصیت ہی بدل گئی ہو۔ تیکھے خدو خالی لٹکا میز چال میں ڈوب گئے تھے۔

عمران نے تھوڑی دیر بعد پوچھا: "وہ تم سے کیا کام لیتے ہیں؟"

وہ کچھ نہ بولی۔

کچھ دیر اور خاموشی رہی پھر اس نے کہا: "مختلف قسم کے کام۔ جو اکثر تعلیمی سرچا معلوم ہوتے ہیں! نہ میں اُن کا مقصد سمجھتی ہوں اور نہ انہیں کوئی معنی پہناسکتی ہوں!"

"مثلاً؟"

"پچھلے دنوں مجھے حکم ملا تھا کہ میں بہت ہی تھوڑا قسم کے تین چار بے مہار کے انہیں ایک مقامی ڈاکٹر کے سپروکر دوں۔"

"ڈاکٹر کا نام اور پتہ؟"

"عمران جیب سے اپنی نوٹ بک نکالتا ہوا بولا: "ڈاکٹر پی۔ کے۔ جھنگراگر۔ سترہ پرس لین۔"

عمران نے نام اور پتہ نوٹ کیا۔ چند لمبے کچھ سوچتا رہا پھر بولا: "تم اس وقت قیدی کو کہاں لے جاؤ گی؟"

"احکامات کے مطابق میں اسے ایک سفارستانے کی عمارت کی کپڑا ڈھیں

چھوڑ دیتی۔"

"اور لاش کا کیا ہوتا۔"

میں جھوٹے والے کو بدایت دیجی کہ اُسے وہیں کہیں دفن کر دے" پھر عمران کے استفسار پر اس نے سفارت خانے کی عمارت کا محل وقوع بھی بتایا۔ عمران سب کچھ نوٹ کرتا جا رہا تھا۔

نوٹ بک بند کر کے اس نے ایک طویل سانس لی اور بولا: "اچھا عزم میں فی الحال تمہارا انتظام کئے دیتا ہوں لیکن تم مجھے رابلہ قائم رکھو گی اور اُن کے احکامات کی بھی تعمیل کرتی رہو گی۔ کیا سمجھیں۔"

"میں یقین دلاتی ہوں وہی کروں گی جو تم کہو گے"

وہ تم اپنی دین میں بیہوش پائی جاؤ گی! اُسی طرح پر جو اُس دیر ان علاقے کی طرف جاتی ہے۔ تمہاری دین کا پچھلا حصہ تباہ ہو چکا ہوگا۔ اور تم بحالت

بیہوشی اسٹیشن تک پہنچی ہوئی ہو گی۔ پولیس باقاعدہ طور پر اس حادثہ کی رپورٹ وضع کرے گی۔ میرے آدمی تمہیں بیہوشی کی حالت میں ہسپتال پہنچائیں گے اور ہوش آتے ہی پرتھویران دو کی کہ کسی گاڑی کے نیچے سے تمہاری دین میں ٹکر ماری تھی۔ پھر

کیا تمنا تھا؟ تمہیں یاد نہیں۔ اور یہی بیان تم ان لوگوں کو بھی دو گی جو تمہیں ان معاملات میں الجھائے ہوئے ہیں! تم اُن سے کہو گی کہ اُن کے حکم کی تعمیل کرنے جا رہی تھیں کہ یہ حادثہ پیش آیا اور تم تھالی ہوئی جا کر پرہینے کی بجائے ہسپتال جا چکی!"

"اُدھ۔ یہ ٹھیک ہے۔ بہت بہت شکریہ۔ لیکن مجھے بیہوش کیسے کرو گے؟"

"ایک انجکشن کے ذریعہ۔ لیکن ریڈیکل ٹسٹ یہی بتائے گا کہ بیہوشی کی

وجہ اچانک دھچکا تھا۔"

"اُدھ ٹھیک۔ بہت مناسب"

"لیکن تم یونیورسٹی کے لیچرر سے بھی پہلے ہی کی طرح ملتی رہو گی۔ اُسے کچھ بھی



”معلوم ہونے پائے۔ ویسے کیا اُسے علم ہے کہ کوئی تمہیں ٹیک میل کر رہا ہے“

”نہیں قطعی نہیں، میں نے اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کیا“

”اچھا۔ میں بھی آیا“ عمران اٹھتا ہٹا بولا۔

کمرے سے باہر نکل کر اس نے دروازہ کے اس میکینزم کو حرکت دی جو اُسے اس طرح مقفل کر دیتا تھا کہ کسی لاعلم آدمی کی کوششوں سے نہ کھل سکے۔

اب وہ آپریشن روم میں آیا۔ فون پر ٹیکسٹ میسج سے رابطہ قائم کر کے صفحہ چوہان اور نعمانی کو طلب کیا۔

پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر وہ وہاں پہنچ گئے اور عمران نے انہیں سمجھایا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔۔۔ وہ تینوں عمران کو وہاں دیکھ کر متحیر رہ گئے تھے۔

”لیکن جناب۔۔۔ آپ یہاں کیسے آ پہنچے۔ کیا اس میں ہماری غفلت

کو دخل ہے“ صفحہ نے پوچھا اور عمران نے ہنس کر جواب دیا، ”اگر تمہاری غفلت

کو دخل ہوتا تو تمہارا گرو ایس ٹو تمہیں یہاں جیسے کی بجائے کسی موشی خانے

کے عشی کے حوالے کر دیتا“

”آخر آپ کس طرح نکل آئے۔ میرا خیال ہے وہاں کچھ نامعلوم آدمی بھی

آپ کی نگرانی کر رہے تھے“

”اس سب کو میں نہ چڑو۔ میں اسے پہچانش کرنے جا رہا ہوں۔ یہاں سے تم اُسے

اپنی گاڑی میں لے جانا۔ نہیں بلکہ یہاں سے جیپ لے جاؤ۔ اور سارے جنٹ

نعمانی تم اس کی دین ڈرائیو کر کے اس مقام تک لے جاؤ گے۔۔۔ وہیں گاڑی

ایلو مینو کا ہے جیپ کا ایک ہی دھکا اس کا حلیہ بگاڑ دے گا۔ اس کے بعد

تم پہچانش عورت کو اُس کے اسٹیوٹنگ پر ڈال کر۔۔۔ وہاں سے کھسک جانا۔

ہے۔۔۔ اور تم انہیں جانے دے۔ حادثہ پر موجود لوگ“

”تو کیلئے وہاں سب سے پہلے موجود رہنا پڑے گا“

”ہرگز نہیں۔ یہ تم اس لئے کہو گے کہ وہ یقین کر لیں اور پہنچنے میں

ویرہ نہ لگائیں۔ اگر فون ہی پر تمہارا نام پوچھیں تو نہایت اطمینان سے شہر کے

کسی بھی پڑے آدمی کا نام بتا سکتے ہو۔“

انہیں ہدایات دے کر وہ تجربہ گاہ میں آبا کسی سیال سے ایک ہارڈ ڈسک

سیرجے لو کی اور پھر ساؤنڈ پروڈکٹس کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ عورت شاید بے چینی

سے اس کی نظر حق۔ اس نے غور و فکر سے سیرجے کی طرف دیکھا لیکن کچھ بولی

نہیں۔ چپ چاپ اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ عمران نے جیکٹ کی آستین

اوپر کھسکا کر گلائی، یہی میں انکسشن دے دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ حیرت انگیز

خود پر بے ہوش ہو گئی۔



دوسری صبح عمران دس بجے تک سوتا رہا۔ دانش منزل میں بالکل تنہا

تھا۔ صفحہ کی رپورٹ کے مطابق سارے کام حسبِ نشاء ہوئے تھے، اور

اس وقت سمیع رضی ہسپتال میں تھی۔

وہ میسر سے اٹھ کر بیڈ ہا آپریشن روم میں آیا تھا۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ

بحرِ محروم کے ٹرانسپورٹس فری کو نمسی پر پیغام رسائی کرتے ہیں۔ اس لئے اب وہ

آسانی سے انکے پنیات سن سکتا تھا۔ لیکن یہ خیال غلط نکلا۔ سارا دن اسی

کوشش میں صرف ہو گیا۔ لیکن وہ اس فری کو نمسی پر کچھ بھی نہ سن سکا۔ ارادہ تھا کہ

وہ ان بیانات کو نوٹ کرتا جائے گا اور پھر راجن کی مدد سے ان کے کوڑوڑوڑے  
معنی سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ وہ دن پھر سرمانا رہا آخر کار شام ہوتے ہوتے  
اُسے اپنی طاقت کا احساس ہو ہی گیا۔ بالکل سامنے کی بات تھی لیکن پہلے نہ  
سوچیں۔ عجلہ وہ عطا کیوں نہ ہو جانتے سبب انہیں رُک اٹھانی پڑی تھی۔ ظاہر  
ہے کہ کسی کو ان کے پروگرام کا علم ہو گیا تھا بھی تو وہ آدمی ان کے ہاتھ نہ آسکا۔ ہو  
نقل بیٹھینٹ کو قید سے نجات دل کر ان کے ایک اڈے تک لگا چلا آیا تھا۔  
بائیں بازو کی تکلیف بڑھ گئی تھی۔ لیکن وہ اپسریں کھا کھا کر کسی حد تک  
درو کی ادویت سے بچتا رہا تھا۔

اندھیرا پھیلتے ہی اُس نے پھر میک اپ کیا اور دانش منزل سے نکل کھڑا ہوا  
راجن سے ملنا ضروری تھا۔

وہ اُس سے ملا اور اُس آؤٹریکے متعلق مزید پوچھ گچھ کی جس کے توسط سے  
وہ ان غیر ملکی ایجنٹوں کے بہتے پڑھا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کا نام روبن مکرجی  
ہے۔ ایک ویسی عیسائی سید پرادرز امپورٹرز ایڈ ایکسپورٹرز سے متعلق ہے۔ جائے  
رہائش بھی معلوم کی۔ پھر پوچھا کہ کچھ رات کے بعد سے اُس پر کیا گذری تھی۔

”مجھ سے کوڑوڑوڑیں پوچھا گیا تھا کہ تبدیلی اور لاش کا کیا بنا۔ میں نے آپ  
ہی کہے ہوئے الفاظ مبرائے کہ ایک بوڑھا انہیں لے گیا۔ اس کے بعد سے  
ٹرانسمیڈیٹھا موش ہے۔ مجھے کوئی بیانات نہیں ملا۔“

”وہ ہوشیار ہو گئے ہیں، عمران پچھ سوچتا ہوا جڑا رہا۔“

”وہ عورت کون تھی۔ اس کا کیا بنا۔“

”پھر بتاؤں گا؟ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ مہر حال تو محتاط رہو۔“

وہ پھر شہر آیا۔ لیکن فی الحال آؤٹریک کو سب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ بہت

احتیاط سے قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ اگر آؤٹریک کو ذرا سچی شہ ہو جائے تو ایسے حالات  
میں ان لوگوں کی توجہ یقیناً طر پر راجن ہی کی طرف مبذول ہو جاتی۔ انہیں یقین  
ہو جائے گا کہ راجن ہی ٹوٹ گیا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی وہ اسکیم ناکامی کی گودیں  
جاسوئی۔

پھر اس نے سوچا ڈاکٹر پی کے۔ عیثا گر کو دیکھنا چاہئے جس کے لئے سمیعہ رضی  
الدین نے تین چار درست بلے مہیا کئے تھے۔

اُس نے پرس لین کے سرے ہی پر گاڑی روک دی اور نیچے اتر آیا۔ پرس لین  
تو ڈاکٹر کو ہی لگی تھی۔ لاتعداد تھے۔ مختلف امراض کے ماہر۔۔۔ اس  
لئے ڈاکٹر عیثا گر کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا۔

وہ ایک ایک بورڈ پڑھتا پھرا۔

آخر ایک عمارت کی دوسری منزل پر سرار ملے۔ ڈاکٹر عیثا گر اعصابی امراض  
کا ماہر تھا۔ عمران کو ڈیٹنگ روم میں بیٹھنا پڑا جہاں پہلے سے بھی کئی مریض موجود  
تھے۔ ان میں کربا دہندہ اور عورتوں کی تھی۔

فطوری تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر کی سیکرٹری آئی اور مشورہ کی فیس وصول کر کے  
باری باری سے مریضوں کو ڈاکٹر کے کمرے میں بھیجتی رہتی۔

عمران کی باری بھی آئی اور اسے بھی بطور مشورہ فیس تیس روپے سیکرٹری  
کے حوالے کرنے پڑے۔

ڈاکٹر عیثا گر کے محلے نے خود اسے ہی ایک اعصابی مریض کی حیثیت دے  
رکھی تھی۔ ڈاکٹر نے آدمی تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ مضطربانہ انداز میں  
گفتگو کرتا اور گفتگو کے دوران میں بیڑ پکھی ہوئی چیزوں کی جگہیں بدلتا رہتا۔  
بالکل ایسا معلوم ہوتا جیسے غلطی سے آگیا ہو یا جو اور چاہتا ہے کہ وہ کسی طرح

جلدی سے دفع ہو جائے۔ دوران گفتگو میں بھلانا بھی تھا۔

”کلم کیا تکلیف ہے آپ کو۔“

”جج جناب۔“ عمران نے بھی کسی اعصاب زدہ سے آدمی کی ادکاری شروع کی۔ کلم کیا تباؤں۔ رات کو کوئی خواب دیکھتا ہوں... اور صبح کو اس کی تفصیلات یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو جسم بڑی طرح کانپنے لگتا ہے.... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہاتھ پیروں کی جان لگ گئی ہو... غشی سی طاری ہونے لگتی ہے۔“

”خواب کس قسم کے دیکھتے ہو۔“

”دس دس سانپ۔ سانپ بہت نظر آتے ہیں۔“

”شادی ہوئی ہے؟“

”نہیں جناب۔“

”شادی کر ڈالو۔“

”م۔ میں علاج کرنے آیا ہوں جناب۔“ عمران نے نامور شکرار لہجے میں کہا۔

”شادی ہی علاج ہے تمہارا۔ ویسے میں ایک انجکشن کھے تیا ہوں۔“

ہر تیسرے دن لیٹے رہنا... پھر انجکشن لینے کے بعد پھر ملنا۔ لیکن شادی زیادہ مناسب ہے۔“

”ابھی زبردستی ہے۔“ عمران بکواس گیا۔ میں نہیں کرنا چاہتا شادی۔“

”آپ کریں یا نہ کریں لیکن شادی علاج ہی ہے۔“

”آپ میرے قومی جذبات کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں!“ عمران اور زیادہ شعل

نظر آئے لگا۔

”قومی جذبات۔“ ڈاکٹر جھٹکا کر کے بھج میں جبریت تھی۔

”ہمارے قبیلے میں شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔“

”آف فوہ!“ ڈاکٹر جھٹکا کر جبریت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا یہ تب تو پورے قبیلے کی شادی ہے۔“

”بہت ہچکا۔“ عمران اچھل کر کھڑا ہو گیا اور جیب سے ربوہ اور نکال کر دیکھی

کی سی سرعت کے ساتھ اس کے پہلو میں پہنچ کر ربوہ اور کی نال بائیں پسٹل سے لگا

دی اور پھر آہستہ سے بولا یہ میں بھری پڑی سڑک پر بھی کسی کو گولی مار سکتا ہوں

چپ چاپ اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔“

”کلم۔ کیا مطلب۔“

”غاموش۔“ عمران نے ربوہ اور سے پسٹل پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا یہ آواز

نہ نکلا۔ اٹھو اور چپ چاپ چلو میرے ساتھ۔“

”کہاں!“

”جہاں میں ملے جاؤں! اگر تم نے ذرہ برابر بھی کوئی حرکت کی تو جہنم میں

پہنچ جاؤ گے۔“

ڈاکٹر بڑی طرح ٹرڈ ماس ہو گیا تھا! چپ چاپ اٹھا اور عمران کے ساتھ چلنے

لگا۔ اب عمران نے ربوہ اور کو گولی کا معنی جانب والی جیب میں ڈال لیا تھا اور

اس کی نال اس کے پہلو سے جھڑائے ہوئے پل رہا تھا۔

وہ ویٹنگ روم کے سامنے سے گزرتے ہوئے ریون تک آئے۔ اسی طرح

سڑک پر بھی پہنچ گئے۔ لیکن ابھی لگے لگے سر سے تک اسی طرح جانا تھا کیونکہ عمران

نے کاروبار میں چھوڑی تھی! یہ سب کچھ اچانک ہوا تھا۔ عمران اس ارادے سے قلعہ نہیں آیا تھا کہ یہ سب

کچھ کر گزرتے گا۔ خیال تھا کہ ڈاکٹر جھٹکا کر کو صرف ایک نظر دیکھ لینے کے بعد اس



کی مگرانی کرانے لگا۔ لیکن پھر چاناک اسکیم بدل دی۔ کیوں نہ ان لوگوں میں ہراس پھیلا یا جائے اس طرح وہ بوکھلا کر آسانی سے بے نقاب ہو جائیں گے۔ بہر حال اب اس کا ذہن تیزی سے دوسرے پلاٹ بھی مرتب کرتا جا رہا تھا۔

وہ اسے دانش منزل لایا اور ساؤنڈ پر دف کر کے پس بند کر کے پھر نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت وہ بالکل کسی جھوٹے سے مشابہ نظر آ رہا تھا۔ اب اُسے سید پر اور رز کے آڈیٹر روبن مگرچی کی تلاش تھی۔ پہلے اُس نے سوچا تھا کہ اس کی بھی مگرانی کرانے کا لیکن اب تو اسکیم بدل ہی گئی تھی۔

روبن کے گھر پر معلوم ہوا کہ وہ برج کلب میں ملے گا۔ وہاں پہنچا تو سوچنے لگا کہ اسے پہچانے کا کیونکر... بہر حال وہ اندر چلا ہی آیا۔ یہ کہنے کو تو برج کلب تھا لیکن حقیقتاً یہاں اعلیٰ پیمانے پر جوا ہوتا تھا۔ ساری ہی چیزیں جھری نظر آئیں۔ یہاں ہوتا تو برج ہی تھا لیکن بعض لوگ سینکڑوں روپے پوائنٹ کا کھجور کر کے کھیلنے بیٹھتے تھے۔ اور بار جیت کا حساب کتاب بعد میں ہوتا تھا اس طرح وہ قانون کی گرفت میں بھی نہیں آتے تھے اور قمار بازی کے شوق کی تکمیل بھی ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ کلب کے منتظمین کے علم میں ہوتا تھا۔

عمران نے پہلے میزوں پر نظر ڈالی اور پھر منیجر کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ روبن مگرچی کے پڑوسیوں سے اس نے اس کے متعلق بہت سی معلومات حاصل کر لی تھیں۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں منیجر کے کمرے میں داخل ہو کر اُس سے بولا۔  
”براہ کرم مشر روبن مگرچی کو جلد ہی سے بلا دیجئے“

”کیوں؟“ منیجر نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔  
”ان کے گھر سے جی خبر لایا ہوں۔ بند ہی کیجئے“

اور منیجر خود ہی اُسے بلانے دوڑا گیا۔  
کچھ دیر بعد روبن مگرچی نظر آیا اور عمران کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورتے لگا۔

”دفعہ فرمائیے“

”آپ ہی مشر روبن ہیں۔“

”جی ہاں کہئے“

”آپ کا چھوٹا بچہ جیون زینے سے گر کر زخمی ہو گیا ہے۔ غالباً گلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ یہ کموش پڑا ہے۔ میں آپ کے پڑوسی مشر خان سے ملنے گیا تھا انہوں نے مجھے کہا کہ آپ کو اطلاع کروں۔ آپ کی مسز وہاں فون کرنے آئی تھیں۔ لیکن ان کی لائن خراب ہے۔ کیا آپ میرے ساتھ پلیس گئے گاڑی ہے!“  
”اُوہ۔۔۔ بہت بہت شکریہ جناب۔ ضرور چلوں گا!“ روبن نے کہا اور عمران کے بڑھتے سے قہقہہ خود ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

”میں بے حد شکریہ گزارہوں جناب۔“ اُس نے عمران کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ جیون بچہ شری ہے۔ لیکن کیا کہا جائے ان عورتوں کو.....  
”فرہ براہ بھی پڑا نہیں رہ جاتی بچوں کی اگر کوئی جاسوسی ناول پڑھتا آجائے۔ میرا بس چلے تو سارے جاسوسی ناول نویسوں کو گولی سے اڑا دوں۔ اور میری بیوی۔۔۔ خدا اس سے بچے۔ جاسوسی ناول سنبھالا اور اُمسی میں ڈوب گئی۔“

چاندل طرف سے گھبرے کھڑے ہیں۔ ”جی کھانا کھاؤ گی گا۔“ ممی کا منی نے مجھے چٹہ مار دیا۔ اسے ممی میں سوئے کی بالیاں لوں گی... وہ کمان چاڑھ رہے ہیں اور آپ ہیں کہ کتاب پر سے نظر مٹانے لگیوں اُوں نے جارتی ہیں زیادہ کسی نے بات بڑھائی تو نیند بلبوں کی طرح دانستہ پس کر دیا۔ ہاتھ جڑوئے

اور پھر وہی کتاب — خدا غارت کرے —!

”جی ہاں —“ عمران انہی اشارت کرتا ہوا سر ملا کر بولا ”جی ہاں یہی تو کہتا ہوں چاہے بال بچوں کی شادی کر دے مگر خود شادی کبھی نہ کرے“

جی — کیا فرمایا —! ”روبن کے بچے میں حیرت تھی —

”مطلب یہ کہ سرے سے شادی کرنی ہی نہ چاہیے“

”نہیں جناب ضرور کرنی چاہیے۔ لیکن ذرا دیکھ بھال کر پہلے ہی معلوم کر لینا چاہیے کہ ہونیوالی بیوی جاسوسی ماموں کی شوقین تو نہیں ہے“

”چلتے ہی سہی“ عمران سر ملا کر بولا ”اور پھر بالکل خاموش ہو گیا۔ روبن ہی اپنی بیوی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تلخ اناز میں روشنی ڈالنے لگا پھر پھر

دوبارہ چونک کر بولا ”یہ آپ کہہ رہا رہے ہیں“

”دیکھ کر سب خیر مت ہے“ عمران نے آہستہ سے کہا ”وہاں پھر میں اور کیا کہنا چاہتا ہوں تمہارے لئے بالکل اجنبی ہوں — ویسے اس وقت تمہارا راجن چودھری

کے پاس پہنچنا بہت ضروری ہے — مجھے یہی حکم ملا ہے“

”اؤہ —“ روبن نے ہونٹ پیچھنے لگے۔

اور پھر عمران اُسے بھی سیدھا دافش منزل لیتا چلا آیا۔ اور اُسے بھی دھکا دیا ساؤنڈ پر فٹ کرے میں — اور پھر چل پٹا تیسرے آدمی کی تلاش میں۔ یہ پرزور فیئر

طارق تھا جس کا پتہ وہ بیگم سمیرا رضی الدین سے معلوم کر چکا تھا۔ اس بار روانہ ہونے سے قبل اس نے بلیک زبرد کو فون کر کے دافش منزل پہنچنے کی ہدایت کر دی

تھی اور اسے بتا دیا تھا کہ ساؤنڈ پر فٹ کرے میں وہ قیدی ہیں جنہیں اس کی عدم موجودگی میں نہ پھینکا جائے۔

طارق کے متعلق تو کچھ گچھ کہنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس وقت روئیندر سٹی کی ڈیپلیکسی

میں ٹیبلٹیں کھیل رہا ہو گا —!

طارق عمران کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اُسے سبکدوشوں بار دیکھ چکا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ خود اسے نہ جانتا رہا ہو — کافی وجہ یہ اور ندرست آدمی تھا۔

عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی —

عمران نے ٹیبلٹ کے قریب کھڑے ہو کر ہانک لگائی ”پرو فیئر طارق کون صاحب ہیں“

دونوں کھلاڑیوں کے ہاتھ رک گئے اور طارق نے متحیرانہ ہجے میں کہا۔

”فرمائیے؟“

”آپ ہی ہیں —“

”جی ہاں“

”ذرا الگ چلیے۔“

اُس نے اپنے پارٹنر کی طرف دیکھا۔ اور پھر عمران کی طرف دیکھ کر بولا چلیے! وہ دونوں برآمدے میں آئے اور عمران نے کسی تمہید کے بغیر کہا ”آپ کو بیگم سمیرا رضی الدین کے بلایا ہے“

”وہ کہاں؟“ اُس نے حیرت سے پوچھا۔

”سول ہسپتال میں۔ کیا آپ کو اس حادثے کی اطلاع نہیں ملی۔ شام کا کوئی

اختیار تو دیکھا ہی ہو گا آپ نے۔“

”نہیں آج نہیں دیکھ سکا — کیا بات ہے“

”پچھلی رات کسی گاڑی کی ٹکڑ سے ان کی دین کا پچھلا حصہ تباہ ہو گیا۔ وہ خود ہی

ڈراما کر رہی تھیں۔ شاک سے بیہوش ہو گئیں — خدا کا شکر ہے کہ وہیں تو نہیں آئیں۔ لیکن ڈاکٹروں نے کچھ دن آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے — وہ پرائیویٹ وارڈ

ہیں ہیں۔ آپ میرے ساتھ ہی چل رہے ہیں۔ گاڑی موجود ہے!“  
 ”جی ہاں چلوں گا۔“ شہر بیٹے میں ابھی آیا۔  
 وہ چلا گیا۔ اور عمران حبیب سے چوڑے کانٹے نکال کر اس سے شغل  
 کرتے لگا۔

طارق کوٹ اور فلیٹ بیٹ ہیں کہ اب آیا اور اس کے ساتھ کار میں  
 بیٹھ گیا۔ کار چل پڑی۔

کچھ دیر بعد اس نے عمران سے پوچھا: ”آپ کی تشریف؟“  
 ”میں بھی ان کے مداحوں میں سے ہوں۔“  
 ”کہا مطلب۔“

”اور کچھ نہ سمجھے گا۔“ عمران سہن کر بولا: ”ان کے سوشل ورک کی طرف اشارہ  
 تھا۔“

”اور کیا سمجھوں گا؟“ طارق نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”خدا جانے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں پہلے بولنا ہوں پھر اس پر غور کرتا ہوں  
 پچھلے دنوں اسی بات پر پٹھتے پٹھتے سچا تھا۔ میرے چہرے میں ایک خاں صاحب  
 رہتے ہیں۔ ایک جگہ اپنے گھر کی نمائندگی کی بدولت شہر کے آداب کی تشریف کر رہے تھے  
 چونکہ میں خواہ مخواہ ہاں میں ہاں ملائے گا بھی عادی ہوں۔ اس لئے بول پڑا۔

ابھی کیا پوچھتے ہیں آپ کی عواظین کے۔ ابھی پچھلے ہی دنوں آپ کی بڑی صاحبزادی  
 کسی کام سے کہیں باہر جا رہی تھیں۔ میں نے لاکھ لاکھ میٹیاں بچا ہیں، خوب آوازے  
 کئے مگر کیا حال ہوا اس نیک بی بی نے نقاب بٹا کر دیکھا تو کہنے کو نہ کہہ سکا لیکن  
 پوری بات اس وقت سمجھ میں آئی جب خاں صاحب نے میرا گریبان پکڑ کر جھٹکا  
 دیا۔ میں سنار سے ہی اچھے تھے جناب کہ چند فشتور نے بچ بچا ڈکرا دیا تھا۔ ورنہ

اُسے باپ رے۔“

”آپ یہ وہ ہونے سے باوجود بھی دلچسپ آدمی معلوم ہونے میں اُطارتی  
 نے تلخ لہجے میں کہا۔

”جی ہاں۔ بالکل بالکل۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”اسی طرح وہ اُسے باتوں میں الجھائے ہوئے دانش منزن تک لایا۔

اور جب کیا نوٹ میں گاڑی روکی تو وہ چوہمک کر بولا: ”لیکن یہ سول ہسپتال  
 تو نہیں ہے؟“

”نہیں ہے تو اب بن جائے گا!“ عمران نے ربوہ الود نکال کر اس کی کمر

سے لگاتے ہوئے کہا: ”چنب چاب پیچے اُتر چلو۔“

”کک۔“ کیا مطلب؟“ طارق ہلکایا۔

”وہ اُتر۔“ وہ اُسے ربوہ الود سے دھکیلتا ہوا بولا۔

طارق دروازہ کھل کر حبیب چاب پیچے اُتر گیا۔ عمران اسے بھی کورسے  
 ہونے لگی دروازے سے نیچے اُتر آیا۔



پروفیسر طارق کو بھی ساؤنڈ پر فوٹ کرے میں دیکھ لیا گیا۔

عمران اندر نہیں گیا۔ بلیک زیرو عمارت میں موجود تھا اس نے عمران کو تلبیا

کہ ان کے دونوں قیدی ایک دوسرے کے لئے اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔

”میں نے آپریشن روم میں کوشا فن پر دونوں کی گفتگو سنی تھی۔“ بلیک زیرو

نے کہا: ”وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ وہ کون ہیں اور یہاں



کس طرح آچھنے —!“

”اب اس تیسرے کو بھی دیکھو۔“ عمران نے بلیک زیرو کو کہا اور پھر آپریشن روم کی طرف چلا گیا۔

عمران برآمدے میں بیٹھنا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح ان سے گفتگو کا آغاز کرے۔ ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ اگل ہی دیں۔ اگر اپنی ناظمی ظاہر کرنے پر اڑ گئے تو وہ راجن اور سمیرہ رضی کو باقاعدہ گواہ بنائے بغیر ان کے خلاف کچھ بھی ثابت کر سکے گا۔ اصل مسئلہ تو سرگروہ پر ہاتھ ڈالنے کا تھا اور یہ ضروری نہیں تھا کہ یہ تینوں یا ان میں سے کوئی اُس سے واقف ہی ہوتا۔ لہذا کھل کر کوئی کارروائی کرنے میں حد درجہ احتیاط کہ وہ اور زیادہ ہوشیار ہو جاتا۔“

کچھ دیر بعد بلیک زیرو نے اطلاع دی کہ تیسرا آدمی یعنی پرو فیئر طارق بھی اُن سے واقف نہیں معلوم ہوتا اور وہ بھی اُن دونوں کیلئے اجنبی ہے!

”اب انہیں ایک ایک کر کے کرہ نمبر پانچ میں لاؤ۔ دیکھ لینا اُن میں سے کوئی مسلح تو نہیں ہے۔“

پھر تھوڑی دیر بعد وہ بھی اسی کمرے میں پہنچ گیا۔ پرو فیئر طارق سامنے بیٹھا بیچ ڈاب بکھرا ہوا تھا اور بلیک زیرو دروازے پر اس طرح جاکھڑا تھا جیسے جھگڑنے کی کوشش کرنے والے کو قتل تک کر دینے سے دریغ نہ کرے گا۔

عمران کو دیکھ کر پرو فیئر طارق کے غصے میں اضافہ ہو گیا۔ چیخ کر بولا

”یہ کیا بیہودگی ہے۔ اس کا مقصد —!“

جواب عمران نے ہاتھ سے دیا۔۔۔ گھو تسہ بائیں جڑے پر پڑا تھا۔ طارق کرسی سے فرش پر الٹ گیا۔ پھر اسی انداز میں دوبارہ اٹھتا تھا۔

جیسے عمران کا گلا ہی گھونٹ دے گا۔!

بلیک زیرو درمیان میں آگیا۔ شاید اُس نے یہی سوچا ہو گا کہ عمران کا باپاں بازو زخمی ہے۔۔۔ پرو فیئر طارق اُسی پر چھپٹ پڑا۔ لیکن منہ کی کھائی بلیک زیرو جو اس کے لئے پہلے سے تیار تھا اُسے فرش پر گر کر چڑھ بیٹھا۔ اور دو تین کے گدی پر جائے۔!

طارق بے بسی سے چخا: ”کیا تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔!“

”دھچھوڑ دو!“ عمران نے بلیک زیرو سے کہا۔

بلیک زیرو اُسے پھوڑ کر ہٹ گیا۔ اور عمران اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا: ”تمہیں کس نے مشورہ دیا تھا کہ سمیرہ کو اپنے ہی سلسلے میں بلیک میل کرو۔“

”اُوہ۔۔۔!“ طارق ہنٹ جھینچ کر رہ گیا۔ پھر جھک کر خون تھوکنے لگا۔ اس کا چھلا ہونٹ چھٹ گیا تھا۔

”جانتا پڑے گا۔“ عمران ساپ کی طرح جھپکھکا اور ”ورنہ اتنا ماروں گا کہ مرجاؤ گے اور یہیں کہیں کیا ڈنڈ میں دفن کرادوں گا۔“

”تت۔۔۔!“ ایسا نہیں کر سکتے!“ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر خوفزدہ انداز میں بولا۔

”دیتاؤں!“ عمران جھپکھکا۔

”جھپو۔۔۔!“ اس نے اسے روکنے کے لئے دونوں ہاتھ اُسے جھپلا دیئے

”میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکوں گا۔“

”مم۔۔۔ میں نے اسے بلیک میل کیا تھا۔!“

”کس کے اشارے پر۔۔۔!“

”میں نہیں جانتا!“ وہ سسکی لے کر بولا: ”مجھے ڈاک سے ایک تصدیق

ملی مٹھی جو ہم سی دو دنوں کی مٹھی قابل اعتراض حالت میں تصویر بھیجنے والے  
نے لکھا تھا کہ اگر یہ تصویر پتھر کے ہاتھ لگ جائے تو وہ تہمتیں قتل کر ا  
دے گا۔ بدنیور مٹھی کے ذمہ داروں کو بھیج دی جانے تو تہمتیں ملازمت سے  
ہاتھ دھوئے پڑیں گے۔ لہذا غفلت نہ رہی ہو گی کہ سوچ کر کہا جائے کہ وہ اور  
پھر اس نے لکھا تھا کہ میں خود اسے بلیک میل کروں۔ مجبوراً کرنا پڑا یقین کر د  
— میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔“  
”خط موعود ہے اس کا۔“

”ہے لیکن۔ بیکار۔ کیونکہ انگریزی میں ایک کیا گیا ہے۔ نیچے کسی  
کے دستخط بھی نہیں ہیں!“  
”پھر بھی تم نے انہیں محفوظ کر رکھا ہے یا نہیں؟“  
”نہیں۔ ہمیشہ تلف کر دیتا ہوں۔ چونکہ اب احساس ہوا ہے کہ میں  
کسی غیر ملکی ایجنٹ کے چھند سے مل چکا ہوں۔ اس لئے کوئی ایسی چیز بطور  
ثبوت اپنے پاس نہیں رکھ سکتا جو میری گردن پھنسلے کا باعث بنے۔“  
”یہ تم کس بنا پر کہہ رہے ہو کہ وہ کوئی غیر ملکی ایجنٹ ہے؟“  
”پچھلے دنوں اس نے ایک خاص مسئلے پر مجھے طلبا دیں بے چینی پھیلانے  
پر مجبور کیا تھا۔“

”اوہ۔“ عمران کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے  
بلیک ریزیرو سے کہا ”اسے لے جاؤ۔ دوسرے کو لاؤ۔“

”آپ کون ہیں؟“ طارق نے حیرانی ہوئی آواز میں پوچھا۔

لیکن عمران نے جواب دینے کی بجائے ہاتھ ملا کر جانے کا اشارہ کیا۔  
بلیک ریزیرو اسے کرے سے باہر نکھیل گئی۔

کچھ دیر بعد وہ ڈاکٹر کو بلا یا جو بالکل کسی ایسے لڑکی طرح آنکھیں پھاڑ  
بھاڑ کر بلیکس بھپکا رہا تھا جسے روشنی میں کھینچ لایا گیا ہو۔  
”تم۔“ پائل ہو۔ خط نامک قسم کے پائل!“ وہ عمران کی طرف انگلی اٹھا کر  
بولتا۔ اس طرح علاج ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ اپنے والدین کو بھیجیو میرے پاس۔“  
”ضرور بھیجوں گا۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”صرف تیس سو روپے میں مجھے یہاں گھسیٹ لائے۔ پھر چرانے کی پچاس  
روپے نہیں ہوتی ہے۔ کل یقیناً میں سیکرٹری کو دے دیتا۔“  
”مہبت اچھا۔“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور بلیک ریزیرو  
سے بولا۔ ڈاکٹر صاحب کے لئے چائے لاؤ۔“

”نہیں میں چائے نہیں پیتا۔“ ڈاکٹر جھٹکا کرنے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”مجھے  
جلد جانا چاہئے۔ کسی مریض پر منتظر ہوں گے۔“  
”جی ہیلانے کے لئے دو چار جینا دوسری قسم کے ملے بھی لیتے جانا۔“  
”کیا مطلب؟“ ڈاکٹر جھٹکا کر چونک کر اسے گھورنے لگا۔  
”کچھ دن پہلے کوئی عورت تمہیں چندیلے دے گئی تھی؟“  
”یاری بالکل پائل معلوم ہوتا ہے۔ کسی ایسی سیدی بائیں کر رہے ہو۔ مجھے  
جانے دو۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ عمران کرسی کی طرف اشارہ کر کے غرابا۔

”نہیں بیٹھوں گا۔ ہاں... کیا سمجھا ہے تم نے۔“

عمران نے اس کا شانہ دلوچ کر ریزیرو دستی بٹھا دیا اور بولا۔ ”تم نے اس  
آدمی کو دیکھا ہی ہوگا جسے ابھی اس کے کمرے میں لے جایا گیا ہے اس کے  
ہونٹ چھٹ گئے تھے۔ عمن بہرہ رہا تھا۔ تم ڈیڑھ سیل کے آدمی ہو... اس لئے

عفتا طرہ بنا چاہتا ہوں!

”کیا مطلب۔ یعنی کہ۔“

”ہلوں پر نہ کر کیا عمل کیا تھا“

ڈاکٹر بھٹا کر کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے عمران کو گھورتا رہا! البتہ اس کا سینہ

وہوٹنے کی طرح چھوٹنے اور پیچھے لگا تھا۔

خوشگڑی دیر تک خاموشی رہی اور عمران چھت کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک نہر

سے بولا: ”اسے چھت سے اٹھا لگا دو۔ مار پیٹ میں اپنا ہی خسارہ ہے۔ اگر

مر گیا تو خواہ عواد اس کی آرتھی بھی چھوٹنا پڑے گی“

”ملک۔ کیا کر رہے ہو تم لوگ۔“

”جو کچھ بھی کر رہے ہیں۔ اچھا کر رہے ہیں۔ ویسے اگر تم سچ بتاؤ تو

مار پیٹ سے بچ جاؤ گے“

”کیا بتا دوں“

”تم نے ان ہلوں کا کیا کیا تھا جو تمہیں اس عورت سے ملے تھے“

”م۔م۔ میں نے انہیں ایک دوسرے آدمی کے حوالے کر دیا تھا“

”یونہی؟“ عمران اس کی آنکھوں میں گھسٹا ہوا بولا۔

”جی نہیں۔ م۔م۔ میں نے ان کے ناحوں کو زبردستی بنایا تھا اور انہیں

ایسے انجکشن دیئے تھے جو ان میں جنسی ترکیب پیدا کر سکیں“

”زہر کی نوعیت کیا تھی۔ کیا وہ جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا؟“

”حصص صرف... ایک بلے کے ناحی مہلک قسم کے زہر میں ڈلوئے گئے تھے

اور نقیب پر ایسے زہر کا مینٹ تھا جو گہری بیہوشی طاری کرتا ہے اور ہوش آنے پر

ایسی نقابہت محسوس ہوتی ہے جیسے برسوں سے بیمار رہا ہو۔ مل۔ لیکن تم

کون ہو۔“

”کیا تمہیں نہیں معلوم ہو سکا کہ ان ہلوں نے شہر میں کیسی اُدھم مچائی

تھی۔“

”میں نے اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں سنا۔“

”نہیر۔ اور کیا کام لیا جانا ہے۔ تم سے... میرا خیال ہے کہ تم

زہروں کے بھی ماہر ہو!“

”یہ درست ہے... نہر میرا مفروضہ موضوع رہے ہیں۔“

”سوئیوں کو بھی زہر آد کر سکتے ہو۔“

”ہاں میں نے کچھ سوئیوں زہر آد کر دی تھیں“

”مہلک تھے؟“ عمران نے پوچھا۔

”کچھ مہلک تھے اور کچھ صرف بیہوشی طاری کرنے والے“

”وہ کس کے لئے تھیں۔“

”کاش میں اسے جانتا ہوتا۔“ ڈاکٹر بھٹا نے آواز میں بولا۔

”کیوں؟“ عمران نے آنکھیں نکال کر کہا: ”اب جھوٹ بولو گے!“

”تمہیں میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ ڈاکٹر کا لہجہ ناخوشگوار تھا: ”یقیناً

بے کر میں سے تمہیں جانتا۔ کاش میں جانتا ہوتا... کاش میں۔“

”لیکن تم اس کے لئے ایسے کام کیوں انجام دے رہے ہو۔ صورت سے تو

بہت شریفانہ آدمی معلوم ہوتے ہو!“

”وہ کوئی ملکہ میلہ ہے۔ مجھے ملکہ میل کر رہا ہے۔ پہلے ایک خط لکھ

زربیع مجھے میری بعض کمزوریوں سے آگاہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے زربیع ہر

ملکہ میلنگ کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔“



”اور کس قسم کے کام لئے جاتے رہے ہیں تم سے۔“  
 ”بس ابھی تک مختلف قسم کی تہہ آلود چیزیں تیار کرائی گئی ہیں۔ لیکن  
 میں ان کے مقصد یا استعمال سے ناواقف ہوں۔“  
 ”شکریہ ڈاکٹر تمہیں چند دن میرا مہمان رہنا پڑے گا۔“  
 ”کیوں؟۔ یہ ناممکن ہے۔“  
 ”تم سمجھتے نہیں۔ وہ بلیک میل ایک غیر ملکی ایجنٹ ہے اور کسی ملک  
 کے لئے جاسوسی کر رہا ہے۔“  
 ”اوہ۔“ ڈاکٹر حیرت سے آنکھیں میچا کر رہ گیا۔  
 ”تم اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو اس لئے تمہیں آرام سے رکھا جائے گا۔ اگر  
 تمہیں چھوڑ دیا گیا تو اسے گزندہ رکرنے میں دشواری ہوگی۔“  
 ”اگر یہ بات ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ کیا تم عکلمہ مرغلرسانی  
 سے تعلق رکھتے ہو؟“  
 ”ہاں جیسی سمجھ لو۔“  
 ”لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ میرے ان جرائم کی پردہ پوشی ہو سکے جن کے سلسلے  
 میں بلیک میل ہوتا رہا ہوں۔ ویسے میں تمہیں یقین دلانا ہوں کہ میں اسٹیٹ  
 کا مجرم نہیں ہوں۔“  
 ”میں تمہیں یقین دلانا ہوں کہ تمہیں عدالت میں نہیں پیش ہونا پڑے گا۔“  
 ”شکریہ۔“  
 ”عمران نے بلیک زبرد سے کہا: ”مکہ تبرگیارہ میں ڈاکٹر کے“ ہونے کا  
 انتظام کر دو۔ اور انہوں نے ابھی رات کا کھانا بھی نہ کھایا ہوگا۔ پھر  
 تیسرے کو بھی لاؤ۔“

بلیک زبرد ڈاکٹر کو لے گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد روبن ٹکرجی کے ساتھ  
 واپس آیا جو بہت زیادہ بڑا فروختہ نظر آ رہا تھا۔  
 ”امریکا بیہوشی ہے۔“ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم کسی غیر ملکی ایجنٹ کے  
 متعلق پوچھ چکے ہو۔ اس لئے سچ کر کہا۔  
 ”پر غلط نہیں ہے؟“ عمران نے آہستہ سے جواب دیا۔  
 ”لیکن مجھے کیوں اس طرح پکڑا گیا ہے؟“  
 ”اس لئے کہ تم بھی اُس کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور بتا سکو گے۔“  
 ”زبرد رستی۔“  
 ”ہاں غرضی سے نہیں بتاؤ گے تو زبرد رستی ہی کرنی پڑے گی۔“  
 ”میں کسی غیر ملکی ایجنٹ کے متعلق نہیں جانتا۔“  
 ”پھر تم راجن کے نام پر چوب چاب چلے کیوں آئے تھے؟“  
 ”میں کسی راجن کو نہیں جانتا۔ تم نے کہا تھا کہ میرے بچے کا ہاتھ ٹوٹ  
 گیا ہے۔“  
 ”عمران نے کچھ کہنے کی بجائے اٹھا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ اور وہ  
 لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ دوسری طرف بلیک زبرد اُس کے  
 جوانی جسے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔  
 لیکن خلات توقع وہ دیوار سے ٹکا ہوا اپنا ہی رہ گیا۔ مضبوط ہاتھ پیر کا  
 آدمی تھا اس لئے ہی سوچا جاسکتا تھا کہ چھوڑ کھانے کے بعد وہ عمران سے  
 لپٹ پڑے گا۔  
 ”بتاؤ۔ تم کس کے لئے کام کر رہے ہو۔“ عمران غرایا۔  
 ”میں نہیں سمجھ سکتا۔“

”شٹ اپ — دوسرے آدمی کی حالت دیکھ چکے ہو — میں بڑی  
بیداری سے مانتا ہوں۔ یہ سوچے بغیر کہنے والا زہر ہے گا یا مر جائے گا“  
”میں کچھ نہیں جانتا۔“  
”تم نے اپنی خرم کے کیشیر راجن پو دھری کو کیوں بلک میل کیا تھا؟“  
”یہ بکواس ہے میں نے تو ایک مصیبت سے اسے نجات دلانی تھی اگر  
تم اس راجن کی بات کر رہے ہو۔“  
”پچاس ہزار کاغبین — کیوں؟“ عمران اس کی آنکھوں میں  
دیکھتا ہوا بولا —

”ہاں —!“  
”لیکن وہ شایع تمہاری برباضی کا ایک شعبہ تھی“  
”یہ غلط ہے۔“

”بالکل درست ہے۔ کیا تم راجن سے بیان کو جھٹلا سکتے۔!“  
”کوئی بھی کسی کے خلاف الزام تراشی کر سکتا ہے۔!“  
”لیکن یہ الزام تراشی نہیں ہے۔ تم نے جس دھڑے پر اسے لگایا تھا آج  
میں اسی سے لگا ہوا ہے۔“

”میں نہیں جانتا کہ تم کس دھڑے کا ذکر کر رہے ہو۔“  
”دیہیوں نہیں اگلے گا۔“ عمران نے بیک زبرد سے کہا۔ ”اگ میں  
لوہے کی صلاح پتاؤ۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے،“ روہن مگر جی پیجا۔

”مجھ کو تو کسے گا۔؟“

”تم سو کچھ بھی کر رہے ہو۔ خلاف قانون ہے۔“

”تمہیں ہمارے تو این سے کیا سروکار جب کہ ملک ہی سے غداری  
کر رہے ہو۔!“  
”یہ جھوٹ ہے — اسے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔“  
”ثابت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اتنا ہی کافی ہے کہ میں تمہیں علانہ  
بعض غیر ملکی ایجنٹوں کا کارپرداز سمجھتا ہوں۔“  
”روہن مگر جی کچھ زبردلانہ عمران اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔  
دفعتاً اس نے بیک زبرد سے کہا: تم ابھی کئے نہیں۔ میں نے تم سے لوہے  
کی صلاح پتائے کو کہا تھا۔“

بیک زبرد جانے لگا اور روہن مگر جی ہاتھ اٹھا کر بولا: ”مٹھرو — مٹھرو  
یہ کیا کر رہے ہو۔ تم کون ہو۔ کیا جانتے ہو۔؟“  
”کیا اب بھی یہ تباہی کی ضرورت رہتی ہے کہ ہم کوئی ہیں۔“ عمران  
نے مزید بولے۔

”لیکن میں تمہیں کیبتاؤں؟“

”تم کس کے لئے کام کر رہے ہو؟“

”تم راجن سے سب کچھ معلوم کر چکے ہو۔“ مگر اب میں اور کیبتاؤں؟“

”دوسرے نام معلوم آدمی کے لئے کام کر رہا ہے۔“

”اگر میں بھی جی کہوں تو تم یقین کر لو گے؟“ اس نے پوچھا۔

”اگر تم اس کے لئے کوئی معقول جواز پیش کر سکتے۔!“

”میں بھی نہیں جانتا کہ کس کے لئے کام کر رہا ہوں۔ مجھے بھی بیک میل کیا

گیا تھا۔“

”لیکن تم نے راجن کو اس گلگ کر نے والی کسی پارٹی کی کافی نشانہ تھی۔“

”مجھ سے بڑی کیا گیا تھا“

عمران کسی سوچ میں پڑ گیا۔ !



”تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر عمران نے پوچھا: تمہارے ذمہ کیا کام ہے“

”ان کے بتائے ہوئے لوگوں کو بلیک میل کر کے... ان کے سپرد کر دینا۔!“

”سپر وکریڈین سے کیا مراد ہے“

”پھر وہ براہ راست یا میرے ہی توسط سے ان سے کام لینے لگتے ہیں“

”کتنے آدمیوں کو قتل اس طرح بے راہ کیا ہے — مجھے ان کی پوری لسٹ مع پتہ چاہیے“

”مگر جی نے ایسے نو آدمیوں کے نام اور پتے نوٹ کرائے — عمران نے پھر اس سے کچھ نہیں پوچھا —

بلیک زیریو مگر جی کو پھر ساؤنڈ پروٹ کرے میں چھوڑ آیا —

اس بار مگر جی بالکل خاموش تھا۔ نہ تو اس نے رہائی کے بارے میں کچھ کہا اور نہ غصے ہی کا مظاہرہ کیا۔

پھر بلیک زیریو اور عمران لائبریری میں بیٹھے۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کیا کر رہے ہیں!“ بلیک زیریو آہستہ سے بولا اور عمران چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

”ڈوہرننگ وغیرہ آپ کے سامنے ہیں؟“ بلیک زیریو نے کہا۔

”ثبوت بہرہ پہنچانے بغیر کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر ان کے خلاف ہم کیا کر سکیں گے، سوائے اُن کے کہ ہماری حکومت انہیں ناپسندیدہ افراد قرار دے کر اُن کی حکومت سے استدعا کرے کہ انہیں واپس بلوائے!“

”پھر آپ کیا کریں گے!“

”سنو! ڈوہرننگ یا اس کے سفارت خانے والے براہ راست یہاں کے لوگوں کو کام پر نہیں لگا سکتے۔ اس کے لئے ان کا کوئی تنخواہ دار مقامی آدمی یقینی طور پر ہوگا! اصل چیز اس پر باقہ ڈالنا ہے — اور میں اسی کی نگرانی میں ہوں! اس کے باقہ آتے ہی گروہ ٹوٹ جائے گا۔“

”ہوں۔ اگوں یہ بلیک زیریو کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”اب آخری کارڈ ہے ہاتھ میں — یہ اگر ناکام رہا تو...؟“ عمران جملہ پورا اس کے پیچھے کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر بلیک بلیک چونک کر بولا: ”اوہ... میری عقل کہاں گئی... اوہ — اوہ —“

وہ مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

”کیا بات ہے؟“ بلیک زیریو نے پوچھا۔

”سمیجر — اچھی ہسپتال جی میں ہے۔ ان تینوں کے غائب ہوجانے کے بعد وہ لوگ یقینی طور پر سوچیں گے کہ سمیجر... او — ٹھہرو — مجھے سوچنے دو!“

تھوڑی دیر تک وہ ٹھہرتا رہا۔ پھر بلیک زیریو سے بولا: ”سمیجر کو وینز وینک ہسپتال ہی میں رہنا چاہیے۔ اس دوران میں انہیں ان تینوں کی گمشدگی کا علم ہو جائے گا۔ پھر وہ سوچتے پھر سوچتے ہوں گے کہ یقینی طور پر راجن اور سمیجر دونوں ہی ان سے ٹوٹ چکے ہیں...“ حضرت نوٹ چکے ہیں مگر جن لوگوں کو ہاتھ تھے اُن کی



نشانہ ہی بھی کر چکے ہیں؛ لہذا وہ راجن اور سمیر کو نکال لے جانے کی کوشش کریں گے تاکہ ان سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کر سکیں۔ اب تم یہ کرو کہ ان آدمیوں کو بھی ہمیں گھیر لانے کی کوشش کرو جن کے نام اور پتے رو بن کر جی سے لکھوائے ہیں!“ وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”اور — دیکھو — اپنے سارے آدمیوں کو سمیر اور راجن کی نگرانی پر مامور کرو۔ ہر بار اسی کے پاس ایک ریڈیو کار ضرور ہونی چاہئے تاکہ وہ ہر شے کو اس کی تازہ ترین حالات سے باخبر رکھ سکیں۔ بینامات ہمارے مخصوص کوڈز ڈز میں ہونے چاہئیں!“ بلیک زبرد اسی وقت اس مہم پر رواد ہو گیا۔

عمران آپریشن روم میں آیا اور فون پر ڈاکو دھاگو کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے جواب ملنے میں کچھ دیر لگی۔ کال اس کی نئی سیکرٹری کے پاس کر کے اُسے ہولڈ آن کرنے کو کہا تھا۔

”ہو — دوسری طرف سے تھوڑی دیر بعد آواز آئی یہ کون صاحب ہیں“

”عمران —“  
”اُوہ — تم کہاں ہو لوڑ کے — میں آج تمہارے گھر گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ تم رات سے غائب ہو — کہاں سے بول رہے ہو؟“

”یہ نہیں بتا سکتا!“

”پھر کیوں رنگ کیا ہے؟“

”کوئی اور دھمکی ملی اس آدمی کی طرف سے!“

”اچھی تو نہیں —“

”میرا خیال ہے کہ آپ اس کی پیشکش قبول کر لیں“

”دیکھا کہ رہے ہو — لڑکے —“

”مصلحتاً — میں یہ نہیں کہتا کہ آپ سچے صنفی فروشی پر آمادہ ہو جائیں“  
”پھر کیا گنا چاہتے ہو؟“

”یہی کہ آپ اس سے وعدہ کر لیں۔ پھر میں دیکھ لوں گا“

”دیکھو — کہیں میں سچ کچھ کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں“

”میں اپنی ذمہ داری پر —“

”تمہاری ذمہ داری — تمہاری کوئی سرکاری حیثیت تو ہے نہیں — نہیں

بھئی مجھے اس پر عبور نہ کرو؟“

”اچھی بات ہے — اگر اُس نے سچ کچھ آپ کو ختم کر دیا تو — غور نہ تو آپ دیکھ

ای چکے ہیں —“

”خواہ مخواہ — مجھے خوفزدہ نہ کرو —“ سچ کچھ اس کی آواز خوف سے کانپ

رہی تھی۔

”میں سوچ کر کہہ رہا ہوں وہی کیجئے۔ اور مجھے مطلع کر دیجئے“

”کس نمبر پر؟“

”یہ مسئلہ دشوار ہے۔ خیر میں کل آپ کو خبر سے بھی مطلع کر دوں گا۔“ عمران

نے ریسپورڈر کیڈل پر رکھ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

دوسرے دن سربراہنگ وہ نو آدمی بھی وہاں آچھنے — انہوں نے تصدیق

کر دی کہ رو بن مگر جی ہی نے انہیں اس حجتال میں پھنسا یا تھا۔

لیکن وہ بھی اس سے زیادہ نہ بتا سکے۔ اصل آدمی اب بھی پروہ راترہ میں تھا۔

شام ہوتے ہوتے — بلیک زبرد نے عمران کو ایک بڑی خبر سنائی —

”راجن غائب ہو گیا۔“ اُس نے کہا۔

”کیوں؟“ عمران نے آنکھیں نکالیں یہ کون کر رہا تھا اُس کی نگرانی“

کو بھی دوسروں کی مدد کے لئے واپس بھیج دیا۔

رات کو پھر اس نے ڈاکٹر دعا گو سے قون پر رابطہ قائم کیا۔ لیکن دعا گو نے بتایا کہ ابچھ تک اس نامعلوم آدمی کی طرف سے کوئی نئی دھمکی نہیں ملی۔ اس بار پھر اس نے عمران سے قون پر معلوم کرنا چاہا۔ لیکن عمران دانش منزل کے قبر تو کسی صورت سے دے ہی نہیں سکتا تھا۔ حالانکہ یہاں کے بعض بنی ٹیلیفون ڈاکٹر کڑی میں درج نہیں تھے۔ پھر بھی غلط طور پر سنا ہی تھا۔ اس نے دعا گو سے کہا کہ وہ خود ہی فون پر اس سے رابطہ قائم کر کے معلومات حاصل کرنا رہے گا۔ ویسے اسے ڈاکٹر دعا گو بیک وقت خوفزدہ معلوم ہوا تھا۔

عمران بار بار آپریشن روم میں جا کر سمیعہ کی نگرانی کرنے والوں کے پیغامات منتنا تھا۔ ابھی تک کوئی نئی بات ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی۔

ویسے اب اسے اپنی اسکیم بار آور ہونے میں شبہ ہی تھا؛ راجن کے اغواء نے کیل بگاڑ دیا تھا۔ کاش اس کے آدمی بروقت آگاہ ہو گئے ہوتے اور انہوں نے اغواء کنندگان کا تعاقب کیا ہوتا۔ غالباً انہیں علم ہو گیا تھا کہ راجن کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ جی تو انہوں نے اغواء کے لئے بھجیڑی ملی کا حقیقی حصہ منتخب کیا تھا جسے بھاریاں گیس سے ہونے لگی تھیں۔ عمران سوچ رہا تھا کہ اگر وہ راجن کی زبان کھولے میں کامیاب ہو گئے ہوں گے تو شاید ہی سمیعہ کی طرف رخ کریں۔ پھر سوچتا راجن اس کی شخصیت سے واقف نہیں تھا اس لئے یہ بھی ممکن تھا کہ اس کی شخصیت معلوم کرنے کے لئے وہ سمیعہ کی طرف متوجہ ہی ہو جائے۔ اُن کی دانست میں شاید سمیعہ اُس کی شخصیت پر روشنی ڈال ہی سکتی۔

بہر حال اُسے یقین نہیں تھا کہ وہ سمیعہ کے سہارے کسی قدر آگے بھی بڑھ سکے گا!

”چوہان اور تنویر۔“

”دیکھئے غائب ہو گیا۔“

”راہنہیں یقین تھا کہ وہ بھجیڑی ہی میں موجود ہے۔ وہ دور رہ کر نگرانی کر رہے تھے۔ لیکن بھجیڑی دو طرف سے بھاریوں میں گھری ہوئی ہے! انہوں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا! شام کو جب چوہان رفع حاجت کے بہانے ادھر گیا، تو بھجیڑی کی دیوار ٹوٹی نظر آئی۔ راجن کا کہیں پتہ نہیں تھا۔“

”یہ تنویر سید نکلیت وہ ہوتا جا رہا ہے!“ عمران غراہا۔

”دوسروں کی عقلیں بھی غلط ہو جاتی ہیں اس کے ساتھ رہا کر!“ بلیک زیرو

بڑبڑایا۔

”دیکھو۔ اگر سمیعہ بھی ہاتھ سے گئی تو ہم پھر اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہے ہوں۔“

جائیں گے۔“

”میں خود جا رہا ہوں اسے دیکھوں گا۔“ بلیک زیرو نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تنویر کو یہاں بھیج دو۔“

بلیک زیرو دھلا گیا۔ اور کہہ کر دیر بعد چوہان اور تنویر وہاں پہنچ گئے۔ عمران نے

چوہان سے پوچھا کہ راجن کس طرح غائب ہو گیا تھا۔

”میں نے تنویر سے کہا تھا کہ بھاریوں کی طرف بھی خیال رکھنا چاہئے۔ لیکن اس نے مضحکہ اڑایا تھا میرا۔“

”بائرم لوگ تو ایسی باتیں سوچتے تھے جو جو دوسروں کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوں۔“

”آخر وہی ہوا۔ وہ لوگ بھاریوں ہی کی طرف کا

سعد توڑ کر اُسے نکال لے گئے۔ اندر فیضی طور پر جھد دھدہ رہی تھی۔ کیونکہ اسٹول

اٹنے پر سے تھے اور شلیف بھی الٹ گئی تھی۔ کئی رتن ٹوٹ گئے تھے۔“

عمران خاموش ہو رہا۔ مصلحتاً تنویر سے کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد چوہان

تقریباً نو بجے شب ٹرانسٹیٹر پر بیانات موصول ہونا شروع ہوئے —  
بیانات کو ڈورڈز میں تھے۔ جن کے مطابق سمیعہ ہسپتال سے باہر آکر سیاہ رنگ کی  
ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھ گئی تھی۔ کار خالی تھی جسے وہ خود ہی ڈرائیو کرتی ہوئی لپکاؤنڈ  
سے نکال کر سڑک پر لائی تھی۔

اور اب ریڈیو کار سے بیانات موصول ہو رہے تھے۔

”سمیعہ کی کار.... ویرانے کی طرف جا رہی ہے۔ وہ تنہا ہے.... بخود  
ہی کار ڈرائیو کر رہی ہے۔ ہمارے پیچھے کوئی دوسری گاڑی نہیں ہے....“

”اس کی کار کدھر جا رہی ہے!“ عمران نے پوچھا۔ ”سول ہسپتال سے سمت  
کا تعین کرو۔“

”اکبر روڈ پر شمال کی جانب“ جواب ملا۔

”ٹھیک ہے۔“ تعاقب جاری رکھو۔ لیکن اس انداز میں کہ اسے تعاقب  
کا شبہ نہ ہو سکے۔“

پھر سنا ٹھیک تھا۔ صرف کار کے انجن کی آواز سنائی دیتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد آواز آئی یہ وہ کسم پوسٹ کے سامنے والے کچے راستے  
پر یا میں جانب مڑ رہی ہے۔“

”اپنی گاڑی کی سیٹ لائٹ بجھا کر تعاقب جاری رکھو“ عمران نے کہا۔

اس کے بعد پھر کار کے انجن کی آواز سنائی دیتی رہی۔

تقریباً پانچ یا چھ منٹ بعد آواز آئی یہ اس راستے کے سرے پر ایک عمارت  
واقع ہے.... وہ اس میں داخل ہوئی ہے۔ کار باہر ہی کھڑی ہے۔ ہم نے

اپنی گاڑی قریبی جھارپول میں پھپھا دی ہے اور عمارت کی نگرانی کر رہے ہیں۔“

”عمار کے چاروں طرف پھیل جاؤ۔ ایک آدمی ٹرانسٹیٹر پر رہے“ عمران

نے کہا۔

اب ٹرانسٹیٹر پر کار کے انجن کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

”کیوں۔ کیا رہا۔“ عمران نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”میں صفر۔ ریڈیو پر ہوں۔ سچو بان دھاوہ اور نفاہی عمارت کی نگرانی  
کر رہے ہیں۔ اُہ.... کسی گاڑی کے سیٹ لیمپ دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ

ادھر ہی آرہی ہے۔“

”عناط رہو۔“ عمران نے کہا۔

کچھ دیر تک سکوت رہا اور پھر صفر کی آواز سنائی دی۔ ”ایک بڑی سی  
وین ہے۔ کئی آدمی اتارے ہیں۔ وہ عمارت کی طرف جا رہے ہیں۔“

”دوسریا رہو۔“ عمران مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”میں بھی آرہا ہوں۔“

عمران نے سگری ٹرانسٹیٹر منبھالا۔ فی الحال یہاں وائٹ منزل میں کوئی ریڈیو  
کار موجود نہیں تھی۔ اگرچہ سے جیپ کمالی اور کپاؤنڈ میں پیسج کرانگی لائٹ

اٹھائی جن کے نیچے ایک ٹامی گن رکھی تھی اور وافر مقدار میں کازلوس بھی تھے۔

اس نے ٹامی گن کو کھینچ لیا اور پھر اسی طرح سیٹ کے پیچھے رکھ کر انجن اسٹارٹ  
کیا۔ ٹرانسٹیٹر کا سوچ اُن کو دیا۔

منزل مقصود کا نقشہ ذہن میں محفوظ تھا۔ جیپ فرارے بھرتی ہوئی لپکاؤنڈ سے  
شرک پر نکل آئی۔ ٹرانسٹیٹر وائٹ بورڈ کے ایک عمارے میں رکھ دیا تھا جو ایک

مخصوص فری کونٹنسی پر کام کر رہا تھا۔

”ہو۔ ہو....“ اس نے کہا۔ ”صفر۔“

”میں صفر بول رہا ہوں!“ کوڈورڈز میں جواب ملا۔

”دیکھا پوزیشن ہے۔“



”دونوں کاٹیاں باہر مسجد وہیں — کوئی ابھی تک باہر نہیں نکلا —  
ہمارے آدمیوں سے بھی کوئی خاص اطلاع نہیں ملی“  
”میں وہاں پہنچ رہا ہوں — اشارہ نمبر پانچ پر... آواز کی سمت  
چلے آنا۔“

”بہت بہتر۔“

جیپ فرارے بھرتی رہی۔ کسٹم پوسٹ کے قریب پہنچ کر وہ تلوے ہوئے راستے  
پر مدھ گیا۔

”ہلو۔ ہلو۔“ اس نے پھر صفدر کو مخاطب کیا۔

”ہلو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کسٹم پوسٹ سے اندازاً کتنا فاصلہ ہوگا۔“

”دینیں یا ساڑھے تین میل۔“ آواز آئی۔ ”آپ کہاں ہیں؟“

”کچے راستے پر مدھ چکا ہوں!“

”اب یہاں بعض کھڑکیوں میں روشنی نظر آرہی ہے“

”ہوشیار رہو۔“

اس نے اندازے سے ایک جگہ جیپ روک دی اور اسے بائیں جانب  
والی ڈھلان میں اتارنا چلا گیا۔ نیچے بعض جگہ گاڑیاں بھی تھیں۔ اس نے اس  
طرح جیپ بھاڑوں کی اوٹ میں کھڑی کی کہ اوپر ولے کچے راستے سے  
با آسانی نظر نہ آ سکے۔

پھر اس نے سیٹ کے نیچے سے ٹامی گن نکالی۔ مینگن کی پٹیلیاں نکالیں  
اور پیدل ہی مغرب کی طرف چل پڑا۔ رفتار خاصی تیز تھی۔ عمارت تک  
پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

اس نے ایک جگہ رک کر کتوں کی طرح رونا شروع کیا... اور پھر  
بھونکنے لگا... ایک سایہ تیزی سے اس کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔  
غالباً بدوی اشارہ محتاج کے متعلق اس نے ٹرانسپیر پر صفدر کو بتایا تھا۔  
آنے والا بھی صفدر ہی نکلا۔

”خداوند نے اندر جانے کے لئے راستہ بھی تلاش کر لیا ہے!“ اس نے  
عمران سے کہا۔

”ابھی خبر ہے!“ عمران بولا۔ ویسے کوئی باہر تو نہیں آیا“

”نہیں۔“ صفدر نے جواب دیا۔

”عمارت کے قریب پہنچ کر وہ زمین پر لیٹ گئے اور سینے کے بل  
کھسک کھسک کر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔“

اسی طرح صفدر اسے عمارت کی پشت پر لے آیا۔ یہاں چوہان  
خداوند اور نعمانی موجود تھے۔

”دو تین آدمیوں کو اندر پہنچنے کی کوشش کرنا چاہئے!“ عمران نے کہا۔ دو  
باہر تھیں، ایک عمارت کی پشت پر رہے اور ایک سامنے۔ ٹال ان دو

اطراف کے علاوہ اور کسی طرف تو نکاسی کے راستے نہیں“

”نہیں! خداوند نے جواب دیا۔ میں ابھی طرح جائزہ لے چکا ہوں!“

”چلو۔ وہ راستہ دکھاؤ،“ عمران نے خداوند سے کہا۔ اور دوسرے بولا۔

”چوہان اور نعمانی باہر تھیں“

”وہ آگے بڑھے۔ یہ ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو باہر سے مقفل تھا! صفدر

نے جیپ سے نچاؤ نکالا جس میں کارک اس کو لیا اور ایک سو جا بھی فٹ تھا۔ پھر

اسے قفل کھول دیں۔ میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ دروازہ کھول کر وہ آگے بڑھے۔ چھوٹا

ماصحن تھا جس میں کوڑے کھاڑے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ اگلے ایک درہچہ طر آیا جو دراصل ایک طویل راہداری کے اختتام پر واقع تھا۔ وہ راہداری میں اصل ہو کر احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ عمران کے ہاتھ میں پینسل تارچ بھی روشنی کی باریک سی لکیر حرکت کرتی رہی!



راہداری کا اختتام ایک اس سے بھی زیادہ طویل راہداری پر ہوا تھا جو بائیں بائیں دونوں جانب پھیل رہی تھی۔ بائیں بازو کے چند درختوں میں روشنی نظر آئی۔

عمران رک گیا۔ اس کے سامنے قطار میں اس کے پیچھے آئے تھے۔ انہوں نے کچھ آوازیں بھی سنیں لیکن گفتگو سمجھ میں نہ آئی۔ آوازیں بند کر کے میں گونج رہی تھیں۔

عمران بائیں کنارے کی طرف بڑھا۔ محض کچھ ہی تار رہی تھی کہ دروازہ اندر سے کھلتا تھا۔ اس نے بیڈل کو کمرہ بند سے اپنی طرف پھینکا۔ پھر جی غائب ہو گئی! اور اس نے قفل کے سوراخ سے اپنی آنکھ لگا دی۔

اندرا تیز روشنی نہیں تھی۔ کمرہ کا بیڈ تھا اور دو ٹیسے کمرہ میں لمبے روشنی تھے لیکن پھر بھی کمرے کو پوری طرح روشن رکھنے کے لئے ناکافی ہی تھے۔

اندرا کوئی آدمی نظر آئے لیکن ایک کے علاوہ اور سب سہ قیدی خام غیر ملکی تھے۔ ان میں کرنل ڈوہرننگ بھی نظر آیا۔ لیکن ان کے درمیان ڈاکٹر دعا کوگی موجودگی میں کن تھی۔

سامنے آرام گاہی پر سمیعہ نیم دراز تھی اور قریبی میز پر رکھے ہوئے کیرو لین لمپ کی روشنی اس کے چہرے پر پوری طرح پڑ رہی تھی! اس کی آنکھوں سے خوف تھا۔ ایک رہا تھا۔

دفعتاً کرنل ڈوہرننگ نے ڈاکٹر دعا کوگی سے کہا: ”ڈاکٹر... میرا خیال ہے کہ وہیں کے حادثے کی وجہ سے اس کی یادداشت پر بھی اثر پڑا ہے... اور اسے عٹیک سے کچھ باہمی نہیں سمجھیں کیا بتائے گی؟“

”میں پوچھتی ہوں... طارقی کہاں ہے؟“ سمیعہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

”جہنم میں! ڈاکٹر ورننگ غرایا یہ میں نہیں جانتا۔ اگر وہ کسی مصیبت میں پھنسا ہو گا تو اس کی ذمہ داری تم ہی ہو سکتی ہو۔ اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ سب کچھ سچ ہے۔“ تاکہ اس کے بچاؤ کے لئے کچھ کیا جاسکے، ”مجھے کس نے بلایا تھا؟ تم کون ہو۔“

”دیکھ کوئی بھی ہوں۔ لیکن تمہیں ایک بڑے جھجھک سے بچانا چاہتا ہوں۔ اعتراف کرو کہ تم جھجھکے ایک پہلے ہی تھیں۔“

”جس آدمی سے مجھے دیلا گیا تھا اسی سے پوچھ لو نا!“ سمیعہ نے غور سے سنی آواز میں کہا۔

”اُس نے خود کشتی کر لی۔ زہر کھالیا۔ ایسا کیوں ہوا۔ کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔“

عمران نے سمیعہ کے چہرے پر اطمینان کی لہریں دیکھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ اس کے سینے پر سے ہٹ گیا ہو۔

”بس تو یہ نفی نہیں نہ کرو۔“ سمیعہ نے جھلکے ہوئے لمبے میں کہا۔

عمران سوچ رہا تھا۔۔۔ نوراجن نے خودکشی کر لی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سمیعہ سے اس طرح کچھ اگلا لینے کی کوشش ہی کی جاتی۔  
 ”مجھے خبر نہ کرو۔“ وقتاً ڈاکٹر دعا گو ہوا تھا کہ بولا ”انہیں فی الحال آرام کی ضرورت ہے۔ نقیبہ باتیں پھر دیکھی جائیں گی۔“ محمد سمیعہ آپ سونے کی کوشش کیجئے۔“

”میں پریش میں آنے کے بعد سے پھر نہیں سو سکی۔“

”تم سو جاؤ گی۔ میری طرف دیکھو۔“

سمیعہ ڈاکٹر دعا گو کی طرف دیکھنے لگی اور عمران نے عکس کیا جیسے کوشش کے باوجود وہ اس کے چہرے پرستہ نظر ملتا ہے۔ میں کامیاب نہ ہو رہی ہوں۔ وقتاً کرے میں سانپ کی سی چھٹکارا کو بھی ”تم سو رہی رہی ہو۔“ تمہاری پگلیں بھاری ہوتی جا رہی ہیں۔ تم سو رہی ہونا۔“

”ہاں مجھے غنبد آ رہی ہے۔“ سمیعہ کی آواز جید ٹھیفٹ تھی۔

”تمہاری آنکھیں بند ہو چکی ہیں۔ تم گہری نیند سو جاؤ گی۔ لیکن میرے لئے تمہارا ذہن جاگتا رہے گا۔ تم میرے سوالات کا جواب دو گی۔“

سمیعہ کی آنکھیں حقیقتاً بند ہو گئی تھیں اور گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ ڈاکٹر دعا گو نے آگے بڑھ کر انگلی سے اس کی پیشانی پر ہٹھو کے دیئے لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ جیس و حرکت پٹری نہ رہی۔

”تم تو تم میرے سوالات کا جواب دو گی سمیعہ!“

”دوؤں گی۔“ اس نے بدستور آنکھیں بند کئے ہوئے کہا۔ آواز دور سے آتی ہوئی عکس ہو رہی تھی۔

”تم جھوٹ پٹری میں کئی تھیں؟“

”ہاں گئی تھی۔“

”وہاں کیا ہوا تھا؟“

”ایک بوڑھا آدمی تندی کو پیٹھ پر لا کر وہاں تک لایا تھا۔ پھر وہ اگلی سیڈ پر میرے پاس بیٹھ گیا اور یہاں تک کال کر میری کرتے لگاتے ہوئے کسی کو آواز دے کر کہا کہ وہ لاش کو دین میں رکھ دے۔ اس آدمی سے اس کا نام بھی پوچھا تھا۔ اس نے اپنا نام راجن جو دھری بتایا تھا۔“

”پھر وہ آدمی کہاں لے گیا تھا؟“

”میں نہیں جانتی وہ عمارت کس علاقے میں ہے۔ مجھے ہوش ہی نہیں تھا کہ کہاں جا رہی ہوں۔ جہدہ جہدہ وہ گاڑی موڑنے کو کہنا گیا موڑنی گئی۔“

”وہ کونسی طرح حادثہ پیش آیا تھا؟“

”نہیں۔۔۔ وہ اسکیم اسی نے بنائی تھی۔ سب سے پہلے اس نے مجھے اطلاع دے کر بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ پھر کہا تھا کہ تم چپ چاپ ہسپتال پہنچ جاؤ۔ وہ نہیں جواب دہی کرتی تھے گی۔ اس نے مجھے کسی قسم کا احتجاج دے کر یہ پوچش کر دیا تھا ”مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔“ میں نے ہوش میں آنے پر جو بیان دیا تھا وہ اسی کا ترتیب دیا ہوا تھا۔“

”اس بوڑھے کا حلیہ بیان کرو۔“

”وہ بوڑھا نہیں تھا۔ مسنوی سفید ٹاؤس لگا رکھی تھی۔ جوان آدمی تھا۔“

”پھر اس نے عمران کا حلیہ دہرایا۔“

”اس کے بعد دعا گو نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا تھا۔“ کیا بات ہے، ”ڈورنگ نے پوچھا اور ڈاکٹر وہ سب کچھ انگریزی میں دہراتے ہوئے بولا ”حلیہ عمران کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔“



”عمران! ڈوہ رنگ اچھل پڑا۔

”ہاں — میری بات سنو! دعا گو ہاتھ اٹھا کر بولا: اس عورت سمیعہ کو پھر سنبھال واپس جانا چاہئے! ہو سکتا ہے کہ وہ دوبارہ اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر کے اس طرح مارا جائے گا!“

”اُدھ اسے تو ہم ویسے بھی ڈھونڈ نکالیں گے، ڈوہ رنگ اکڑ کر بولا ”ناممکن ہے — وہ روپوش ہو گیا ہے۔“

”اچھا تو پھر اسے ہوش میں لاؤ — ہم اسے اس بات پر آمادہ کریں گے اگر تیار نہ ہوں تو گوئی مار دیں گے۔“

”اسے سونے دو — خود سے جاگن بہتر ہوگا۔“ دعا گو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اس کے دوبارہ جاگنے تک میں یہیں ٹھہروں گا!“

”تمہاری غفلت کی وجہ سے اس کی نوبت آئی، ڈوہ رنگ نے غصیلے لیے

میں کہا۔

”نکو کس مت کر — میں تمہیں جواب دہ نہیں ہوں۔ تم سب میرے ماتحت ہو، دعا گو غرایا۔

ڈوہ رنگ اسے گھور کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

دفترا عمران نے دروازے کو ٹھوکر ماری۔ دونوں پاٹ کھل گئے اور ٹامی گن کی نال ان کی طرف سیدھی ہو گئی۔

وہ سب بوکھلائے تھے۔ ایک سفید نام عزیز ملکی نے اپنے ہولسٹر پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہی مٹی ٹامی گن کی سرخ زبان نکل پڑی اور گولیاں اس کے سر سے ایک بالشت کی ادھیائی سے گزرتی ہوئی دوسری طرف کی دیوار میں پورے ہو گئیں ٹامی گن کی آواز سمیعہ کی تنوی نیند میں بھی خلل انداز ہوئی اور وہ آنکھیں ملتی

ہوئی اٹھ بیٹھ۔

دعا گو۔ عمران! کزنل ڈوہ رنگ سنبھل کر خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

”دشٹ اب، عمران غرایا۔

”اُدھ خدا کا شکریہ، تم ہو۔“ سمیعہ زور سے بولی۔ ایسا عروس ہوا جیسے حلق سے آواز نکالنے کے لئے اسے کافی قوت صرف کرنی پڑی ہو۔

”میں نہیں جانتی یہ لوگ کون ہیں!“ وہ پھر جھنجھی۔

عمران سختی سے برعٹ بھینچنے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھی بھی کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔ اس طرح کہ دروازے ہی پر اڑے رہیں۔ کمرے میں نکاسی کا صرف یہی ایک دروازہ تھا۔

”اُدھو — یہ کیا جگر ہے!“ دعا گو چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ وہ میجران انداز میں پلکیں جھپکایا تھا۔

”تم ہی تناؤ گے؟“ عمران توہرے لیے جیسے میں بولا۔

”یہ لوگ مجھے ایک ایسی دلیف کے لئے بیان لاتے تھے جو اپنی یادداشت کھو بیٹھی تھی۔ یہ اس سے کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ لہذا میں نے اسے پتہ چنانہ کیا۔“

”سچ سچ!“ عمران نے حیرت سے کہا پھر مسکرا کر بولا: ”میں یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ تم چنانہ تم سے بھی ماہر ہو یا نہیں — اس وقت اس کی بھی تصدیق ہو گئی واقعی ماہر ہو۔ اگر کسی آدمی کو طرائف میں لاکر یہ بات اس کے ذہن نشین کرادو کہ اسے خود کشی کرنی ہے تو وہ یقینی طور پر خود کشی کر لے گا۔“

”کیا مطلب ہے ڈاکٹر دعا گو اچھل پڑا۔

وہ ڈپٹی سیکرٹری باد ہے ڈاکٹر جس نے تمہارے پھانک پر رپو الوور سے خود کشی کر لی تھی۔“

”اوہ۔ ہاں تو پھر۔“

”نہیں معلوم ہو گیا تھا کہ پولیس اس کے پیچھے ہے، وہ نہیں جانتا تھا کہ تم ہی اس تنظیم کے سرغنہ ہو۔ وہ ان دنوں انجمن میں مبتلا تھا، تمہارے متعلق کس پایا ہو گا کہ تم ایک ماہر نفسیات بھی ہو۔ اس لئے سکون حاصل کرنے تمہارے پاس چلا آیا تھا، تم اسے ٹرانس میں لا کر اسے خودکشی کی ترغیب دیتے رہے لیکن اس سے بے خبر تھے کہ وہ خودکشی کے لئے جیسا کہ تم چاہتے تھے کرتے گا۔ تم شاید یہ بحث کرنا بھول گئے تھے کہ خودکشی اپنے مکان ہی پر کرے۔“

”یہ پیہودگی ہے۔ یہ کیوں اس ہے؟“ ڈاکٹر بکڑا کر پوچھا۔

”مستحق کر تم بہت ذہین آدمی ہو۔۔۔ تم نے اپنی طبیعت کے لیے نشانہ بنا کر رکھے اور اس کا رنگ سے ہو کر رہ گئے۔ اگر تم اس کی خودکشی کے بعد خاموشی رہ جانے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیتے تو شاید یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ میں عاقل و تدبیر نہیں تھا کہ اس کی خودکشی کے اسباب معلوم کر کے تمہیں سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیتا، تم نے مجھے بھی راستے سے ہٹانے کی کوشش شروع کر دی۔ جلی بیلے والے معاملے میں ناکام ہونے کے بعد تم نے خود اپنی ذات پر بھی اسی پلاٹ کو آزمایا، لاڈ لا کر تمہارے خلاف کچھ شبہات ہوں بھی تو رخ ہو جائیں۔ انتہائی احتیاط سے عمل تھا، ڈاکٹر۔ تمہارا یا نہیں۔ بہر حال مجھے ختم کر دینے کی کوششیں جاری رہیں! پھر تم نے اس بیماری کا رخ کیا، مجھے خبر نہ آئی۔ مجھے یہ یاد کرنے کے لئے کہ وہ حادثہ اسی نامعلوم آدمی کی دیکھیں گے گا، ایک جزو تھا۔ یعنی اگر تم نے اس کے احکامات سے نترائی کی تو وہ تمہیں بھی اسی طرح ختم کر دے گا۔ اس معصوم کی موت میرے سینے میں کس جوا لکھی کے لاوے کی طرح کھول رہی ہے۔“

”یہ تم لوگوں نے مجھے کس چکر میں لا پھنسا یا؟“ ڈاکٹر دعا گو نے ڈوہڑنگ سے انگریزی میں کہا۔

”یہ کیا کہہ رہا ہے!، ڈوہڑنگ نے پوچھا اور دعا گو ان کی گفتگو کا لب لباب سمجھنے کی کوشش میں نہانے اور احتیاط انداز میں ہنسنے لگا۔

”کیوں یہ سب کیا کیا اس ہے؟“ ڈوہڑنگ نے عران سے پوچھا۔

”تم چپ رہو گندے سورا“ عران نے امی گن کا رخ اسکی جانب کرتے ہوئے کہا ”تم بڑی مصیبت میں پھنسنے جاؤ گے! میں ایک غیر ملکی سفارت خانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ تمہارا باپ بھی اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکے گا۔“

”میں کہتا ہوں کہ اس بند کرو۔“ عران غرایا ”تم نے مجھے اٹھانے کے لئے اپنی بیٹی پر بھی وہ بیہوشی طاری کرنے والی نہریلی سونی آزمائی تھی۔“

”سب کیوں ہے۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟“

”میں کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے!، ڈاکٹر دعا گو اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بڑبڑایا۔

”ابھی سمجھ میں آجائے گا“ عران نے کہا اور سمیعہ سے پوچھا ”تم یہاں کیوں آئی تھیں؟“

”مجھے طارق نے فون کیا تھا کہ وہ رات کو مجھ سے یہاں ملنا چاہتا ہے۔ ایک سیاہ رنگ کی گاڑی ہسپتال کی کیا ڈنڈ میں کھڑی ہے گی چپ چاپ کل آنا“

”دک فون کیا تھا؟“

”آج ہی۔“

”لیکن وہ تو میری قید میں ہے۔ کیا تم اس کی آواز نہیں پہچانتیں۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ فون پر کھانسنے لگا تھا اور کام کا غدر بھی کیا تھا۔“

”سنو۔ بلیک میل۔“ عران ڈاکٹر دعا گو کو مخاطب کر کے بولا ”کچھ دیر پہلے تم نے ڈوہڑنگ سے کہا تھا کہ تم اسے سزا دے نہیں سزا دے اور وہ ان معاملات میں تمہارا ماتحت نہیں ہے؟“

”تم خواب دیکھ رہے تھے شاید!“ ڈاکٹر دعا گو مسکرا کر بولا۔

”دفعاً ایک ٹائر ہوا اور ڈوہڑنگ کا ایک سفید فام ساختی دائیں بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے چیخا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ اور ساتھ ہی پشت سے صفحہ کی آواز آئی۔“

”یہ دیواروں دکھانے کی کوشش کر رہا تھا۔“

ڈوہڑنگ اور اس کے دوسرے ساختی بلند آوازیں گالیاں بکنے لگی۔  
”واقعی یہ کیا لغویت ہے!“ ڈاکٹر دعا گو چیخ کر بولا، ”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“

”دعا گو کہ ٹھیک ہو جائے۔“ عمران مسکرایا۔ پھر ڈوہڑنگ اور اس کے ساختیوں کو مخاطب کر کے کہا، ”تم سب اپنے ہاتھ اٹھا لو۔ میرے آدمی تمہاری جاہم تلاشی لیں گے۔“  
تھوڑی دیر بعد صفحہ نے تین دیواروں پر آمد کئے اور انہیں پھر ہاتھ لگا دینے کا حکم دیا گیا۔

”ڈوہڑنگ!“ عمران بولا، ”تم مجھے اپنی حرکات سے متعلق ایک تحریر دو گے!“  
”میں کوئی تحریر نہیں دے سکتا۔“ ڈوہڑنگ نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی، ”میں کہتا ہوں میں جانتے دو۔ ورنہ تمہاری حکومت کو چھپانا پڑے گا۔“

اتنے میں ایک میپ کی کوہرٹ کسے لگی۔ شاید اس میں تیل ختم ہو چکا تھا۔ پھر ایک بار وہ بچھ ہی گیا۔ کمرے میں روشنی کم ہو گئی۔ دفعاً عمران نے صفحہ سے کہا، ”تم ریڈیو کار سے اپنے چیٹ کے نام پیغام بھیجو۔“ ڈاکٹر دعا گو شکی کی تلاشی لی جائے۔ میرا خیال ہے کہ وہاں تمہارے بھی ہیں۔“  
”ایسا نہیں ہو سکتا۔“ ڈاکٹر دعا گو دہرایا۔

”یقیناً ہوگا۔“ صفحہ جاؤ۔“ اور صفحہ باہر نکل گیا۔

”مم۔۔۔۔ میں بھی جاؤں گی؟“ سمیدہ سنائی۔

”ٹھیک ہے۔“ عمران نے کہا اور صفحہ کو آواز دی۔ وہ واپس آیا اور عمران نے اس سے کہا، ”ان مختبر کو بھی لے جاؤ۔ لیکن ان کی واپسی ہمارے ساتھ ہی ہوگی۔“

صفحہ اُسے ساتھ لے گیا۔

”تم اچھا نہیں کر رہے ہو“ ڈاکٹر دعا گو بھلائے ہوئے لہجے میں بولا، ”میرے خلاص کچھ بھی ثابت نہ کر سکو گے۔“

”میرا کام ہے تمہیں پریشان نہ ہونا چاہئے، مجھے یقین تھا کہ وہ بلیک میل اور تنظیم کے سرغنہ تم ہی ہو، جب چاہتا تھا تو بھڑکتا۔ لیکن مزید اطمینان کے لئے چاہتا تھا کہ تم سب کہیں کبھی بھی نظر آ جاؤ۔“ تم ڈیڑھ سیکڑی کی خودکشی کے بعد ہی میری سیٹ پر آئے تھے۔ تم سے ایک حماقت سرزد ہوئی تھی۔ وہ بیان جو تم نے اس کی خودکشی کے بعد پولیس کو دیا تھا۔ تم نے اس کے بچوں کا تذکرہ کیا تھا جن کے مستقبل کے خیال سے وہ پریشان تھا۔ حالانکہ وہ لالہ تھا۔ اس کے کبھی کوئی بچہ سوا کچھ نہیں تھا۔ تم نے یہی شکل سے اپنے بیان میں زور پیدا کرنے کے لئے بچوں کے مستقبل کا بھی تذکرہ کر دیا تھا۔ باوجود یہ انہیں۔ پھر تم سے حماقتوں پر حماقتیں سوچی چلی گئیں۔ کھلا اس زہریلی سونے کا نشاء اس نے بنائی گئی تھی کہ ڈوہڑنگ کی طرف سے ہماری توجہ ہٹ جائے اور ہم کسی تیسرے آدمی کی تلاش میں سرگرداں ہو جائیں۔“

”بھو اسس کئے جاؤ۔ میں نہیں جانتا کہ تم کس کھلا را اور ڈوہڑنگ کی بات کر رہے ہو۔“

”دیکھو رٹ کے“ دفعاً ڈوہڑنگ بولا، ”اب یہ مذاق ختم کرو۔ تم نے ہمارے



ایک آدمی کو زخمی کر دیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی حالت خراب ہوتی جا رہی ہے۔ تمہیں اس کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

”شٹ اپ“ عمران نے اسے لٹکارا اور پھر اپنے آدمیوں سے پوچھا ہتھکڑیاں بھی میں کسی گاڑی میں۔“

تین ایسی کوئی جواب بھی نہیں دیتے پایا تھا کہ ڈوبرنگ نے اس چوٹی سی گولی میز پر مٹھ کر ماری جس پر دوسرا لیپ رکھا ہوا تھا۔ لیپ ٹوٹا اور اندھیرا چھا گیا۔ عمران ”خود دار“ کی ہانک پی لگاتا رہ گیا اور اندھیرے میں خاصی بڑبڑاہٹ پڑ گئی۔

عمران چاہتا تو نازنگ شروع کر دیتا لیکن وہاں اس کے آدمی بھی تھے اور پھر ایک غیر ملکی سفارت خانے کا معاملہ تھا اس لئے وہ بھی محتاط رہنا چاہتا تھا۔

ان غیر ملکیوں میں سے کسی کی موت دشواریاں پیدا کر دیتی۔ ڈراہی سی دیر میں اس نے محسوس کیا کہ وہ تنہا رہ گیا ہے۔ پھر اسے اپنی حالت کا احساس ہوا۔ وہ پشیل ٹاپرچ بھی استعمال کر سکتا تھا۔ ڈوبرنگ اور اس کے ساتھی پہلے ہی ہتھکڑی لگ چکے تھے اس لئے اس کا بھی خطہ نہیں تھا کہ پشیل ٹاپرچ روشن ہوتے ہی کوئی اس پر ناز کر دے گا۔

وہ پشیل ٹاپرچ روشن کر کے آگے بڑھا باباں بازو در سے پٹھا باربا تھا۔ زخم میں شاید پھر کوئی گولہ نہ ہوئی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پورا باباں ہاتھ ہمیشہ کے لئے بیکار ہو گیا ہو!

بابر اندھیرے میں کئی آدمی جھانکتے نظر آئے۔ لیکن وہ ناز کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ ہو سکتا تھا کہ اس کا ہی کوئی ماتحت گولیوں کی زد میں آجائے۔

اور پھر وہ سب اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ لیکن ایک جگہ دو آدمی گھٹے ہوئے نظر آئے۔ اور عمران نے آواز دی: کون ہے۔

”ٹوڈ۔ ڈاکٹر۔ دعاگو۔“ اس نے دعاؤں کی آواز مٹنی۔

اور پھر ایک کو اچھل کر دوڑ گرتے دیکھا۔

”وہ کیا۔ نکل گیا۔“ غالباً یہ گرتے ہی والے کی آواز تھی اور وہ خدا رخصتا عمران جھانکنے والے کے پیچھے دو ڈراہ جو ڈیل ڈول کے اعتبار سے ڈاکٹر دعاگو ہی معلوم ہوتا تھا۔

لیکن اس جتن کے باوجود بھی وہ بہت تیز دوڑ رہا تھا۔

عمران کو اس کی تیز رفتاری کی بناء پر حیرت نہ ہو کہ کہیں وہ بھی نہ اندھیرے میں نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ باباں ہاتھ کی تکلیف کی وجہ سے خود اس کا تیز دوڑنا تقریباً ناممکن ہی ہو کر رہ گیا۔

آخر اس نے جھانکنے والے پر ٹامی گن کھینچ ماری۔۔۔ وہ بڑکھڑایا اور کسی تباہ و بربستہ کی طرح ڈوب کر ہو گیا۔

پھر دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ عمران اور خدا و دونوں ہی نے اسے جتایا۔

عمران کے اندازے کے مطابق نامی گن ڈاکٹر دعاگو کے سر ہی پر لگی تھی۔ سر جھٹ گیا تھا۔ اور خون کی کچھ پچا پھٹ انہیں اپنے ہاتھوں میں محسوس ہو رہی تھی۔

پھر ڈاکٹر دعاگو ہیوش ہو گیا۔

دوسرے لوگوں میں سے کوئی بھی ہاتھ نہ لگا۔ جس کے جادھر سینک سائے تھے جھاگ نکلا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے دوسرے ماتحت بھی وہیں واپس آ گئے۔!

سمیرہ کو ہسپتال میں چھوڑ دیا گیا! وہ گڑگڑا کر عمران سے کہتی رہی تھی کہ اسے عدالت میں طلب نہ کیا جائے۔ عمران نے وعدہ نہیں کیا تھا کیونکہ

یہ حالات پر منحصر تھا۔ اگر ڈاکٹر دعاگو کے یہاں سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوتی تو ہر حال میں اس کی شہادت لازمی ہو جاتی۔ لیکن اس کی توقعات سے کچھ زیادہ ہی مواد ڈاکٹر کی کوٹھی سے برآمد ہوا۔ ٹرانسمیٹر پر صفدر کا پیغام موصول ہوتے ہی بلیک زبرد نے کارروائی شروع کر دی تھی۔

بہت ہی اہم قسم کے کاغذات کوٹھی سے برآمد ہوئے۔ ایسے جو ڈاکٹر دعاگو کو کنفیڈرل وارنٹک پہنچا دینے کے لئے کافی تھے۔ وہ اُسی وقت پولیس کی حراست میں دے دیا گیا۔

دوسرے دن جو زف نے بھی دل کی بھڑاس نکالی۔ ٹگوڈا کا تعلق براہ راست سفارت خانے سے نہیں تھا۔ ٹوہنگ کا نجی ملازم تھا۔ اسے بذریعہ پولیس گرفت میں لے کر لے دیا گیا۔ جو زف کے ہاتھوں اس کی خوب ہی درگت بنی اور اس نے اعتراف کیا کہ عمران پر ہسپتال میں اُسی نے گولی چلائی تھی۔

وائس منزل کے قیدی بھی پولیس کے حوالے کر دیئے گئے۔ یہی نہیں۔ اور بہت سے ایجنٹ بھی گرفتار ہوئے۔ جنہیں بلیک میل کر کے ڈاکٹر دعاگو نے اس تنظیم میں شامل کیا تھا۔ ان کی لسٹ ڈاکٹر دعاگو کی کوٹھی ہی سے برآمد ہوئی تھی۔ وہ روزنامہ جی ملا جس میں ڈاکٹر دعاگو اپنی روزانہ کی مصروفیات تحریر کرتا تھا۔!

حالات کا رخ دیکھ کر عمران نے یہی فیصلہ کیا کہ سمیعہ کو عدالت میں جانے سے بچایا جائے۔ چونکہ وہ سارے کاغذات پہلے اُسی کے ہاتھ پڑے تھے۔ اس لئے کارکنوں کی لسٹ سے اس کا نام اور پتہ غائب کر دینے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔! تمام شد